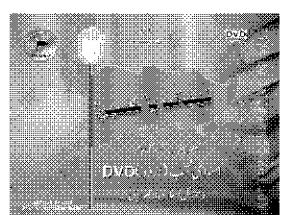


یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون، ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔



سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الْوَمَانِ اور کشمکش

DVD  
version

[www.ziaraat.com](http://www.ziaraat.com)

SABIL-E-SAKINA  
Unit#8,  
Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.  
[www.sabeelesakina.page.tl](http://www.sabeelesakina.page.tl)  
[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

# لپیک یا حسین

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

NOT FOR COMMERCIAL USE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# لصحتكم ایحیح

من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ

جلد اول

(اردو ترجمہ)

مؤلف

علامہ جعفر مرتضی عاملی



ناشر

معارف اسلام پبلیشورز

# معارفِ اسلام پبلشرز

نام کتاب : اصحیح من سیرۃ النبی الاعظم (ص)

(اردو ترجمہ)

جلد : اول

مؤلف : علامہ جعفر مرتضی عالی

ناشر : معارفِ اسلام پبلشرز

تاریخ اشاعت : جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ - ق

تعداد : دو ہزار

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

# مقدمہ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگرچہ شیخ الاسلام کی شخصیت اور زندگی کے متعلق آج تک مختلف زبانوں میں سینکڑوں کتب اور مقالہ جات مشرقی و مغربی، سلم و غیر سلم مورخین کے ذہن کے دریچوں سے نقل کر رہا تھا قلم کے ذریعے ملٹی قرطاس پر خصل ہو کر تحریری روپ دھار پکھیں اور ان میں سے ہر ایک نے خاتم الابیانہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن و واضح کرنے میں اپنی حد تک مؤثر کردار ادا کیا ہے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان میں سائنسے آئے والے تکمیلے کے ظریفہ میں پررواد اخراں و مقتضد ان میں پہنچ ان محکمات اور مورداست خواہ قرار پانے والے منابع میں صرف تخلص بلکہ حاتم و تعداد پایا جاتا ہے۔

صدر اسلام میں شیخ اکرمؒ کی سیرت اور زندگی صرف آپؒ کے اصحاب کے مشاہدات اور مسکونیات میں ہی خصر تھی آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد نئی نسل میں احادیث کاظم اور آپؒ کی زندگی میں رومنا ہونے والے واقعات اور حادث کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خدیدہ ہوتا اور تحقیقی پیدا ہوئی، لیکن اصحاب اور تابعین کی کیے بعد دیگرے امور اور خلیفہ دوم کی جانب سے شیخ اکرمؒ کی احادیث اور تابعیت تبلیغ کرنے پر پابندی حاصل کئے جانے سے آپؒ کی زندگی کے بارے میں صحیح معلومات تک رسالی مشکل، بلکہ اس میں مختلف قسم کی رکاویں تکمیل ہو گئی۔ یوں مسلمان آنحضرتؐ کی روشن و درخشان اور نشیہ و فراز سے معمور زندگی کی تابعیت کا مطالعہ کرنے سے عروج ہو گئے اسی دوران بعض مورخین نے کسی جزئیہ و تحلیل کے بغیر اور غیر منصفان طور پر تاریخی واقعات فلک کیے، جبکہ بعض دوسرے مورخین نے پہلے سے گزرے ظلط مفروضات، حدیثیات اور غیر مستند اجتماعات کے بل بوتے ہوئے بعض کتب تالیف کیں، لیکن دور اندیش، باریک بین، حمد، ذمہ دار اور محقق مورخین نے پچھے کچھے مدارک سے استناد کرتے ہوئے صرف عبد شیخ شیخ اکرمؒ میں روشن ہونے والے تاریخی واقعات اور حادث کے بارے میں درست تجزیہ و تحلیل کیا، بلکہ صحیح اور غیر صحیح و من گھریت تابعیت میں تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ تابعیت کے میدان میں نیا انتقال بانے میں کامیاب ہوئے، اس طرح مسلمانوں کے ہاں موجود سیرت نویسیؒ کی روشن میں بست بڑی تبدیلی نے چشم لیا، جو بعد میں سنگ میں ثابت ہوئی۔

جدید دورہ میں محققان تاریخ نویسی نے نئی شکل اختیار کی اور مورخین نے عمدہ خمیر اسلام میں جنم لینے والے واقعات اور حادث کو پہلے سے زیادہ بحث و تحقیق اور تقدیمی نگاہ سے موروث توجہ قرار دیا ہے چنانچہ عالمہ محقق جناب سید جعفر رضا نقی مالی نے گرائیں بسا کتاب "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم" تالیف کر کے زندگی پغمبر اسلامؐ کی صحیح و مستند تاریخ پیش کرنے کی جانب ایک بڑا قدم اٹھایا ہے تحقیق و جیجوں کے لفاظ سے تاریخ اسلام کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے محققین کے لیے بسترن نہود عمل ہے۔

یہ کتاب جو انتہائی آسان فہرمت الفاظ و مطالب اور سلیمانی دروان عبارت اور کامل محققانہ انداز میں تالیف کی گئی ہے پغمبر اسلامؐ کی زندگی کے مختلف پسلوں کو واضح طور پر پیش کرتی ہے اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ محترم مؤلف نے تاریخی واقعات کو صرف فصل کرنے پر اکتمان نہیں کیا بلکہ موہکافی اور انتہائی وقت کے ساتھ ساتھ سارے ہماری سی واقعات کو پروہا بہام سے باہر کلا اور قارئین کے افہام میں تاریخ کے متعلق روشن تحقیق کی ایک نئی طرح متعارف کروانے کے ساتھ ساتھ ایک جدید روشنی کی دارج بیلڈنگی ہے۔

اس کتاب کو اردو میں ڈھالنے کا متصدی یہ ہے کہ "اردو زبان سلمان پغمبر اکرمؐ کی صحیح تاریخ ایک کتاب جو انتہائی اہمیت اور افادیت کی حامل ہے درسائی حاصل کرنے ہوئے اپنے باعث افتخار اور درخشش ماہنی کو خوف و امید سے آمکھنا سبقت کے لیے مشعل راہ قرار دیں۔ وہ سبقت جو دنیا کے دور و راز طاقوں میں مسلمانوں کی بیداری کی وجہ سے بغرض و مدد اوت اور کینہ کا شکار ہو چکا ہے وہ سبقت ہے دشمنان اسلام و مسلمین مختلف سازشوں کے ذریعے درخشش و تباہک ماہنی سے جدا کر کے اس میں تحریف ایجاد کرنے اور اسے نایود کرنے کے درپیس ہیں۔

اس کتاب کا اردو میں ترجمہ "معارف اسلام پبلیشرز" کی طرف سے ہلالع کیا جا بہا جسے یہ ادارہ حوزہ علمیہ قم کی مشورہ علمی تھنیت، فقیری عالیقدر جناب آیت اللہ طاہری خرم آبادی (دام بکار) کا دادا کے زیر سرپرستی اسلامی علوم و معارف کی تربیج کے لیے کام کر رہا ہے تاریخ اسلام کے حقائق کے مطابق افادہ بالخصوص جوانوں کو اس گرائیں بسا کتاب کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی اسلامی خودی کی طرف لوٹیں اور اسلام کے عقائد اور نورانی تحدیں سے استفادہ کرتے ہوئے پغمبر اسلامؐ کی سیرت سے امام لیتے ہوئے اپنے لیے ایک واضح راستے کا انتخاب کریں اور اسی پر اپنا طرز زندگی اس توار کریں۔

من الله التوفيق

"معارف اسلام پبلیشرز"

## ضروري وضاحتين

بسم الله الرحمن الرحيم

و الحمد لله رب العالمين. الرحمن الرحيم.  
مالك يوم الدين. اياك نعبد و اياك نستعين.  
اهدنا الصراط المستقيم .....

والصلوة والسلام على محمد المصطفى، خاتم  
الأنبياء والمرسلين و آله الكرام البررة، الطيبين الطاهرين.  
واللعنة على اعدائهم اجمعين، من الاولين،  
والآخرين، الى يوم الدين.

قبل اس کے میں اس کتاب "الصحيح من سیرة النبی الاعظم صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم" کے مطالب قادرین کی خدمت میں پیش کروں، مدرجہ ذیل امور کی  
طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

۱۔ موجودہ کتاب کی محدودن کے مطابق میں پہلے درجے پر میں نے سابقین کی کتب پر تکمیل کیا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں معاصرین کی کتب کی طرف کوئی قابل ذکر رجوع نہیں کیا، کیونکہ ان سکھلوں میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ عام طور پر ایسے مطالب ہیں جو انہوں نے گذشتہ افراد کی سکھلوں سے لئے ہیں البتہ ان مطالب کو انہوں نے خاص فہم و ترتیب، مختلف انداز تکاریش کے ساتھ اور توجیہ و اصلاح کے ساتھ تایف کیا ہے۔ انہوں نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ ان مطالب پر اپنی تائید و تکمیل کے ساتھ جملات اور کلمات کو نئی ترتیب اور نئے رنگ میں بھیش کر کے اپنی علی برتری کو ان مطالب کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بنی اسرائیل کے انہوں نے اس حوالے سے کوئی تحقیق کی ہو اور ان کے صحیح یا غلط ہونے میں وقت نظر سے کام لیا ہو۔ گویا انہوں نے کچھ یا کہ یہ تصویص، وہی الہی کا جزو ہیں اور ان میں کسی قسم کے بخک و شبد کی مکالمات نہیں ہے اگرچہ وہ آئندی میں مخالف اور مخاوم ہی کیوں نہ ہوں اور انہوں نے ہر طریقے سے اپنی معجزہ اور ان کی تصحیح کرنے کی سی کی ہے اور اگر ان کا آئندہ میں معجزہ کرنا ممکن نہ ہو سکا تو پھر انہوں نے سوچا کہ ان پر سکوت اختیار کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہمیں حقیقت حال کچھ میں نہیں آئی۔

۲۔ اس کتاب میں میری زیادہ کوشش ہی رہی ہے کہ اس چیز کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں جس کا تاریخ کے عنوان سے ادعا کیا گیا ہے، تحقیق اور جستجو کروں یہیں اس حد تک کہ جتنی اس کتاب کے حدود اجازت دے سکیں۔ اس طرح میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وقت کے ان لمحات کی اچھائی اور برائی کی مکمل تصور کشی کی جائے اور جو واقعات حساس موارد سے لبریز ہیں خصوصاً ایسے موقع جو ہمیشہ محتشوں، سیاستدانوں اور مذہبی افراد کی توجہ کا مرکز رہے ہیں اور وہ اپنے اپداف کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ان واقعات کو بطور ثابت بھیش کرتے رہے ہیں کیونکہ ایسے ہی واقعات اور لمحات تھے جنہوں نے السالیں معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا اور انسانیت کے معبادوں پر کاری ضرب لکائی گئی یہ صرف خالہ اور سلطنتی اقدامات نہ تھے۔

ہر چند یہ کام حقیقت میں انتہائی دشوار اور مشکل ہے یہیں مجھے اچھی طرح علم ہے کہ

عالم اسلام کے کتب خانوں کو ایسی جدوجہد کی کتفی ضرورت ہے اگرچہ یہ کتفی محدود اور ناکمل ہی کبھی نہ ہو۔ اس لئے میں اس میدان میں داخل ہونے کیلئے آمادہ ہو گیا اور مشکلات کو برداشت کرنے پر تیار ہو گیا تاکہ میری یہ کوشش اس زمانے کے واقعات اور حادث کی شناخت کے لئے ”علیٰ تحقیق“ کے طریقہ کار پر اعتقاد کی طرف پلا قدم قرار پائے۔

۲۔ اگر کسی وقت فاری، کتاب کی تحقیقات اور تجزیہ و تحلیل میں شبیہ و فراز کا مشاہدہ کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ایک لمبے عرصے کے دوران لکھی گئی ہے طویل مدت، انسان کے راستے میں وقت کے عصر سے کما حقدہ استھانہ کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اسی طرح انسان کی مختلف حالتیں مثلاً کبھی وہ تازہ دم ہے، کبھی اسے سخاوت کا احسان ہوتا ہے۔ کبھی سرور اور شاداں ہوتا ہے، کبھی وہ غمگین ہوتا ہے، بحث اور تحقیق کی مشکلات کو حل کرنے میں اثر انداز ہوتی ہیں اور انداز گھنکوپر ان کا اچھا خاصاً عمل داخل ہوتا ہے۔

۳۔ اسلامی تاریخ کا الیہ یہ ہے کہ سیاسی اور مدنی اغراض اور دوسرے عوامل کی وجہ سے جھوٹ اور کذب سے مخلوط ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حقیقت تک پہنچنا نہایت دشوار اور اختیالی مشکل ہے۔ اگرچہ ناممکن نہیں ہے۔ بہ حال ضروری ہے کہ درج ذیل امور کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

(الف) ایک خاص قسم کی تاریخات اور مخصوص مولیعین کے نظریات پر اعتقاد اور بھروس کرنے کی وجہ سے انسان بہت سے ہائیک کے جاتے سے محروم ہو جاتا ہے جو تاریخ کے کوش و کمال میں واقع ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے ہائیک جو شخصیم پر بدل کو بھی پاہہ پارہ کر دیں تاکہ وہ ہم تک صحیح و سالم پہنچ جائیں اور تحریف سے محفوظ رہیں۔ پیشہ در سیاستدان اور منصب افراد ان پہنچ ہائیک سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے اور اپنے لئے لفڑان وہ نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا لیکن با بصیرت محققین اور حق کے ملکیشیوں نے جو منصب کی کاروباری سے پاک تھے اور دھوکے باز افراد کی پست خصلت اور تحریف کی لمحت سے دور تھے جن کی تعداد بہت ہی کم ہے، تحقیق کے دامن کو چھام لیا

اور حاکم تک پہنچ گئے۔

اس امر کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایک شخص کسی چیز کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور حد سے زیادہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تھن اس پر اسے کوئی واضح اور درست جوٹ نہیں مل پاتا اور وہ سرگردان رہتا ہے لیکن باطنیٰ باتوں اور خیالیٰ دنیا سے دور، بعض ضرورت مدد افراد اس تک پہنچ جاتے ہیں ایسے افراد کو شکر کرتے ہیں کہ اسلامی تندگی کی گلری جھتوں کو تبدیل کر کے انسان کو ہر سے امر سے بے نیاز کروں۔

ب) ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طبقہ کی بحث اور ان پر اختلاف کرنا اس عنوان سے کہ وہ اس موضوع کو قبول کرنے کا تباہ معیار اور مقیاس قرار پائیں یعنی ہم صرف نصوص کے چند موارد پر اختلاک کر لیں یہ بات ہمارے اهداف کو پورا نہیں کرنی کوئی نہ یہ امر بیہبیر آکرمؑ کی سیرت کا خلاصہ ہٹھ کرنے سے بھی قاصر ہے چہ جائیدہ صدر اسلام کی تاریخ کے محل پہلوؤں کو اجاگر کر سکے۔

اس صورت میں بہت یہ سمجھیں کہ روایات جو صرف صحیت سندی کے معیار پر پورا نہیں اترتیں اور ان میں قبولیت کی کمترین شرائط کا بھی فہدان ہو ان سے ہمیں ہاتھ کھینچتا پڑے گا۔ ایسے موقع پر ایک محقق جہاں آزادی حرکت، واقعات کو آئیں میں میں ربط دینے اور خالج اخذ کرنے کی قدرت سے محروم ہو جائے ہاں وہ اپنے عین فہم و اداک سے جو اسے مسلسل تجھات کے تینے میں حاصل ہوا ہے، ان حاکم کو کشف کرنے میں کوئی مدد نہیں لے سکے گا جن کی اسے تلاش تھی اور یوں حاکم ابہام میں وہ جائیں گے۔

یہ سب مسائل ان اہم مشکلات کے علاوہ ہیں جو ہمیں مکمل کو اریاب گلر و داش تک پہنچانے اور بحث کو ان کے لئے مقبول اور مقبول انداز میں بیان کرنے کے حوالے سے ہٹھیں آتی ہیں اور ان کے حل کے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ کار بھی نہیں ہوتا۔ خصوصاً یہاں پر جس بنیادی مشکل کا سامنا ہے وہ اس طبقہ کو قبول اور رد کرنے کے معیاروں سے مریوط ہے اور اس امر سے متعلق ہے جو عام طور پر بنیادی عقائد کی اساس پر استوار ہوتا ہے۔ لیکن خود ان امور میں بحث ایک لمبی مدت اور بہت زیادہ جدوجہد کا لکھانا کرتی ہے۔ البتہ یہ بات

اس وقت درست ہے جب ہم بہت سے موارد میں کسی تجھے پر نہ فتنہ کیسی اور ہماری سکھو  
بے فائدہ اور محمل رہ جائے اس کی وجہ ہے کہ گھرو شناخت کے مطابق اور اعتقاد کی بہت  
ی بنیادیں کے بارے میں مختلف مذاہب اور علماء کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہا ہے لہذا  
جب ہم سعد کے بارے میں بحث کرس گے تو ہمارا لہذا اور روشن وہ ہوگی جس پر سب  
فرقوں کا اتفاق ہو گا یا کم از کم وہ آئینت کے نزدیک قابل قبول ہوگی۔ اگرچہ اکثر موقع پر  
ایک گروہ دوسرے گروہ سے تجھے کالئے کی کیفیت میں مختلف ہوتا ہے۔

(ج) گذشتہ امور کے علاوہ نصوص، تاریخی ثبوت اور روایات کو پرکھنے اور ان کے باہمی  
ارجاعات کو سمجھنے کے لئے جس لگنے کی طرف توجہ دیتا ضروری ہے وہ مہاری اسلام و قرآن اور  
نبی الاعظم صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی شخصیت، روحانیت اور اخلاق ہے۔ بلکہ ہمیں ہر اس  
شخصیت کے بارے میں یعنی طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے جس کی مجموعی سیرت، اخلاق اور  
نظریات کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے۔

وہ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ بحث و سکھو کے ایسے اور بہت سے ذرائع موجود ہیں جو  
مسلسل تجربات کے مرہون مت ہوتے ہیں مثلاً نصوص کا عاقص اور یہ کہ یہ عاقص ایک  
وقت کی ایسی شخصیت کے احوال سے مانتے آتا ہے جو اس وقت عموماً زندہ ہی نہیں ہوتی یا  
تاریخی حوالات لگانے اور تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا اس زمانے  
میں وقوع پذیر ہونا ممکن ہی نہیں تھا اور اس طرح کے دوسرے امور جنہیں ہم بہت جلد  
بیان کریں گے۔

۵۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ کی تدوین اور تاریخ کو جس  
قدر اہمیت دی اس کی مثال سا بدقہ اس توں میں نہیں طبق۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان تمام  
خاصیت کے باوجود تاریخ اسلام بطور مطلق ایک غنی اور مالا مال تاریخ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی  
تدوین میں سیاسی نظریات اور مذہبی تھیات اور دیگر عوامل کا عمل داخل رہا ہے جن کی وجہ  
سے تاریخ اسلام جھوٹی اور جاوٹی ہاتوں سے مخلوط ہو گئی ہے اور اس کے جنم میں اضافہ ہو گیا  
ہے۔ (جیسا کہ پہلے بھی ہم نے کہا ہے) لہذا طبعی طور پر روایات اور واقعات میں سے صحیح

کو پاٹل سے جدا کرنا نہ صرف دشوار ہے بلکہ ناممکن بھی ہے اسی لئے جہاں تک ممکن تھا  
ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آله وسلم کی حیات طیبہ اور اس زمانے کے واقعات کی ایک  
عمومی و اجمالی تصویر کشی کی ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے۔

۶۔ جیسا کہ قارئین محترم ملاحظہ کریں گے کہ ہم نے مصادر اور شواہد سے کم از کم  
مصادر میں استفادہ کیا ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ جن حکایت کو ہم نے عام طرقے سے بیش  
کیا ہے ان کی تائید اور تائید کے لئے بہت زیادہ مصادر اور مطابق کو فراہم کیا جا سکتا تھا۔

۷۔ جہاں ہم نے دوسروں کے مطالب اور نکات سے استفادہ کیا ہے وہاں ہم نے  
حوالے کا ذکر کرنے میں بھی کوئی کوئی نہیں کی۔ البتہ جہاں کوئی حوالہ یا تائید نہیں ملا وہاں ہم  
نے کسی کے قول پر اعتماد نہیں کیا۔

۸۔ آخر میں اس بات کا انکلاد کرتا چلوں کہ جن اوقات میں راقم کے گھری حالات  
سازگار اور ہشاش بنشاش تھے ان موقع پر بعض بحث سے مریوط حاشیے اور ملاحظات ملحوظ تحریر  
پر دہن ہو گئے یعنی جب کبھی ذہنی کاموں اور ہیئتی مطالعہ نہیں تھا اور ارجمند ایسا بات لکھی گئی  
ہے اس صورت میں ایک نکمل اور جامع سستھو نہیں ہو سکی۔ البتہ اس کے باوجود اس کی کم  
از کم خصوصیت یہ ہے کہ قاری اور راقم دونوں کے لئے ایک نوع ایجاد کرتی ہے۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اب یہ قاری کی مرمنی ہے کہ وہ فیصلہ اپنی حصے  
کی بنیاد پر کرے یا مطالب کی وسعت اور گمراہی کی اساس پر کرے۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ صاحبان گھر و نظر اور ارباب قلم مجھے اپنی آراء سے آگہ  
فرمائیں گے اور بخیریہ کا موقع فراہم کریں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَاتُهُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَاهُ مُحَمَّدٌ وَآلُّهِ الطَّاهِرِينَ.

جعفر مرتضی الحسینی العاملی

قم المقدسة، ایران

۱۶ ذی الحجه ۱۴۰۰ ہجری

## پیش لفظ (۱)

### ماضی کا حال سے رشتہ اور نگارش تاریخ:

یہ بات بدھی ہے کہ اسلامی معاشروں کی زندگی ایک دوسرے سے جدا اور امتیازی واقعات پر مشتمل نہیں ہے۔ یوں نہیں ہے کہ ایک واقعے کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو اور ان میں سے مختلف اوقات کا آپس میں کوئی ارجمند اور اتصال نہ ہو۔ بلکہ زمان ماضی اپنی تمام تر کوششوں اور اپنے تمام نتائج اور ثمرات کو زمان حال کے دامن میں ڈال دیتا ہے تاکہ وہ اپنی حرکت و قوت کے عہاصر اور اپنے وسائل کمال کو ایک مستقل اور مطمئن راہ پر لگا سکے اور پھر اُپس اپنے بلند اهداف کے حوال میں بروئے کار لائے۔ اسی طرح یہ بات بھی روشن اور عیاں ہے کہ بعض تاریخی واقعات ایسے ہیں جنہیں اگرچہ ہزار سال کا عمر مدد گز چکا ہے لیکن انکے اثرات ہماری زندگیوں پر ابھی تک موجود ہیں۔

---

۱۔ یہ مقدمہ درحقیقت بماری کتاب ”حیات الامام الرضا السیاسیة“ کے مقدمہ کا خلاصہ ہے چونکہ یہ بماری بحث سے مر بوٹ تھا اس لئے ہم فتنے اسے یہاں نقل کر دیا ہے تاکہ اس کتاب کی طرف رجوع کرنا ضروری نہ رہے۔

ای طرح ان واقعات کا امت کی تکمیل، اس کی حیات، مختلف امور بلکہ اس کے معاملیں اور چنیات و احسانات پر بہت بڑا اثر ہوا ہے تا چہ رسید کے دین و ادب، علم و سیاست اور اقتصاد و اجتماعی روابط وغیرہ پر ان کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں۔ البتہ واقعات کے اثرات ایک امت سے دوسری امت تک کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک گروہ سے دوسرے گروہ تک۔

تاریخ کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ دیانتاری اور پاریک بینی کے ماتحت گذشت امت کی زندگی، اس کے اوضاع و احوال، اس کی گھری اور اقتصادی بنیادوں، سیاسی نظریات، اجتماعی روابط اور دیگر موارد کی صحیح عکاسی کرے اور ہم سے بیان کرے۔

یہاں سے تاریخ کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور امتوں کی زندگیوں میں اس کے اثرات سے ہم آگاہ ہوتے ہیں اسی طرح ہم پر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف امتوں نے کہوں اس قدر تاریخ کی تدوین، تدریس اور تحریز و تحلیل کو اہمیت دی ہے۔ یہ اہتمام صرف اس نے تھا کہ ہم اس ذریعے سے گذشتہ لوگوں کے اطوار زندگی اور تجربات کو جان لیں اور اپنے مستقبل کے لئے ان سے استفادہ کریں۔

اس کا ایک اور مقصد یہ بھی ہے کہ ہم ان کے عروج اور نزال کے عوامل کو سمجھیں اور اپنے مستقبل کی تصریر کے لئے سالم اور اسوار بنیادیں رکھیں۔

## کیا ہماری بھی کوئی تاریخ ہے؟

ہم ایک امت ہیں لیکن ہماری کوئی تاریخ نہیں ہے (اس سے ہماری مراد کتب تاریخ ہیں) الیسی تاریخ جس سے ہم آج کے مجھیہ وہر میں بہت زیادہ استفادہ کر سکیں۔ کیونکہ اس حوالے سے جتنی بھی کتب موجود ہیں وہ یا تو عگل نظری کی بنیاد پر یا مذہبی مذاہدات کے نہ اثر یا پھر سلاطین کی خوشبوی اور حاکمیت کی غاطر لٹھی گئی ہیں۔ ”تگ نظری“ سے ہماری مراد کسی واقعے کو اس کے اسباب اور علل کو تنفس لندہاز کرتے ہوئے اخذ کرنا ہے۔

یہ امر درست ہے کہ اس وقت جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اکثر باشاہروں اور حکمرانوں کی تاریخ ہے۔ لیکن وہ بھی سمجھ اور تحریف شدہ ہے اور اس میں سلاطین اور حکام کی حقیقی زندگی کی عکاسی کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہے۔ کوئی کوئی موجود نے وہی بات تحریر کی ہے جو حاکم کی خواہشات کے مطابق تھی ہر چند وہ حقیقت کے خلاف اور خود موجود کے نظریے اور اہداف کے بر عکس ہی کیوں نہ تھی۔

اس بنا پر کوئی عجیب بات نہیں گلتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک موجود گھٹیا اور فضول قسم کے امور کو زیر بحث لاتا ہے اور مجلس شراب، سالق اور پینے پلانے کی بات کرتا ہے یا وہ ایسے واقعات اور شخصیات کو تراشنا ہے جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا اور اس کے مقابلے میں تدریجی کردار اور اثرات کے حامل واقعات اور شخصیات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ان کا ذکر ہی نہیں کرتا۔

ایسا طرح وہ خود حاکم وقت یا اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے انفال اور اعمال کو تحریف کر کے قفل کرتا ہے جن کی وجہ سے امت کی اجتماعی زندگی پر موجودہ وقت میں یا مستقبل میں عظم اور اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں اس اہمam، چشم پوشی اور حافظ کو کتنا کرنے کا کوئی بھی سبب اور غرض ہو سکتی ہے۔

### تاریخ کا تجزیہ:

گذشتہ مطلب کی روشنی یہ بات سائنسے آتی ہے کہ تاریخ کی سکھلوں سے استفادہ اور ان کا مطالعہ کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت احتیاط، پاریک بینی اور مکمل بصیرت کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے اور ہر ہر لفظ کو غور سے پڑھے۔ جس تک ممکن ہو ایک واقعہ کا دوسرے واقعے سے موازنہ کرے ان کا آپس میں قابلی جائزہ لے اور جس بھی اسے تحریف کا شائہ ہو یا ذاتی رخصات اور خواہشات کا عمل دخل نظر آئے، اسے نظر انداز کر دے یا پھر اس نگتہ پر توقف اختیار کرے۔ البتہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے خصوصاً اس

ہے میں کہ جو صدر اسلام کی تاریخ سے مریط ہے۔ تاریخ اسلام کا غالباً سبی حمہ مختص اور تھیجی انکار کے ذریعے بلکہ بیشتر تو یہ لوگ خود ہی قائم تھے، مدون ہوا ہے۔

### ہمارا طریقہ کار:

ہماری یہ کوشش ہو گئی کہ ہم اپنی تاریخ کا روشن اور صاف سفرارخ پیش کریں جس کی ابتداء آغاز اسلام سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہم اپنی کوششوں کو ان روایات اور نصوص جنہیں تاریخ با کر پیش کیا کیا ہے، میں سے صحیح کو باطل سے جدا کرنے پر مرکوز کریں گے وہ حقیقت یہ وہی نتیجات اور اہم ہیں جنہیں افسانہ نگاروں، قصہ سازوں، ہوا پر سوون اور مطلب پر سوون نے انحراف کیا ہے۔

### اہم حقیقت:

یہاں پر ایک انتہائی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ سبی مدون تاریخ اسلام اپنے فلسفی کے باوجود بطور مطلق ایک امت کی غنی ترین تاریخ ہے اور دوسری تمام تواریخ سے دیقان ہونے اور اپنی وحدت کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ جب آپ اس تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس میں واقعات، جملات اور موافق کے علاوہ حرکات و سکونات، توجہات اور چہرے کے ہماڑات تک کا ذکر موجود ہے ان سب چیزوں کو نہایت دقیق اور بے نظری انداز میں ثبت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث اور روایات سے اس تقدیر زیادہ مطالب حاصل ہو جاتے ہیں جس کی مثال کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نکتہ پر ہم تائید کرتے ہیں کہ افراد اور شخصیات کی تمام سختگوں کا قطعی اور یقینی طور پر ریکارڈ ہوتا ہاتھ کسی تاریخ میں ممکن نہیں ہے خصوصاً بت سے اہم واقعات میں چہ جائیکہ جتنی امور میں ایسا ہو جائے۔

تاریخ اسلام کی ایک اور خصوصیت جو اسے دیگر تواریخ سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس کے اندر ایسے قواعد اور راستے موجود ہیں جن کی وجہ سے ایک حقیقی انسانیان کامل اور لفڑی سے بے خطر ہو کر حقیقت کو پا سکتا ہے البتہ اس شرط کے ساتھ کہ ان قواعد اور اصولوں کی پابندی کرنے جن کی طرف ہم کتاب کے مقصدے میں اشارہ کریں گے۔

اس لحاظ سے کہ تاریخ اسلام کا نقطہ آغاز سید المرسلین حضرت محمدؐ کی سیرت ہے لہذا ہم بھی اسی سے ابتداء کرتے ہیں۔ اس باب میں ہم محدثوں کے اہم اور اساسی خود خال کو حقیقیں اور دالشوروں کی کوششوں کے لئے بخوبی مقدمہ بیش کریں گے، اس کے بعد دوسرے طالب کو بیان کریں گے۔ یہاں پر اب ہم اپنی کتاب "حدیث الانف" کے شروع میں ذکر شدہ نامکمل محتوى کو مکمل کرتے ہیں۔ نیز بخوبی محدثوں کی مطابقت سے مزید مذید نکات کا اضافہ کر کے بیان کریں گے۔ اس کے بعد حضرت ختم المرسلینؐ کی سیرت کے بارے میں محدثوں کا آغاز کریں گے۔

## تمہید

### صفات النبیؐ:

بے شک ہر نی روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اور نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اس خلافت کا کون حదار ہو سکتا ہے۔ آپؐ اعلیٰ و اشرف انسان اور فضل و کمال، عقل و جمال، حکمت و دالش، عزت و وقار، جاه و جلال کا نمونہ تھے۔ آپؐ علم و حکمت کے مظہر، اسوہ شجاعت اور جذکر قوی تھے۔ مختصر انداز میں یوں کہا جائے کہ آپؐ کی ذات اقدس تمام اعلیٰ انسانی کمالات اور فضیلتوں کا مجموعہ تھی اور ہر لحاظ سے انسان کامل تھے۔ آپؐ ایسے انسان تھے جن کے چھوٹے سے چھوٹے عمل میں کوئی خلل اور کمزوری و کھلائی نہیں رہی اور رضاخ و سخوار میں تھاد، عاقض اور پر اکندگی کا ثانیہ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک جملے میں کہا جائے کہ آپؐ ایک مصوص اور ہر قسم کی ظہی اور لغوش سے مبرا اور منزہ انسان تھے۔ اس عالم کی تمام محکومات سے افضل اور آکل تھے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے بیس نوع انسان کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے، آپؐ کی اطاعت کو ان پر واجب قرار دا ہے۔ یہاں تک کہ جتنی ترین اعمال میں بھی آپؐ کی جیروی کو فرض کیا ہے۔

ارشاد الہی ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔ (سورہ احزاب / ۲۱)

یعنی رسولؐ تمہارے لئے کامل نمونہ ہیں۔

## دین اور امت سے غداری

لیکن جب ہم الحسی روایات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدریغ کے عنوان سے بطور سدھیش کی جاتی ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نبیؐ سے قرآن "علیٰ خلق عظیم" (۱) کے الفاظ سے یاد کرتا ہو، جو تمام انبیاء اور مرسلین کا سردار اور ان سے اشرف و افضل ہو، جو کائنات میں کامل ترین انسان ہو، جو حعل کل، مدر کل اور امام کل ہو۔ وہ ایک عالیٰ اور مقاوم شخص نظر آتا ہے۔ وہ پوگانہ حرکتیں کرتا ہے چاہوں کی طرح سمجھو کرتا ہے، اس کی رناظت اور خوشبوی اسی طرح اس کا فلم و غصہ کسی خاطلے کے تحت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے فحیے کے پاتھوں عاجز ہے۔ آخر میں یہ روایات اس کا تعارف یوں کرتی ہیں کہ وہ ایک شخص ہے جو مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے ہر وقت تربیت اور تعلیم کا محتاج ہے گواہاتی سب اس سے دلائل اور قویٰ تر ہیں۔ اس روایت کی کس طرح اور کس بیان سے تفسیر کی جائے جو یہ جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زوجہ کو حبیثیوں کے کرب یوں دکھائے کہ انہوں نے اپنا رخسار اپنی زوجہ کے رخساروں پر رکھا ہوا تھا علیہ ازیں انہیں اپنے کندھوں پر بھی سوار کیا؟

یا ایک اور روایت کہتی ہے کہ آپؐ انہر کو چھوڑ کر الگ ہو گئے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحراء کے وسط میں دوڑ لگانے لگے وہ بھی ایک بار نہیں بلکہ کسی بار ۲ یا ۳ کامیابی ہے کہ جب آپؐ نے اپنے منڈولے میٹنے کی بیوی کو جذبائی حالت میں دیکھا تو آپؐ اس کے دلباختہ ہو گئے؟ اسی طرح کی اور بہت سی روایات آپؐ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جمل کی گئی ہیں جنہیں بیان کرنا ہمارے لئے محبوب ہے اور مناسب نہیں ہے جب ہم ان کے بیان کرنے سے قادر ہیں تو آپؐ نے انہیں انعام کیسے دیا ہوگا؟

۱۔ اگرچہ بعض علماء نے یہ اختصار دیا ہے کہ "خلق" سے مراد دین یا عادت اور سنت عظیم ہو لیکن یہ بات اس عبارت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے۔

ای طرح یہ بات کیسے تسلیم کر لیں کہ کسی ایک مسئلے میں مذکور اکرمؐ ایک رائے در بعد میں آئت نازل ہو اور آپؐ کی رائے کو علط قرار دے جبکہ رسولوں کی رائے کو درست قرار دے، اس سے غم زدہ ہو کر مذکور اکرمؐ بیٹھ کر روا شروع کر دیں؟ یا آپؐ کے کسی قوم کے معدکی کے دھیر کے پاس سے گزئے اور کھلے ہو کر پیشab کرنے کی کیسے تاویل کی جائے؟ ای طرح اس محوٹ کی کیا توجیہ کی جائے کہ ایک شیطان ہے جو آپؐ کے پاس جبرائلؐ کی شکل میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی مد کرتا ہے تاکہ شیطان اسلام لے آئے۔ یا یہ کہ آپؐ نے شراب نوش فرمائی۔ اس بات کو کس طرح بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپؐ حضرت ابراہیمؐ سے زیادہ حکم و تردید میں جلاحتے؟ ای طرح کی اور بہت سے کھینچا ترین بائیں جو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ حدیث اور تاریخ کی کتب الحسینی باقاعدے سے بصری پڑھی ہیں۔

ہاں! الحسینی روایات جو کامات کے افضل ترین اللسان اور تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار کا اس انداز سے تعارف کرتا ہے۔ ان میں سے آخر روایات حدیث کی الحسینی کتب میں موجود ہیں جن کے بارے میں کہا یا ہے کہ وہ قرآن کے بعد معتبر ترین کتب ہیں۔ ان روایات کی طرف رجوع کرنے والا شخص خدور اکرمؐ کے مخلوق یہ تصور قائم کرتا ہے اگر اس کا وہن تاریخ کے حقیقی معیاروں اور بنیادیوں سے خالی ہو جو کہ تاریخ میں حقیقت کا لازم ہے ای طرح اگر یہ شخص اس عظیم شخصیت کی خصوصیات سے آگاہ نہ ہو جو زمین پر اللہ کا خلیلہ اور اس کے ارادے کا مظہر ہے یا اس کا باطن روایات کی لندھی تھیہ اور خواہ مخواہ کے تقدس سے پاک نہ ہو کیونکہ یہ احترام اور تقدس کبھی کبھار روایات کو ہر قسم کے قائنے سے مبرأ قرار دے رہا ہے اور احادیث کی صحیح و سالم اور حقیقی اہمیت معلوم کرنے میں رکاوث بن جاتا ہے۔ اس تقدس کا سبب کیا ہے؟ جبکہ ابھی یہ ثابت ہی نہیں ہوا کہ یہ کلام آنحضرتؐ سے صادر ہوا ہے یا نہیں؟ ای طرح گیا یہ آنحضرتؐ کے انفال اور ادھار سے مربوط ہے یا آپؐ سے علط منسوب کیا گیا ہے؟

حضور اکرمؐ کی الحی تصور ہٹش کرنا تاریخ، امت اور پوری انسانیت کے ساتھ ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ اس کے فم میں ہمیشہ ہم خون کے آں سورتے رہیں گے۔

## خطراناک سازش

بنیادی سوال یہ ہیدا ہوتا ہے کہ یہ سب افتراء اور تھیس آنحضرتؐ کی ذات اقدس پر کیوں گھالی گئی ہیں؟ ہماری رائے میں یہ سب کچھ ایک سوچی بھی سازش کے تحت کیا گیا ہے جس کا مقصد درحقیقت اسلام کو صفحہ ہتھ سے محو کرنا تھا جس کے ابتدائی مرحلے کے طور پر، مبلغبر اکرمؐ کی شخصیت کو لشکر بنا یا کیا اور اس الحی رسولؐ کی شخصیت کو غیر موجود اور داغدار بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش کے اصلی حرک اور بالی اموی حکام اور ان کے حواری تھے جو حضور اکرمؐ کے ساتھ انتہائی بخش رکھتے تھے۔ یہاں پر ہم ہمیں اسیہ کی اس سیاسی چال کے چدد نمونے ذکر کرتے ہیں جن میں بلا واسطہ ہی اکرمؐ کی ذات اور اسلام کو لشکر بنا یا کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زید بن علیؑ نے کہا ہے کہ میں ہشام بن عبد الملک کے پاس موجود تھا، اس کے سامنے مبلغبر اکرمؐ کو گایاں دی تھیں لیکن ہشام نے دتواس شخص کو روکا اور نہ ان باقیوں کی تردید کی۔ (۱)

۲۔ خالد بن سلمہ المخزومی جو ”الاتفاق“ کے ہم سے معروف ہے، کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ وہ مری (۲) اور علیؑ کا دشمن تھا وہ ہمیشہ ہی مردان کے سامنے ایسے

۱۔ اربیلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ، ج ۲ ص ۳۵۲ میں دلائل الحمری سے نقل کیا ہے اور قاموس الرجال ج ۳ ص ۲۶۰ میں موجود ہے۔

۲۔ مرجسی کبھی بہزہ کے ساتھ بڑھا جاتا ہے۔ اس کا لغوی معنی ”وہ شخص ہے

اشعار پڑھتا تھا جن میں رسول اللہؐ کی بدگولی اور ہجو کرتا تھا۔ اس صورت حال کے باوجود  
بکاری کے علاوہ بالق Tam سلخ شے کے مصنف اس سے روایت نقل کرتے ہیں۔ (۱)  
۲۔ اسی طرح عمرو عاصی کے ہادیے میں کہا گیا ہے کہ «ایک عصیانی کو سزا دینے پر  
رامی نہیں تھا جس نے آنحضرتؐ کو دشام دیں تھیں۔ (۲)

۳۔ ایک انصاری اور ایک اموی آئیں میں فخر و میلبات کر رہے تھے۔ اموی اپنے  
بزرگان کا مذکور کرنے لگا کہ جب رسول اللہؐ کی رحلت ہوئی تو وہ آپ کے عمال تھے۔

---

جو کام کو تاخیر میں فالنا ہے ”اصطلاح میں مسلمانوں کے اس فرقے پر اس کا  
اطلاق ہوتا ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو بھی جرم کی سزا نہ  
دی جائے بلکہ اسے آخرت پر موقف کر دیا جائے۔ بعض کے نزدیک مرجدہ انہیں  
کہا جاتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے ہر سے سے ہرا گناہ بھی  
کوئی ضرر نہیں پہنچاتا جس طرح کفر کی حالت میں اطاعت اور نیک عمل  
کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور انہیں اس لئے مرجدہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے  
نظریہ کے مطابق گناہوں کی سزا اور عذاب، آخرت تک مؤخر ہے۔ ان کے ہمارے  
میں بھی آراء ہائی جائز ہیں مثلاً جبریوں کو بھی مرجدہ کہا جاتا ہے وغیرہ۔

(مترجم)

- ۱۔ ”بحوث مع اہل السنۃ والسلفیۃ“ ص ۱۰۱ اور مرحوم مظفر کی کتاب ”دلائل  
الصدق“ ج ۱ ص ۲۹ کی طرف رجوع کریں، اس مقام پر علامہ محمد رضا  
مظفر مرحوم نے ایک حاشیہ لکھا ہے جو بہت مفید ہے۔
- ۲۔ الاستیعاب (الاصابة پر حاشیہ) ج ۳ ص ۱۹۳ اور الاصابة ج ۳ ص ۱۹۵ جو کہ  
بنخاری سے روایت کرتے ہیں اور انہی تاریخ میں صحیح مند کے ساتھ نقل کرتے  
ہیں۔

انصاری اس کے جواب میں کہتا ہے کہ تم بھیک کتے ہو لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اسلام کو پلاٹو کرنے کے لئے انہوں نے محدثین سے کلمہ جوڑ کر لیا تھا۔ اموی یہ ددان بھیں جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ (۱)

۵۔ جب مشہور شاعر ”کیت“ رسول اللہؐ کی محدث میں شرکتا ہے تو کچھ لوگوں پر ناگوار گزتا ہے اور وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو کیت یہ شعر پڑھتا ہے:

الى السراج المنير احمد لا  
يعللنى عن رغبة ولا رهب  
  
عنه الى غيره ولو رفع الناس  
الى العيون ولو ارتقبوا  
  
و قيل: افترطت بل فسدت ولو  
عنفني القائلون او ثلثبا  
  
الىك يا خير من تضمنت الارض  
و ان عاب قولى العيب  
  
لح بفضيلك اللسان ولو  
اكثر فيك الضجاج والتجب

- میں نے سراج و نیر احمدؐ کی طرف روح سیا ہے، مجھے تو کوئی لالج اور کوئی خوف ایسا کرنے سے نہیں روک سکا
  - اگرچہ لوگوں کی نظریں میری طرف امکھ رہی ہوں اور وہ میری تازیں ہوں
  - تیرے بارے میں کہا گیا ہے کہ میں نے افراط سے کام لیا ہے لیکن میں نے معمول کی حد سے بھی کم تربات کی ہے
-

- ۔ اگرچہ لوگ مجھے مورود حلب قرار دیں لیکن میرا کلام خیر پدھر ہے ہے تمی بارگاہ  
میں اے زمین پر رستے والے خیر البشر
- ۔ اگرچہ نکتہ چین افراد نے میرے کلام کو مجب سمجھا ہے لیکن میری زبان خود بخود  
تمیری فضیلت میں روائی ہے
- ثاید ”کیت“ نے محبوس کر دیا تھا کہ اس اعتراض کے پیچے کوئی بڑی سازش کار  
فرما ہے اس لئے وہ بیوں کہنے پر مجبور ہوا۔

رضوا بخلاف المحتدين و فهم

مخجلاة اخرى تصان و تحجب

- ۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہدایت یا نہ افراد کے علاوہ راستے کو اختیار  
کریں ثاید پردے کے پیچے کوئی راز ہے جسے وہ چھپانا اور محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔

البعة بیان پر جس چیز کی وہ پردہ پوشی کر رہے ہیں اس سے مراد خطیہ کو رسول اللہ<sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup>  
سے افضل سمجھنا نہیں ہے کیونکہ یہ بات کسی پر پوشیدہ شیخی جیسا کہ ہی اسی کے نامہدوں  
مثلاً خالد قسری اور حجاج بن یوسف نے اس بات کی صراحت کی تھی لہذا جس بات کو وہ  
مخفی رکھنا چاہتے تھے وہ وہی اسلام کو مٹانا تھا اور رسول خدا کی شخصیت کو سکوند اور سعی  
کرنا تھا۔ (۱) اس کی تفصیل سے آپ آئندہ آگاہ ہوں گے۔

۶۔ مطرف بن مظیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابویکر، حضرت عمر اور حضرت  
عثمان کی سلطنت اور حکومت کا ذکر کرنے کے بعد کما کہ وہ دنیا سے چلنے گئے تو ان کی یاد  
بھی گھو ہو کی یہ سب محفوظ کرنے کے بعد معاویہ نے مظیرہ سے کہا یہی ہاشم سے تعلق

۱۔ اس بارے میں کتاب ”بحوث مع اہل السنۃ والسلفیۃ“ کے ص ۱۰۱ اور ۱۰۲ پر  
رجوع کیا جائے۔

رکھنے والے شخص (مراد مذکور اکرمؐ کی ذات ہیں) کا ہر روز پانچ مرتبہ اوب و احرام کے ساتھ یوں نام لیا جاتا ہے ”اشهد ان محدثا رسول اللہ“، پس اسے مخفیہ تیری مان مرجاۓ۔ اس صورت حال میں ہمارا کولنا حربہ کامیاب رہا... نہیں! خدا کی قسم یہ ہم بھی دفن ہونا چاہیے۔ (۱) اس بارے میں کامگیا ہے کہ سن ۲۱۲ ہجری میں صرف محاویہ کی اسی بات کی وجہ سے خطیفہ ناموں، محاویہ پر لعنت کرنے لگا۔ البتہ اگر بعد میں اس کام سے اصراف پر قانون نہ ہوا ہوتا تو۔ (۲)

۴۔ جب محمد اللہ بن نبیر نے مکہ اور حجاز پر تسلط حاصل کر لیا تو عبد الملک بن مروان نے لوگوں کو رجح پر جانے سے سچ کر دیا جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے جامع سجد اقصیٰ اور حمزہ پر گنبد بنا کر لوگوں کے دل یقینت کی کوشش کی اور اس میلے سے عوام کو حج سے روکا چلا۔ لوگ حمزہ کے سامنے توقف کرتے تھے، خانہ کعبہ کے طواف کی طرح اس کا طواف کرتے تھے۔ ”عبد قربان کے ٹن ہاں قبولی کرتے تھے اور اپنے سروں کو مندوست تھے۔ (۳)

اس کے بعد جیسا کہ ”جاط“ نے تصریح کی ہے، انہوں نے قبلہ ہی بدل دا ظاہرا انہوں نے اپنا قبلہ خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس میں یہودیوں کے قبلہ حمزہ کو قرار دیا۔ جیسا کہ گذشتہ مطالب اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ الموقفيات ص ۵۶۶، معتبرلى کی شرح نهج البلاغة ج ۵ ص ۱۲۹ و ۱۳۰ اور مروج الذهب ج ۳ ص ۳۵۳ اور قاموس الرجال ج ۹ ص ۲۰

۲۔ مروج الذهب ج ۳ ص ۳۵۳ و ۳۵۵

۳۔ البداية و النهاية ج ۸ ص ۲۸۰-۲۸۱ اور ان کتب کی طرف رجوع کیا جائے: تاريخ يعقوبي ج ۲ ص ۱۶۱، مأثر الانابة في معالم الخلافة ج ۱ ص ۱۲۹، دعوى کی حیات الحیوان ج ۱ ص ۱۶۶ اور السنة قبل التدوین ص ۵۰۲-۵۰۶۔

جاط کتا ہے کہ ”یہاں تک کہ عبداللہ بن عروان، اس کا بیٹا ولید ان دونوں کا عالی جاج اور ان کا مددگار بزرگ بن الی مسلم پاہ پر قابض ہوئے تو انہوں نے خانہ کعبہ کو گرا دیا۔ مسجد النبی پر جملے کو جائز سمجھا، خانہ کعبہ کو گرا دیا، اس کی حرمت کو پامال کیا اور شر و اسٹ کے قبلہ کو تجدیل کر دیا...“۔

اور وہ اپنی سختکو کو چاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ فرض کریں کہ قبلہ کو تجدیل کرنے کی بات غلط ہو اور خانہ کعبہ کی ڈھانے کی بھی تادیل کی جاسکتی ہو، اس طرح ان کے اس نظریے کی بھی توجیہ کی جاسکتی ہو کہ ”خالدان میں کسی شخص کا جانشین اور خلیفہ اس کے ڈھنبر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔“ (۱) اس بات کو بہت سے ذرائع نے فحش کیا ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ ”حاشم فخر کرتا ہے کہ ہم نے کعبہ کو نہیں ڈھایا، قبلہ کو تجدیل نہیں کیا اور رسولؐ کو خلیفہ سے کم تر نہیں سمجھا۔“ (۲)

اس امر کی درستی کی دلیل یہ ہے کہ شر و اسٹ کے قاضی اسد بن عمرو نے دیکھا کہ شر کا قبلہ ٹیڑھا ہے اس نے اسے سیدھا کر دیا۔ اس کے بعد اس پر رافضی (۳) ہونے کا الزام لگایا کیا۔ (۴)

۱۔ رسائل جاظ ۲ ص ۱۶

۲۔ آثار جاظ ص ۲۰۵

۳۔ رافضیہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے، جو اصحاب کی آراء یعنی ابویبکر، عمر کی بیعت کو قبول نہیں کرتا اور رسول اللہ (ص) کے بعد امامت اور خلافت کا حقدار حضرت علیؓ کو سمجھتا ہے۔ اس لئے انہیں رافضیہ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

۴۔ نشور المحاضرات ج ۶ ص ۳۶ اور تاریخ بغداد ج ۷ ص ۱۶

حجاج نے شر واسط کے بنیاد رکھی تھی ظاہر ہے کہ ابتداء میں اس کا قبلہ درست تھا لیکن کچھ مدت گزئے کے بعد اس کا رجح دوسری طرف موزڈ دیا گیا۔

شاید اسی وجہ سے فقط اہل عراق (کوفہ، بصرہ وغیرہ) کے لئے حوزہ اسی طرف رجح کر کے نماز پڑھا سکتے ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا کعبہ کی طرف رجح بہتر ہو جائے آئمہ علیہم السلام نے پچھے سے یہ بات لوگوں کے کافوں میں ڈال دی تھیں جب ان سے اس حکم کی وجہ پر تھی تھی تو انہوں نے بات کو مٹا دیا۔ (۱) لیکن پھر بھی شیعوں کے دشمن اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے، اس نے جس نے بھی قبلے کو درست کرنے کی بات کی اور اقدام کیا اس پر راضی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ جیسا کہ پڑی بیان ہو چکا ہے۔

۸۔ کتاب ”اخبار الملوك“ میں احمد بن ابی طاہر روایت کرتا ہے کہ ”جب معاویہ نے ساکر موذن ”اشهد ان محمدا رسول اللہ“ کہ رہا ہے تو کئے لگا آفرین ہے تیرے باپ پر اسے عبداللہ کے پیٹے، بڑی بلند ہست تھی تماری، تم اپنے لئے اس سے کم تر پر راضی نہ ہوئے کہ تمارا نام بھی رب العالمین کے ساتھ گئے۔ (۲)

۹۔ سلمہ بن کعبہ فلی کرتا ہے کہ میرے اور ذوالمرہبی (جو کہ کوفہ کے عبادت گزار اور صحابہ نتے کے راویوں میں سے تھے) کے درمیان حجاج کے کفر اور ایمان کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ میں اسے کافر کہا تھا اور وہ اسے مومن سمجھتا تھا۔ حاکم نے کما جعل کے کفر پر دلیل وہ بات ہے ”محمد بن جبیرہ نے الوسل اور احد القطان اور اس نے اعمش سے اس کے بارے میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”والله“ میں نے حجاج بن یوسف سے سنا ہے کہ وہ کہ رہا تھا کہ میں اس حدیث شخص (مراد عبداللہ بن مسعود) پر حیران ہوں گے وہ مکان کرتا ہے یہ جو قرآن وہ پڑھا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کی قسم!

۱۔ وسائل، ابواب قبلۃ فی الصلاۃ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ معترلی کی شرح نهج البلاغہ ج ۱۰ ص ۱۰۱ کی طرف رجوع کریں۔

قرآن عربوں کے رجس کے علاوہ کچھ نہیں ہے خدا کی قسم اگر میں اس حذل شخص کو پاپا  
تو اس کی گرفتار توڑ دیتا۔ اور این عساکر اور بعض دیگر علاء مزید اخافہ کرتے ہوئے لکھتے  
ہیں کہ حاجج نے کہا ”اگر میرے بس میں ہوتا تو قرآن کو اپنے مسعود کی قراتب سے خالی  
کر دیتا اگرچہ یہ کام خنزیر کے دانوں کے ذریعے ہی کرتا یا خنزیر کے دانوں کے ذریعے اسے  
قرآن سے اکھیڑ دیتا۔ (۱)

ابن کثیر نے اس کلام کو بہت ہی برا اور قبیح شمار کیا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ کے  
بارے میں زیادہ وضاحت چاہتا ہے وہ اس کی کتاب ”البداية والنهاية“ کی طرف رجوع کرے۔  
۱۰۔ الف: جاظٹ نے کہا ہے کہ حاجج نے کوفہ میں اپنے خطے میں ان لوگوں کا تذکرہ  
کرتے ہوئے کہا جو مدینہ میں آنحضرتؐ کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے جاتے تھے، کہ بریاد  
ہوں وہ لوگ جو کفری اور بوسیدہ بڑیوں کا طواف کرتے ہیں۔ وہ کبھی امیر المؤمنین  
عبداللہ کے محل کے گرد چکر نہیں لگاتے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ انسان کا خلیفہ اور  
جانشین اس کے رسول (بیظام ہیچانے والے) سے افضل ہوتا ہے؟

میرد نے اس بارے میں کہا ہے کہ ”ای وجوہ سے فتحاء نے حاجج کے کافر ہونے کا  
فتویٰ دیا ہے اور حاجج نے یہ بکواس اس وقت کی جب لوگ طواف کرنے میں مشغول تھے۔  
بہر حال یہ واقعہ مشہور اور معروف ہے۔ (۲)

۱۔ مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۶۵۶ اس کا خلاصہ جو ذہبی نے کیا ہے اور اسی  
صفحہ پر حاشیہ، تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۶۹ الغدیر ج ۱۰ ص ۱۵  
(مستدرک الحاکم اور تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے) البداية والنهاية ج ۹ ص  
۱۲۸ ابو داؤد اور ابن ابی خیثمة سے نقل کیا ہے۔

۲۔ اس مسئلے میں محمد بن عقیل کی کتاب النصائح الكافية ص ۸۱ (جو کہ  
جاحظ سے نقل کرتے ہیں)، میرد کی الكامل ج ۱ ص ۲۲۲ معتزلی کی شرح نبیح

ب: بلکہ حجاج نے عبد الملک کو تھاکر "السان کا جائش خلدان میں اس کے رسول اور قائد سے افضل ہوتا ہے، یا امیر المؤمنین! اسی طرح سے خلفاء انبیاء اور مرسلین سے افضل ہیں"۔ (۱)

ج: خالد بن عبد الله قریٰ کرتا ہے کہ جب اس نے نبی اکرمؐ کا ہام لیا تو حجاج نے پوچھا کہ کیا insan کی طرف سے کسی کام کے حوالے سے بھیجا جانے والا شخص افضل ہے یا اس کا جائش اپنے خلدان سے افضل ہے؟ یہ بات پوچھ کر وہ یہ اخبار کرنا چاہتا تھا کہ ہشم نبی اکرمؐ سے افضل ہے۔ (۲)

د: عصر حاضر میں ہدایت بنی ایمہ کی سیاست کی مردم ہے۔ اس نے بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا فائدہ محمد بن عبد الوہاب "آنحضرت" کے بارے میں کرتا ہے کہ "وہ تو ایک قائد تھا" اس کے بعض شاگرد اس کی موجودگی میں یا غیر موجودگی میں یا ہمیں کرتے تھے اور وہ ان پر رضایت کا اختیار کرتا۔ وہ کہتا تھا کہ "میرا عاصا محمد (ص) سے بہتر ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے سانپ اور دوسرا سے موہی جوانات کو مارا جا سکتا ہے جیسے محمد (ص) مردہ ہو گیا اور وہ کوئی فائدہ نہیں ہٹا سکتا، وہ تو صرف ایک ڈالیہ تھا"۔ (۳)

۱۱۔ خالد قریٰ نے کہ کمرہ میں بعض تابعین کو حصہ خلدان کے گھروں میں محبوس کر دیا۔ عوام پر یہ بات تاکوار گزی اور انہوں نے اس کی سرزنش کی تو اس نے نیاز

البلاغة ج ۱۵ ص ۲۳۲ البداية والنهاية ج ۹ ص ۱۳۱ اور سنن ابی داود ج ۳ ص

۲۰۹ کی طرف رجوع کریں۔

۱۔ العقد الفريد ج ۲ ص ۲۵۲

۲۔ الاغانی جلد ۱۹ صفحہ ۶۰

۳۔ کشف الارتیاب ص ۱۳۹ نے خلاصۃ الكلام ص ۲۲۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کے نطبے میں لوگوں سے کما بھی اطلاع ملی ہے کہ چونکہ میں نے امیر المؤمنین کے دشمنوں اور اس سے جنگ کرنے والوں کو گرفتار کیا ہے تو تم میری سرزنش کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر وہ حکم دے کہ کعبہ کو گرا دو تو میں کعبہ کی ایش سے ایش بجا دوں گا۔ بھی قسم ہے اپنے پروردگار کی کہ خدا کے نزدیک امیر المؤمنین انبیاء (ع) سے زیادہ عزت والا ہے۔ (۱)

دایکی بھی بھی کہتا ہے کہ خالد نے کما اگر امیر المؤمنین کا حکم ہو تو خالد کعبہ کو ملیا میث کر دوں اور اس کے ماقرروں کو شام ہٹا چاہو۔ (۲)

۱۲۔ الوبیدہ بیان کرتا ہے کہ ایک دن خالد قسری نطبہ دیتے ہوئے کہ رہا تھا کہ ”جب ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو وعدا نے انہیں سکھارے اور کڑوے پانی سے سیراب کیا لیکن جب امیر المؤمنین نے پانی ہلاک تو اللہ تعالیٰ نے اسے مٹھے اور مٹھنے پانے سے نوازا۔“ (۳)

خالد قسری نے ایک دن اپنے عامل ابن ای سے پوچھا کہ ہمارا کتوں بہتر ہے یا زرم؟ اس نے جواب دیا ”ایے امیر، کون بدکلت ہے جو مٹھنے اور شیرن پانی کو کڑوے اور سکھارے پانی جیسا بھی“ خالد نے زرم کا نام ام جعلان (۴) رکھ دیا تھا۔ (۵)

۱۲۔ عبد الرزاق ثوری سے، وہ مظہرہ سے اور مظہرہ اپنے باپ سے روایت فل کرتا ہے کہ اس نے کہا ”میں نے چالج کو دیکھا وہ مقام ابراہیم پر پاؤں رکھنا چاہتا تھا لیکن ابن حفیہ

---

۱۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۶۰

۲۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۵۹

۳۔ جعلان، جعل کی جمع ہے۔ یہ سیاہ کیڑا ہے جس سے سیاہ بھونزا کہتے ہیں۔

۴۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۶۰

۵۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۵۹

اگرے آکیا اور اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ (۱)

۱۲۔ ان تمام باتوں سے برٹھ کر جاج کی گھٹیا ترین اور خیث ترین حرکت یہ ہے کہ اس نے اللہ جبار ک و تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی کشائی کی اور وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے نبیر کے خلاف جگ کے درواز خانہ کعبہ پر مسجین کے قریبے پر چڑھکنے پر علی اکھا ش کیا بلکہ السالی فضلہ بھی خانہ کعبہ پر بھیکا، (نعمود بالله) خدا کی اس پر لعنت ہو۔ (۲)

۱۵۔ ایک دن ولید بن یزید (علت اللہ) نے یہ آیت پڑھی: ”وَ اسْتَغْفِرُوا وَ خَابَ كُلُّ جَبَارٍ عَنِيدٍ مِنْ وَرَأْتُهُمْ جَهَنَّمَ.....“ (سورہ ابراہیم / ۱۵) یعنی انہوں نے فتح کی خواہش کی اور اس سے ہر جبار اور سرکش ناامید ہوا اور اس کے مجھے جہنم ہے۔  
اس کے بعد اس نے تیر کے قریبے قرآن کو پھیلک دیا اور یہ شرک کے:

تهددنی بجبار عنید

نہا انا ناک جبار عنید

اذا ما جشت ریک یوم حشر

فقل یارب خرقنی الولید (۳)

۔ مجھے سرکش کئے ہو اور مجھے ڈراستے ہو لو میں ہوں مخبر اور سرکش

۔ جب حشر کا دن آئے تو اپنے رب سے کہ دیا کہ اے پورو دگارا مجھے ولید نے  
پارہ پارہ کر دیا تھا

---

۱۔ حافظ عبدالرزاق کی کتاب ج ۵ ص ۲۹ ، طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۸۳ اور والقصبة فی ربيع الابرار ج ۱ ص ۸۲۳ اس میں آیا ہے کہ ابن حنیف نے کہا: ”خدا کی قسم میرا مصمم ارادہ تھا کہ اگر اس نے مجھے کچھ کیا تو میں اسکی گردن ازا دیتا۔“

۲۔ عقلاء المجانين ص ۱۸۶ اور ابن اعثم کی المفتاح ج ۲ ص ۳۸۶

۳۔ بیح الصبا غہ ج ۵ ص ۳۳۹ حور العین ص ۱۹۰ مروج الذهب ج ۲ ص ۲۱۶

اسی ولید نے ایک بھوی سے کما کر خلذ کعبہ کے اور اس کے لئے ایک میکہ تعمیر کرے، اسی طرح وہ ہشام کے درمیں مکہ کیا اور اپنے ساتھ کئے جھار بیٹھی کپڑے کا خیمه اور شراب لے کر گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خیمه کو کعبہ پر نصب کر کے اس میں بیٹھے یعنی حواریوں نے اسے لوگوں کی شورش سے ڈالا تو وہ ایسا کرنے سے باز بہا۔ (۱)

۱۶۔ آخری بات یہ ہے کہ بعض افراد نے شافعیوں کے بارے میں کہا ہے کہ تقبہ کی بات ہے کہ شافعی کے اگر وہ قول ہوں تو ایک قول کے حوالے سے دوسرے قول کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں لیکن یہ جائز نہیں سمجھتے کہ نفس رسول اللہ کا سارا لے کر اس کی مخالفت کریں۔ (۲) اس کی کوئی تامل نہیں کی جاسکتی مگر یہ کہ رسول اللہ کی شان و منزہت ان کے نزدیک آپ کے حقیقی رتبے سے بہت ہی کم ہے۔ یہ مدعا ان کے غواہر الغاظا سے واضح ہوتا ہے۔

ابوزہرہ کہتا ہے کہ ”امام مالک کا نظریہ یہ تھا کہ وہ صحابہ کے فتویٰ کو سنت کا درجہ دیتے تھے۔ جس پر تعارض پیش آ جاتا وہ ان کے فتویٰ اور احادیث نبویؐ کو ایک ہی معیار پر پرکھتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی تمام احادیث کے بارے میں ہی سلوک روایہ کرتا تھا۔ اگرچہ ”صحیح ہی کہوں نہ ہو گیں“۔ (۳)

حدیث رسولؐ اور صحابہ کے فتویٰ کے میں مختارین کا حکم جاری کرنے کی روشن جو مالک نے اختیار کی اس کی وجہ سے شوکانی نے ان تمام افراد کو تحفیظ کا لشانہ بیانی جو اصحاب کے اقوال کو احادیث نبویؐ کے برابر معبر سمجھتے تھے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے قبیل کلام

۱۔ بیج الصبا غ ۵ ص ۲۲۰ (جس میں طبری اور اخغانی سے نقل ہوا ہے)۔

۲۔ مجموعہ الرسائل المنیریۃ ص ۳۲

۳۔ ابو زہرہ کی کتاب ”ابن حبیل“ ص ۲۵۱/۲۵۵ اور اس کی کتاب ”مالک“ ص ۲۹۰

کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ (۱)

یہ ایک وسیع اور طویل موضع ہے لیکن ہم اس کی طرف اشارہ کرنے پر احتکارتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کی قدر و منزلت، ان کی تعلیمات اور احادیث کی اہمیت کا اجلال خاکہ آپ کے سامنے آ جائے۔

### راز پنهان:

اسلام کے محدثات خصوصاً رسول ﷺ کی ذات اقدس سے ان کی دشمنی، آپؐ کی کرامات کو ہلاک کرنے اور آنحضرتؐ کی قدر و منزلت کو گھٹانے کا اصلی سبب کیا ہو سکتا ہے۔  
شاید اس کی بازگشت درج ذیل امور کی طرف ہوتی ہے:

۱۔ بی باشم کے ساتھ بی ایسے کی سیاہی دشمنی، بی ایسے کی بی باشم کے ساتھ پرانی دشمنی تھی اور یہ بھی اور آنحضرتؐ بھی ہاشمی تھے اور عزت و شرف، مجد و کرامات اور عظمت و بزرگی کی بلادیوں پر فائز تھے۔ یہ امر بالخصوص بی باشم کے لئے بہت بڑا افتخار اور اعزاز تھا۔

۲۔ اس فدیئیے سے «حکمران طبقے کے برے اعمال»، ان کی پلیدیوں اور اخلاقات اور برائی کو کم کر کے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ان کام کے افعال و کردار اور انسان اول اور نمونہ کامل کی سیرت و کردار میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اگرچہ کہیت و کیفیت کے اعتبار سے ان کے اعمال رسول گرامیؐ کے کردار کے مساوی نہ تھے۔

---

۱۔ ابوذہرہ کی کتاب "ابن حنبل" ص ۲۵۵/۲۵۷ اور شوکانی کی کتاب "ارشاد

الفحول" ص ۲۱۳

۲۔ دشمنوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ اس دین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں  
کیونکہ یہ ان کی خواہشات، اغراض اور شهوات کی راہ میں رکاوٹ تھا اور ان کے معادلات کو  
ضرر پہنچانا تھا۔

۳۔ ان میں سے بہت سارے حکمرانوں کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت  
اور حقیقت پر کامل ایمان نہ تھا۔ یہ وہ بات ہے جو شریعت اور بعد ہازرینہ نے اپنے شرمیں  
صراحت سے کہی ہے۔

لعيت باشم بالملک فلا خبر ولا وحى نزل ...  
~ یعنی باشم نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ سارا ڈھونک رچایا تھا نہ کوئی نبیر  
کلی تھی اور نہ ہی کوئی وہی نازل ہوئی تھی۔

اسی کی ہیروی کرتے ہوئے ولید بن یزید نے یہ شعر کہے:  
تلعب بالخلافة هاشمي  
بلا وحى اناه ولا كتاب  
فقل لله يمتعنى طعامى  
وقل لله يمتعنى شرابى (۱)  
~ ہاشمی (یعنی میثابر اکرم) نے خلافت کا کھیل کھیلا ہے اس پر نہ کوئی وہی نازل  
ہوئی نہ کتاب آئی۔  
~ اپنے خدا سے کموکر مجھے کھانے اور پینے سے روک لے۔

---

۱۔ حور العین ص ۱۹۰، مروج الذهب ج ۳ ص ۲۱۶، بیہق الصبا غة ج ۵ ص ۳۳۹  
کہ وہ مروج الذهب سے نقل کرتا ہے۔ دوسرا بیت فصیدہ ابویکر کا اقتباس ہے۔  
جیسا کہ اس کا ذکر آئندہ بدرو واحد کی فصل میں آئے گا۔

شراب کا ذکر کرنے کے بعد اس نے مزید کہا:

فلقد ایقنت انی

غیر معموث نثار

ساروپن الناس حتی

برکبوا (ایم...) الحمار

و فروا من يطلب

الجنة يسعى لتجار (۱)

- مجھے اطمینان ہے کہ میں جہنم میں نہیں جاؤں گا۔

- میں جلدی عوام کو راضی کرلوں گا کہ وہ گدھے (ایم) پر سواری کریں۔

- جو بہشت کا طلبگار ہے اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی زندگی کو خالی کر رہا ہے۔

اس کی تفصیل الگ سے فرصت کا تقاضا کرتی ہے۔

## اموی سیاست کے نتائج

گذشتہ سیاست کے اثرات کے ساتھ ساتھ حدیث نبویؐ کی منوعیت اور بزرگ اصحاب کے پاتھوں کی تکمیل ہوئی حدیثیں (جو انہوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی تھیں) کو جلانے کی سیاست بھی رائج رہی ہے۔ اس کا آغاز حضرت ابویکرؓ کے دور میں ہی ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنی جمع شدہ پانچ سو احادیث "بخاری" کو جلا دیا۔ (۱) حضرت عمرؓ کے دور میں اس عمل میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ثابدؓ کے بغیر احادیث نبویؐ کو منوع کر دیا تھا۔ انہوں نے بزرگ اصحاب کو مدینے میں نظر بند کر دیا اور ایسے افزاد کو مختلف شہروں میں بیجھ دا چینیں اسلام اور احکام سے کوئی آگاہی نہیں تھی۔ اس نے حدیث فل کرنے پر قدغن لگادی صرف حکومت کے عمال اور طرفداروں کو حدیث فل کرنے کی اجازت تھی۔ مثال کے طور پر الہورہ، افس، کعب الاحبار اور حضرت عائشہؓ۔ مروانؓ کہتا ہے کہ "ازواج رسولؐ اور اپنی ماوؤں کی موجودگی میں ہم دوسروں سے کس طرح سوال کر سکتے ہیں"؟ (۲) حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ان تمام احادیث کو جمع کر کے بند آتش کر دیا جو صحابہ کرام نے حضور اکرمؐ سے سن کر تکمیل کی تھیں۔ (۳) اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ "عمر بن خطاب کے دور میں حدیثوں کی بہت ہو گئی تھی، حضرت عمرؓ نے اعلان کروایا تھا کہ ان سب کو اکٹھا کیا جائے جب ان کی جمع کوئی ہو چکی تو ان سب کو جلانے کا حکم انہوں نے

۱۔ نص و اجتہاد ص ۱۵۱-۱۵۲ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ المصنف ج ۱ ص ۱۶۶

۳۔ حدیث نبویؐ (ص) کے نقل کرنے سے ممانعت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ شعبی کہتا ہے: میرنے این عمر کے ساتھ دو یا ذیروہ سال کا عرصہ گزارا، اس دوران میں نے اس کی زبان سے حضورؐ کی صرف ایک حدیث سنی۔ (سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۸۹ مسنون ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۵ اور مسنند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

حاور کر دیا اور اس کے بعد کمای شلت (صحیح مختطف مشلت) میں (۱) جس طرح اہل کتاب کے شلت ہیں۔ (۲) یا اس نے کما ”بھی یاد آیا کہ تم سے پہلے ایک قوم تھی کہ جس لئے سمجھیں لکھیں اور کتاب الہی کو ترک کر کے ان کو اختیار کر لیا۔ خدا کی قسم اسی میں کتاب خدا کے ساتھ کسی اور چیز کو مخلوط نہیں ہونے دیں گا“۔

بعد میں اکنے والوں نے حضرت عمر کی روشن کو اپایا اور اسی کی روشن اختیار کرتے ہوئے فلی حدیث کو منوع قرار دا صرف اس حدیث کی اجازت دی گئی جو ان کے بعد میں

اس کے الفاظ یہ تھے: ”جالست ابن عمر متین ماسمعته روی شيئاً عن رسول الله (ص)“ کہ میں دو سال تک ابن عمر کے پاس بیٹھا لیکن اس نے مجھے رسول اللہ (ص) سے نقل کر کے کوئی چیز نہیں سنائی۔ اسی طرح الغدیر ج ۱۰ ص ۶۵ کی طرف رجوع کریں جو ان کے حوالے سے بیان کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوذر ہر نبی اکرم (ص) کی احادیث کو نقل کرنے کے اصرار اور اس مسئلے میں حکام کی مخالفت کی وجہ سے جو کچھ یقینی، اس سے سب آکاہ ہیں۔ باقی خلفاء کے امور میں صرف اسی حدیث کو نقل کرنے کی اجازت تھی جو حضرت عمر کے زمانے میں رائج تھی۔ بیان تک کہ تمام بڑے بڑے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور چھوٹی عمر کے صحابہ اور کاروباری قسم کے اصحاب باقی رہ گئے، جن کے ذریعے سے سادہ لوح عوام کو فریب اور دھوکہ دیا گیا اور ان سادہ لوح افراد کی تعداد کس قدر زیادہ ہے۔ یہ موضوع ایک مستقل اور تفصیلی بحث کا تقاضا کرتا ہے جس کی بیان گنجائش نہیں ہے۔ وَ اللَّهُ هُوَ الْمُوْفَّ وَ الْهَادِي۔

۱۔ مسنات وہ روایات تھیں جنہیں یہودیوں نے تدوین کیا تھا۔ بعد میں انہیں مشلت کا نام دیا گیا جن کی بعد میں علماء یہودی شرح کی اور انہیں جمارا کیا گیا۔ اس اصل و شرح کے مجموعے کو تلمود کہا جاتا ہے۔

۲۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۷۴ طبقات این سعد ج ۵ ص ۱۳۰ اور تقدید

پس ممکنہت حدیث اور بنی اسرائیل کی سیاست کا نتیجہ یہ لکھا کہ دین کا صرف نام باقی

۱۔ اضواء على السنة المحمدية ص ۲۷ کہ وہ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۵-۶۳ سے  
نقل کرنا ہے، طبقات ابن سعد ج ۲ پہلا حصہ ص ۲۰۶

ابہم نکھلہ: یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک گروہ تحریر اور تدوین کرنے ہو عقیدہ رکھتا  
تھا جبکہ دوسرے گروہ کا نظریہ حفظ کرنے کا تھا اور صرف تورات کو تحریر  
کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ انہیں "قراء" کہا جاتا ہے "جیسا کہ محمد حسن ضاضا" نے اپنی کتاب "التفکیر الدینی عند اليهود" میں اس کی تصریح کی ہے۔ یون لگنا ہے کہ کعب الاحبار اسی قراء گروہ سے تھا۔ اس گروہ کی تعداد فریضیں کے کمزور  
اللہ کے بعد زیادہ ہو گئی۔ (فریضیان یہودیوں کا فرقہ تھا جو حضرت عیسیٰ (ع) کے زمانے میں تھا۔ یہ حضرت موسیٰ (ع) سے تدریجیاً نقل ہونے والی روایات کی  
تقلید کا قائل تھا۔ ان اقوال منقولہ کو شریعت کے مطابق بلکہ اس سے زیادہ ابہم  
سمجھتا تھا) جیسا کہ کعب الاحبار کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے جب حضرت عمر  
نے اس سے کسی شعر کے بارے میں پوچھا جو باتیں ان کے بارے میں کی گئی ہیں  
ان میں ایک یہ ہے کہ "یہ اولاد اسماعیل میں سے ایک قوم ہے جن کے سنتے میں  
انجیل ہے اور وہ حکیمانہ باتیں کرتے ہیں" نیز وہب بن منبه بھی ایسا ہی تھا۔ اس  
طرح ایک طویل روایت جو البداۃ و النہایۃ ج ۶ ص ۶۲ اور نزہۃ المجالس ج ۲  
ص ۱۹۹ پر نقل کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ (ع) نے کہا "اے میرے بروردگار  
میں نے تورات میں ایک امت کو دیکھا ہے کہ اپنی انجیلوں کو اس نے سنتے سے لگا  
رکھا ہے اور اسے وہ بڑھتی ہے اور ان سے بھٹے ایسا گروہ ہے جو حفظ نہیں کرتا بلکہ  
تحریر کیا ہوا ہر ہتنا ہے پس انہیں بھی میری امت میں سے قرار دے"۔ اللہ تعالیٰ نے  
فرمایا "وہ محمد کی امت ہیں"۔ خلیفہ دوم نے شاید خوش فہمی کی بنا پر یا  
کسی اور وجہ سے کعب الاحبار کہ جو ان کا منظور نظر تھا" میں یہ نظریہ قبول کیا

رہ گیا اور قرآن کے المذا صرف باقی رہ گئے ہیں۔ محاکمہ بیان تک پہنچ گیا کہ امام ملک اپنے  
بچا الوسیل بن ملک اور وہ اپنے باپ سے فل کرتا ہے کہ اس نے کہا: ”جس پر لوگ  
قائم ہیں وہ صرف نماز کی آواز ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں چاتا۔“ (۱)  
رزقانی اور الباجی کہتے ہیں کہ ”لوگوں سے مراد اصحاب ہیں۔ اعمال میں سے فقط اذان  
اپنی اصل شکل و صورت میں باقی تھی اور اس میں اصحاب نے تغیر و جدل نہیں کیا تھا جبکہ  
نماز اور دوسرے افعال میں بہت سی جدی طبیعت کر دی گئیں اور نماز کے اوقات کو موخر کر دیا  
گیا۔“ (۲)

بہر حال حدیث کی منوعیت والی سیاست حکام کی تدبیر اور چال سے ہم آہنگ  
اور مطابقت رکھتی ہے جو قرآن اور یغمیر (ص) کی تعلیمات سے بڑے جائیں وہ  
رسول اور قرآن کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، وہ نہیں چانتے تھے کہ عوام کے  
اعترافات ان بر اس حوالے سے کتنے جائیں کہ یہ لوگ قرآن اور رسول (ص) کی  
خلاف ورزی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اپنے آپ کو عوام کی مخالفت کے  
سامنے نہیں لانا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اور اس کی  
تفسیر کے بارے میں سوال کرنا منوع فرار دے دیا جاتا ہے۔ البتہ کتابت اور  
تلاوت ان کے بس میں نہیں تھا۔

اس سیاست کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ حکام ان آئے والے امور جوان کے لئے خطرہ بن  
سکتے تھے، میں بھی اطمینان کامل حاصل کرنا چاہتے تھے خواہ وہ بعض شخصیات  
سے مربوط ہوں یا حکومت کے حریفوں اور رقبیوں سے ہوں۔ بہر حال جیسا بھی ہو  
ان امور کو نایبود ہو جانا تھا یا مخفی رہ جانا تھا اور ان کا اثر تک باقی نہ رہتا تاکہ  
حکمرانوں کو ان امور سے بروہز کرنے کی مشکل پیش نہ آئے یعنی نہ رہی بائس نہ  
بھی بانسری۔

- ۱۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۳۳ اور الموطأ ج ۱ ص ۹۳
- ۲۔ رزقانی کی الموطأ بر شرح ج ۱ ص ۲۲۱، توبیر الحوالک ج ۱ ص ۹۳-۹۴ کے جو  
الباجی کی تالیف ہے۔

شافعی و حب بن کیمان سے فل کرتے ہیں کہ اس نے کما "میں نے این نبیر کو دیکھا کہ نماز خطبوں سے پہلے پڑھ رہا ہے۔ مگر اس نے کما میں نے تمام سن بھی حقی نماز کو بھی جدل کر دیا ہے"۔ (۱)

دھرمی کہتا ہے کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا وہ تھا تھا اور رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا "میں نے پہلے جو کچھ دیکھا تھا اس میں صرف نماز بالقی حقی جبکہ اب وہ بھی مذائق ہو گئی ہے"۔ (۲)

حسن بصری کہتے ہیں "اس وقت اگر رسول اللہ (ص) کے اصحاب زندہ ہو جائیں تو تمہارے قبلے کے علاوہ کوئی چیز ان کے لئے جانی چاہلانہ ہوتی۔ (۳) لیکن جیسا کہ تم نے پہلے بتایا کہ قبلہ بھی بدل چکا تھا۔

عبداللہ بن عمر و بن عاص نے کہا ہے کہ "اگر سابقین امت میں سے دو افراد اپنے اپنے مصحف کے ساتھ ان درود میں پڑھ لے گئے ہوتے اور کچھ وہ لوگوں کے پاس آتے تو جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا اس میں سے ایک چیز بھی نہ دیکھ پاتے۔ (۴)

جب عمران بن حسین نے حضرت علیؑ کے پیغمبئے نماز پڑھی تو مطرف بن عبداللہ کا پاتھک پڑھ کر کہا کہ علیؑ ویسے نماز پڑھتے ہیں جیسے حضرت محمد پڑھا کرتے تھے کچھ علیؑ کی نماز سے حضور اکرم (ص) کی نماز کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ (۵)

۱۔ شافعی کی کتاب الامام ج ۱ ص ۲۰۸

۲۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۲۳ اور ضحی الاسلام ج ۱ ص ۳۶۵ کہ اس نے بخاری اور ترمذی سے نقل کیا ہے، کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح الزهد والرقائق ص ۵۳۱ اور اس کے حاشیے میں طبقات ابن سعد، سوانح حیات انس اور ترمذی سے

نقل کیا گیا ہے ج ۳ ص ۳۰۲

۳۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۲۳

۴۔ ابن العبار کی کتاب الزهد والرقائق ص ۶۱

۵۔ انساب الاشرف ج ۲ ص ۱۸۰، سنن البیهقی ج ۲ ص ۶۸، کنز العمال ج ۸ ص ۱۳۳

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ رسول اللہ (ص) کی سنت کی عمد़ احالت کی گئی کیونکہ حضرت امیر المؤمنینؑ اپنے لئے سنت کی حافظت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں عباس کہتے ہیں کہ: ”اے اللہ ان لوگوں پر لعنت فرماء جنمیں نے بعض علیؑ میں رسول خداؑ کی سنت کو بھی ترک کر دیا۔“ (۱) اس بارے میں سندی کہتا ہے کہ ”یعنی حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی سنت کے پابند تھے۔“ (۲)

شماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو ترک کرنے کے پارے میں نیشاپوری کہتا ہے کہ ”ای طرح ایک اور تمثیل لگائی گئی ہے کہ علیؑ نے بسم اللہ کے بلند پڑھنے میں مبالغہ کیا ہے۔ لہذا یہی ایسے کے درد میں علیؑ کے آثار کو تلاود کرنے کی کوشش میں بسم اللہ بالجہر کے ترک میں افراط اور مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔“ (۳)

بات یہاں تک پہنچی کہ بعض موذخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ”امام جادؑ کے زمانے میں ہاشمی اور دوسرے عوامِ انسان نہیں جانتے تھے کہ کیسے نماز پڑھی جاتی ہے اور مجھ کیسے انجام دیا جاتا ہے۔“ (۴) سید مددی الروحانی فضل کرتے ہیں کہ ابیان بن قلب کی سوانح حیات میں مذکور ہے کہ انہوں نے کما ”شیعہ حلال و حرام اور مسائل حج کو نہیں جانتے تھے مگر اتنی مقدار میں جو علماء الہمست حضرت علیؑ سے فضل کرتے تھے۔“

کہ جس نے عبدالرزاق اور ابین ابی شیبہ سے نقل کیا ہے

- ۱۔ سنن النسائی ج ۵ ص ۲۵۲، سنن البیهقی ج ۵ ص ۱۱۳ اور الغدیر ج ۱۰ ص ۳۰۵ کہ ان دونوں نے کنز العمال سے اور ابین جبریر سے ایک اور نص کے ذریعے نقل کیا ہے۔
- ۲۔ تعلیقہ السندی جو سنن النسائی بر حاشیہ ہے ج ۵ ص ۲۵۳
- ۳۔ تفسیر نیشاپوری تفسیر طبری کے حاشیے میں ج ۱ ص ۶۹
- ۴۔ کشف النقاع عن حجتیہ الاجماع ص ۶۶

اس لحاظ سے اندازہ لکایا جاسکتا ہے کہ جب نماز (جو اسلام کا عظیم رکن اور دین کا سuron ہے اور بے ایک مسلمان روزانہ پانچ مرتبہ ادا کرتا ہے) کا یہ حال کہ وہی اور قرآن کے نزدیک تین افراد اس کے احکام اور مسائل کو نہیں جانتے تھے جنہیں ان مسائل کا سب سے زیادہ علم ہوتا چاہئے تھا تو امت کے دوسرے لوگوں کی دریں سے معرفت اور احکام اسلام سے آگاہی کی کیا صورت حال ہوگی خصوصاً وہ لوگ جو احکام کے علم اور معرفت کے سپرخی سے بہت درجے تھے بالخصوص ان مسائل میں جن کی انہیں کم ضرورت پڑتی تھی۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہے کہ اس زمانے میں جس شخص کو آنحضرتؐ کی حسیں یا چالیس حدیثیں یا وہ ہوتی تھیں یا بعض احکام کو جانا تھا تو وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم شارکیا جاتا تھا، جیسا کہ بعض فرقوں کی کتب رجال سے ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب وہ شخص اپنے ذاتی استبطاط کے دریے ان یاد کی ہوئی احادیث پر کچھ اضافے بھی کرے کریں کہ اس پر کوئی تغیرات ہے۔ اس کا کوئی مدعی مخالف اور نہ حق ان چیزوں کی کوئی تیزی کرنے والا ہے۔

اس لئے ہمیں جعلیزادوں، کافروں بلکہ اہل کتاب میں سے ظاہری طور پر اسلام لائے والوں کا بازار نہیں گرم نظر آتا ہے۔ ان کا شارک علم و معرفت اور امت کی تندیب و ثقافت کے سرچشمتوں میں کیا جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ انہوں نے حکمرانوں اور سلطانوں کے جھنڈے ملے جا کر پڑا ہی جبکہ نبیؐ کے الهیت کو میدان سے خارج اور کنارہ کش ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس بارے میں امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللهم ان هذا المقام لخلفائك و اصحابيائك“ و مواضع امنائك في الدرجة  
الرفيعة التي اختصست بها قد ابieroها. حتى عاد صفوتك و خلفاؤك  
مغولين مقيمين مبتدين برون حكمك بدلاؤ كتابك منبوداً و فراشتك  
محروقة عن جهات اشراعك و سفن نيك متروكه الخ ... (۱)“

۱۔ الصحيحه السجادیه (از تالیسوں دعا) دعائی روز جمعہ اور عرف

”اے پروردگار! یہ مقام (حکومت) تیرے خلافاء اور برگزیدہ بندوں کا حق ہے  
یہ بلند و اعلیٰ مراتب جو تو نے اپنے امین بندوں سے مختص کئے ہیں لیکن یہ  
مقام و منزلت ان سے چھیں لئے کئے ... یہاں تک کہ یہ تیرے خلافاء اور  
برگزیدہ بعدے ظاہری طور پر مظلوب، مقصود اور اپنے حق سے محروم کر دیئے گئے  
و دکھ رہے ہیں کہ تیرا حکم تبدیل کر دیا گیا ہے، تیری کتاب سے بے احتیاط  
برتی گئی ہے، تیرے احکام اور فرائیں کو بر عکس پیش کیا گیا ہے اور تیرے پیغمبر  
کی سنت کو ترک کر دیا گیا ہے۔“

اس موضوع کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس پر علمده سے بحث اور مکھو کرنے کی  
 ضرورت ہے۔ اس بارے میں ہم نے اپنے کتاب ”دراسات و بحوث فی التاریخ و  
الاسلام“ میں ”امام جگہ اسلام کو زندہ کرنے والی شخصیت“ کے عنوان کے تحت کچھ مکھو  
کی ہے۔ خواہشید احباب یہاں رجوع کر سکتے ہیں۔  
میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس اہم موضوع پر غور و گھر کی توفیق  
عطای فرمائے (الشاء اللہ تعالیٰ)۔

## روايات کو جانچنے کے اصول

رسول اکرمؐ کی شخصیت اور تمام محدثات اسلام بلکہ اسلام کی اسی ہی کے خلاف ہونے والی پاپاک سازش (جس کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا) کے بیش نظر ہم اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام، تاریخ "خطبہ" اور "آنحضرت" کی احادیث کے مونوں کو جانچنے وقت درج ذیل نکات کو مد نظر رکھیں:-

روایت اور نص کا الخواص اور نحوی قواعد کے مطابق ہوتا، حدیث سازوں، جھوٹوں اور سیاسی معاویات رکھنے والوں سے روایت کی سند کا پاک اور خالی ہوتا، راویان حدیث کے حالات زندگی نیز ان کے سیاسی اور ذاتی معاویات کے حال روابط کو مد نظر رکھنا، تعداد گولی اور تعارض سے روایت کا مبرہ ہوتا اور تاریخی لحاظ سے اس کے امکان کا ثابت ہوتا۔ (۱)

علاوه ازیں روایات کی جانچنے پر اسی اور تحقیق کے لئے ہمیں اور ہر دوسرے شخص کو مذکورہ معیار اور دوسرے معیاروں کے علاوہ درج ذیل اصولوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے:-

۱- قرآن کریم سے موازنہ کرنا، رسول اکرمؐ سے متعلق ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: "تکثر لكم الاحادیث بعدی فاذ اذا روی لكم عنی حدیث فاعرضوه على كتاب الله، فما وافق كتاب الله فاقبلوه، و ما خالف فردوه". (۲) یعنی میرے بعد تمہارے لئے کثیر تعداد

۱- جو معیار بیان کیا گیا ہے اس پر صرف آئندہ معصومین علیهم السلام سے صادر ہونے والی روایات ہیں کہ معاملے میں ان کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے لیکن تاریخی نصوص میں کبھی ان تمام نکات کا ہورا ہونا ممکن نہیں ہے خصوصاً سند کے لحاظ سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر تاریخ کی نگارش غیر امین افراد کے ہاتھوں انجام پائی ہے۔ جیسا کہ ہٹلے بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لہذا نہایت ضروری ہے کہ قبل اعتماد تاریخ کی حیثیت سے پیش کرنے سے ہٹلے تاریخ کے متعلق روایات کے بارے میں عدم تحریف، عدم جعل اور دیگر نکات پر باریک بینی سے تحقیق کی جائے۔

۲- شاشی کی اصول الحنفیہ، ص ۲۳

میں حدیثیں اللئے جائے گی، پس اگر میرے بعد تمہارے سامنے کوئی حدیث فلی کی جائے تو اسے کتاب الہی پر بیش کرو، جو حدیث کتاب کے موافق ہو اسے قبول کرو اور جو مخالف ہو اسے رد کرو۔

اس بارے میں ابن عباس کتا ہے کہ ”اگر تم محمد سے رسول اللہ کی کوئی حدیث سنو اور اسے تم کتاب خدا میں نہ پاؤ یا لوگوں کے نزدیک اسے پھریدہ نہ پاؤ تو کچھ لوک میں نے رسول اللہ پر تجویز بندھا ہے“ - (۱)

ابن مسعود نے کہا ہے کہ ”غور کرو جو کتاب اللہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو اسے قبول کرو اور جو اس کے مخالف ہو اسے رد کرو“ - (۲)

حضرت ابویکر نے اپنے ایک خطے میں کہا ہے ”اگر حق و باطل کے درمیان سرکرد ہو اور باطل نے سخت کو مٹا دیا اور حق کو ٹالو کر دیا ہو تو ان حالات میں تم مسجدوں کے ساتھ رہو اور قرآن سے مشورہ طلب کرو“ - (۳)

ابن کعب نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہ ”اللہ کی کتاب کو اپنے سامنے رکھو اور اس کے حکم اور فحصلے پر راضی رہو“ - (۴)

معاذ نے اس بارے میں یوں کہا ہے ”تمام اقوال کو کتاب الہی کے سامنے بیش کرو لیکن اسے (کتاب خدا کو) کسی اور چیز سے نہ جانچو۔ (۵)

۱۔ سنن الدارمي جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

۲۔ المصنف جلد ۶ صفحہ ۱۱۲ اور رجوع کریں خطبہ ابن مسعود جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۰ نیز جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۳۲ اور حیات الصحابة جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ کی طرف، جس نے جامع بیان العلم سے نقل کیا ہے۔

۳۔ ابن قتبہ کی عيون الاخبار جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ بیان و التبیین جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ العقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۶۰

۴۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۲۵۳ و حیات الصحابة جلد ۳ صفحہ ۵۶۶

۵۔ حیات الصحابة جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ میں کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۸۶ سے اور اس میں ابن عساکر سے نقل ہوا ہے۔

اس بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ ”جو چیز کتاب اللہ کے مطابق نہیں ہے وہ باطل اور جھوٹ ہے“ - (۱)

امام جادؑ نے قرآن کے معید ہونے کے متعلق فرمایا کہ ”قرآن عدالت کی ہمچان کا“، معید اور ہمہ نہ ہے جس کی زبان کبھی بھی حق سے جاؤ نہیں سکتی، یہ ایسا نور پدایت ہے جس کا بہان مثائبہ کرنے والوں پر کبھی بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں ہوگا یہ نجات کا“، پھر تم ہے جس کے اصولوں کی جیروی کرنے والا گمراہ نہیں ہوگا“ -

آئندہ اہل بیتؑ سے اس قسم کی روایات بکثرت محفوظ ہیں۔ مذکورہ باتوں کی روشنی میں بعض لوگوں کے اس قول کی کوئی کجاش اور اہمیت نہیں کہ ”حکم کتاب پر حاکم ہے اور کتاب حکم پر حاکم نہیں ہے“ - (۲)

ای طرح الوبکر بن یعنی کی اس بات کی کوئی وقت نہیں ہے کہ ”وہ حدیث جو احادیث کو قرآن پر بیش کرنے کا ذکر کرتی ہے، جھوٹ اور باطل ہے بلکہ اس کے بر عکس ہے اور خود اپنے بطلان پر دال ہے کیونکہ قرآن میں احادیث کو قرآن پر بیش کرنے کی کوئی بات نہیں ہوتی ہے“ - (۳)

ای طرح عبدالرحمن بن مددی کا یہ کہنا فضول ہے کہ اس حدیث کو خوارج اور بے دین و مخالف افراط نے جعل کیا ہے یعنی آپؐ کی یہ حدیث جس میں آپؐ نے فرمایا: ”جو حدیث میرے حوالے سے تم تک پہنچے اسے کتاب خدا پر بیش کرو اگر وہ اس کے موافق ہو تو کہہ لو وہ میرا قول ہے اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ میرا قول نہیں ہے، میں

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۵۵ اور اسی باب اور بہت سی روایات میں جو چاہتا ہے وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۱۹۹، سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۵، مقالات الاسلاميين

ج ۲ ص ۲۲۲ اور جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۲۳

۳۔ یہعنی کہی دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۶

صحاب الہی کے مطابق سمجھو کرتا ہوں قرآن کے ذریعے خدا کو متعال میری پدایت کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>  
اور ان اتفاقات کو آنحضرتؐ سے مسوب کرنا ان صاحبان علم کی نظر میں درست اور صحیح نہیں  
ہے جو صحیح کو غیر صحیح تشخیص دے سکتے ہیں۔ بعض علماء نے اسی حدیث کی مخالفت  
کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم پہلے اسی حدیث کو قرآن پر پہنچ کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد  
کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے برخلاف ہے کیونکہ ہمیں قرآن میں  
کسی بھی یہ بات نہیں ملتی کہ صرف اس حدیث نبوی کو قبول کرو جو قرآن سے مطابقت  
رکھتی ہو بلکہ قرآن آنحضرتؐ کی ہیروی اور ان کے اوامر کی اطاعت کو بطور مطلق لازم قرار  
دیتا ہے اور اسی طرح ان کے حکم کی مخالفت کی بات بھی عمومی طور پر کرتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

ابو عمر کھا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کی ہیروی اور اجیاع کا بطور مطلق حکم  
دوا ہے اور اسے کسی چیز سے مقید نہیں کیا جس طرح ہمیں قرآن کی اجیاع کا حکم دوا ہے۔ اللہ  
نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کتاب اللہ سے موافق ہو، جیسا کہ بعض اہل باطل کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>  
ہم یہاں پر ہیبتی، ابن مددی اور ابو عمر سے یہ بات کہتے پر مجبور ہیں کہ تم نے بھی  
اشتبہا کیا ہے اور جن اہل علم کی طرف تم نے اشتبہ کیا ہے وہ بھی دھوکہ کھا گئے ہیں۔  
کیونکہ تمہاری یہ بات کہ ہم نے اس حکم کو قرآن میں نہیں پایا، کتاب کی مخالفت یا  
موافقت پر دلالت نہیں کرتی۔ ہم نہیں جانتے قرآن کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ کیا  
تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن ہرگلی اور جتنی امر کے بارے میں واضح طور پر حکم بیان کرے؟  
اگر ایسا ہو تو اس صورت میں قرآن کا جنم کتنا ہوگا؟ علاوہ ازیں قرآن کو حظہ کرنا اور اس  
سے استفادہ کیسے ممکن ہوگا؟

- جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۲۲، اس روایت اور گذشتہ تمام موارد کے سلسلے میں  
کتاب بحوث مع اہل السنۃ والسلفیۃ کے ص ۶۶ اور ۶۸ کی طرف رجوع کریں۔
- جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۲۳

اس کے علاوہ کہ یہ حدیث، موافق کو قبول اور مخالف کو رد کرنے کی بات کر رہی ہے لیکن وہ حدیث جو نہ موافق قرآن ہے نہ مخالف تو وہ جمیت اخبار کی دلیلوں کے تحت بالق رہے گی۔ (۱)

اس حدیث کے پارے میں جو کہتی ہے کہ ”تم سے“ شخص مسند استراحت پر بھی نہیں کاٹے گا (یعنی کرام و پیغمبر سے نہیں بیٹھے گا) کہ جس کے پاس میرے اوامر اور نواعق پہنچ جائیں“ تو وہ کہتا ہے کہ ”میں کچھ نہیں جانتا، میں نے کتاب الہی میں کچھ نہیں پایا جو اس کی احتجاج کروں“۔

خلالی نے کہا کہ ”خود حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کو کتاب پر بہش کرنے کی ضرورت نہیں ہے (لیکن ہمیں کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ حدیث کیسے اس پر دلالت کرتی ہے)“ مزید یہ کہا ہے کہ جو چیز بھی ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ خود کو وجہت ہے اور بعض علماء کا یہ بیان کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے اگر کوئی حدیث تم تک عکپٹے تو کتاب خدا پر اسے بہش کرو، اگر موافق ہو تو قبول کرو ورنہ .....“ تو واضح ہوا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اس کے متعلق ذکر کیا سمجھی ہے۔ میں سے فل کیا ہے کہ اس حدیث کو بے دین افراد نے جعل کیا ہے۔“ (۲)

اگر ان تمام کو نظر انداز بھی کر دا جائے لیکن یہ لوگ حضرت عمر کے قول کی کیا توجیہ بہش کرے گے جو انہوں نے رسول اکرمؐ کی رحلت کے موقع پر کہا تھا کہ ”حسنا کتاب اللہ“ یعنی ہمارے نے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔

دوسرा سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کو صرف قبروں پر پڑھنے اور مجالس ترجمیں میں تلاوت کرنے کے لئے یا اسے اپنے سینے سے لگانے رکھنے یا خوبصورت الحافوں میں

۱۔ یہ کلام علامہ محقق سید مهدی روحاںی کا ہے۔ خدا ان کی حفاظت کرے۔

۲۔ سنن ابنی مذاوذ کی شرح عنون المعبود ج ۳ ص ۲۵۶

اور دلشیں آوازوں میں پڑھنے کے لئے ہی ہاڑل سیا تھا؟ کیا قرآن مردوں کی کتاب ہے اور زندہ لوگوں کے لئے نہیں؟ قرآن مجید کے سیاں، اجتہائی اور فحی احکام، اس کے اوصروں نواعی اور دوسرے پہلوؤں کی کیا خاصیت ہے؟

اگر ان کی بات قبول کر لی جائے تو اس صورت میں قرآن کے ان اقوال کا کیا فائدہ ہوگا اور ان کی اہمیت رہ جائے گی جیسا کہ قرآن فرماتا ہے "عَدِيٰ لِلْمُتَقِّنِ" (یعنی قرآن متین کی پدایت کرتا ہے)۔ "بِهِدِيٰ لِلَّتِي هُوَ أَقْوَمْ" (یعنی قرآن حکمِ ترقی انداز سے پدایت کرتا ہے) اور "فَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ" (یعنی کیا وہ قرآن پر غور و گھر نہیں کرتے؟) اسی طرح کی اور بہت سی آیات موجود ہیں۔

اس صورت میں رسول اکرمؐ کے اس فرمان کی کیا حیثیت بالی رہ جاتی ہے کہ قرآن "گران قدر چیزوں میں سے ایک ہے جن سے تمک رکھنے والا قیامت تک گمراہ نہیں ہوگا؟" اگر قرآن لوگوں کی زندگی، معاش اور دین سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تو پھر ان بے معنی اور بے مضمون الفاظاً کو ملاوت کرنے اور انہیں خطط کرنے کا لوگوں کو حکم دینا فضول اور ہی موجود ہوگا؟ (خود بالش)

آخر سوال یہ ہے کہ اگر ایسا تھا تو پھر علماء اور مکفرین نے تفسیر قرآن، اس کے الفاظ کی تشریع اور اس کے معانی و مقاصد کو بیان کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور ان چیزوں کو اس قدر اہمیت دی ہے وہ کس لئے ہی؟

ان کے علاوہ اور بہت سے سوالات بالی ہیں جن کا یہ لوگ کبھی بھی قائم کنندہ اور مفید جواب نہیں دے پائیں گے۔

۱۔ سب کچھ کرنے کے باوجود ہم حیرت زدہ ہیں کہ کیا کریں۔ ایک طرف تو حضرت ابوالکبر، عمر، عثمان اور دیگر اموی خلفاء احادیث رسول اللہؐ کو نقل کرنے اور لکھنے کو منزوع قرار دیتے ہیں۔ اصحاب کی تحریر کردہ احادیث کو جمع کر کے جلا دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب اصرار کرتے ہیں کہ ہمیں خدا کی کتاب کافی اور واقعی ہے تھن جب قرآن کے

محلی اور تفسیر کے ہدایے میں سوال کیا جاتا ہے تو پچھنے والے کو ضرب و شتم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ہی لوگ کتاب کو چھوڑنے اور سخت کو اس پر مقدم کرنے پر صریح ہیں۔

۲۔ وہ شخص جو سیرت نبیؐ میں تحقیق اور صحیح کرنا چاہتا ہے سب سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی شخصیت کی حدود کا تصریح کرے اور ان حدود سے صحیح اس اس کے مطابق آگاہی حاصل کرے۔ اس مسئلے میں سب سے پہلے اسے قرآن پر تکمیل کرنا چاہئے اور عقل و فطرت کے قطبی فیصلوں پر اعتقاد کرنا چاہئے اس کے بعد یہ دیکھیں کہ موجود نظر حدیث اور نفس خواہ کتاب سے بھی لی گئی ہو، اور جیسی بھی ہو، جنہیں کے شامل اور شخصیت سے مطابق انداز میں مطابقت رکھتی ہے یا نہیں البتہ ان ہاتوں کی روشنی میں جو ہم نے بیان کی ہیں کہ آپؐ السراجیت کے لئے اعلیٰ اور عظیم ترین نمونہ ہیں۔ آپؐ کی ذات بلطفہ ترین صفات و کمالات اور تمام الصلائی فضائل سے آراستہ ہے۔

پس اگر حدیث یا نفس مذکورہ میعادوں پر پورا اترتی ہو تو وہ صریح جذباتی اور سیاسی عوامل سے حاضر ہوئے بغیر اور ہر قسم کی مصلحت اور معاوہ کو بالائے طاق رکھ کر ہم اسے قبول کریں گے وہندہ اس کے رد کرنے میں ہم حق بجانب ہوں گے۔ بصورت دیگر اس بات کو کیسے قبول کریا جائے کہ فلاں مردی فلاں محرومی جگہ پر شراب پیٹا تھا یا فلاں مشہور گھوکارہ کے لئے اس نے گھا لکھا؟ جو جائیکہ اُنسیں یا ان سے بھی کھٹیا ترین ہاتوں کو آنحضرتؐ کی ذات مقدس سے غوب کیا جائے۔

۳۔ نفس یادوایت کو جانچنے کی حیری شرط یہ ہے کہ وہ بدیعتیاتِ علی کے خلاف نہ ہو، قرآن نے عقل کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اسے حکم (ہاث) قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی سرزنش کی ہے جو عقل کے ذریعے سے بدیعت نہیں پاتے۔ قرآن ہم سے کسی ایسی بات کا ہرگز تقاضا نہیں کر سکتا جو عقل کے برخلاف ہو یعنی ہم سے منوائے کہ چار کا نصف دو نہیں ہے وغیرہ۔

دوسرے سال میں بڑی اور نظریاتی وغیرہ میں بھی علیٰ حمل کا بھی میدار ہمارے پیش نظر رہا چاہئے ان تمام امور میں بھی ہمارا موقف بنیادی طور پر بخوبی حلقہ پر بین ہوتا چاہئے۔

### نتیجہ:

گذشت تمام یاقوں اور مذکورہ معیاروں کی روشنی میں ان کثیر روایات کی بے وقاحتی کا لذتار ہو جاتا ہے جو ہمارے پیارے نبی کا تعارف ایک عالی، جالی، حریر اور دلیل شخص کے طور پر کرتی ہیں۔ اس اساس پر ان جعلی روایات کے لئے اسلام کے حکایت، تدریج اور فہد میں اس طرح کے اثر و تفویز کی کوئی کوچائش ہائق نہیں رہی، جس کی رو سے «اسلام کے اصولوں اور اس کی حقیقت، مسلمانوں کی حقیقت اور رسول اکرمؐ کی تدریج کے سطحی تصور پیش کر سکیں۔ کیونکہ ان کی حقیقت جان لی گئی ہے۔

اس مذاہم پر ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ اس وقت ہم اس پاک و پاکیزہ سیراث کو پیش کر سکتے ہیں جو درحقیقت مسلمین کے لئے عظمت و افضل کا سرچشمہ ہے بلکہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی بھی کتب ہمارے تعلق رکھتا ہو تاکہ ہم ان امور کو جو موجودہ وور اور حالات میں قوی اور ضعیف نکات کی لشکری میں ہماری مدد کرتے ہیں، حاصل کر سکیں اور ان کی روشنی میں ایک بتابک مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

### طبعی آغاز:

واضح ہے کہ تدریج اسلام کا طبیعی آغاز اور اس کا بہت بڑا حصہ نبی اکرمؐ کی پاکیزہ اور عطر آگین سیرت ہے اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم قبل از بحث کی تدریج کا بھی کچھ مذکور کریں تاکہ جس قسم کے حالات اور ماحول میں دنک حق (جو خدا کے نزدیک واقع اسلام ہے) کی دعوت وی کسی اس سے ہم آگاہ ہو جائیں۔

# پہلا باب

## بعثت سے پہلے کے حالات

پہلی فصل: آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے  
دوسری فصل: آنحضرتؐ کی ولادت سے لیکر بعثت تک  
عمری فصل: عذرگہ سیرت سے پہلے کچھ باہم

## پہلی فصل

آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے

## جزیرہ نماۓ عرب کے جغرافیائیٰ حالات

یہ ایک مستطیل جزیرہ نما ہے جس کی سرحدیں شمال میں فرات اور اس کے آخر میں دشت شام، سماوہ اور فلسطین، مشرق میں خلیج فارس، جوب میں خلیج عدن اور سرحد اور مغرب میں بحیرہ احمر سے جا ملتی ہیں۔

یہاں جغرافیائیٰ حالات سے ہماری مراد صفحہ قتل امور ہیں۔

اول: جزیرہ العرب میں ایک بھی دریا موجود نہیں ہے اگرچہ پہاڑ، درے اور صحراء ہیں جو بے کب و گیاہ ہیں اور زراعت کے قابل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے یہ علاقہ کسی ایک جگہ مقیم ہو کر زندگی کرنا نہیں کے لائق نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے لہذا گذشتہ دوسریں اس سرزمین کے اکثر بسائے یہاں بول ہوں ۷۲٪ لوگ خانہ بدوش اور مهاجر تھے جو مجھ کیسی ہوتے تھے تو شام کو کہیں اور۔

دوسری: اس صورت حال کی بات ہے یہ علاقہ اس زمانے کی دو سپر طاقتلوں یعنی ایران و روم اور دوسروں کے تسلط سے محفوظ رہا اور اس طرح یہاں کے مذاہب و ادیان کے اثرات سے دور رہا یہاں تک کہ یہودی، رومی حکمرانوں کے ڈال سے جزیرہ العرب فرار گزار جاتے اور پھر مدرنہ یا چاڑ کے دوسرے شہروں میں پڑے جاتے۔ ان حالات کے تینے میں قبیلوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں وجود میں آئیں۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک حاکم اور ہر طاقتوں فرد سلطان ہوتا تھا۔

سوم: دشوار گزار زندگی اور قبائلی نظام حکومت کے ساتھ ساتھ دین و وجدان کے

نہان کے باعث یہ قبائل ہمیشہ آپس میں لوث مار اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ لوث مارنا تو ذریعہ معاش کے طور پر ہوتی تھی یا پھر حصول اقتدار اور بالادستی کے لئے اور بعض اوقات اس کی وجہ انعام اور خونخواہی یا پھر دوسرے عوامل ہوتے تھے۔ اس طرح جو قبیلہ دوسرے قبیلے پر مسلط ہو جاتا ہے اس کے اموال پر قبضہ کر لیتا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بایا لیتا اور اس کے مردوں کو قتل کر دیتا یا پھر انہیں بھی قیدی بایا لیتا۔ اس کے بعد نگفت خود رہ قبیلہ اپنی نگفت کی طلاق کے لئے موقع کے انحصار میں رہتا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا۔

ان حالات میں قبیلہ کے تمام افراد کے درمیان قوی اور گھرے جذبات کا پایا جانا ایک طبیعی ہی بات ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جاتا تھا کہ اسے اپنی زندگی سے واقع کے لئے دوسرے کی ضرورت ہے۔ سبی چیز شدید قبائلی تصب کا باعث تھی کہ جس کی وجہ سے ان کے نزدیک رحم، صرانی اور احلاقوں غیرہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی لہذا ہمیشہ اپنے ہی قبیلے کے فرد کی حیات کرتے تھے چاہے ہ حق پر ہوتا یا باطل پر۔ یہاں تک کہ اس بات کی منح میں زمانہ چالیس کا ایک شاہراہ کہتا ہے۔

لا یَسْتَلِوْنَ اَخَاهِمْ حِينَ يَنْدِيمُونْ

فِي النَّابِاتِ عَلَى مَا قَالَ بِرْهَانَا

۔ یعنی مشکل وقت میں جب کوئی اپنے بھائی سے سک کی درخواست کرتا ہے تو وہ اس سے دلیل طلب نہیں کرتا۔

دوسری طرف ہمیشہ قبیلہ اپنے ہر فرد کے ظلم یا خسارے کا ذمہ دار ہوتا تھا اور اسے بری نیت رکھنے والوں کی آزار و انت سے بچانا تھا بلکہ کسی بے جرم سے بھی انعام لے کر دل کی بھروسہ بھایتے اور شوق انعام پورا کرتے تھے بشرطیکہ ۱) (بے جرم شخص) اس (جرم) کا ہم قبیلہ ہوتا۔

## جزیرہ نماۓ عرب کے شری

جزیرہ العرب کے شری بینی شرون میں سکونت رکھنے والے اگرچہ خلائق بدشون کی لبست بہتر تندگی بر کرتے تھے لیکن یہ امتیاز اس حد تک نہیں تھا کہ اسے ان دنوں کے درمیان ایک بڑا فرق قرار دا جائے۔

ای ٹئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی سُلخ، معاہم و عادات و رسوم اور طرز تندگی میں بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی تھی۔ یہ اس وقت ہے کہ جب ہم یہ کہیں کہ باہمی لشکن جسماں لحاظ سے بہتر، زبان کے لحاظ سے ضمیح تر، دل کے زیادہ قوی اور نفس، مگر اور سلیمان کے اعتبار سے زیادہ پاک و پاکیزہ تھے۔ لیکن یہ سحر بھی بیشتر موارد میں ان دنوں میں سے کسی ایک کا امتیاز اور برتری اس حد تک نہیں ہے کہ ایک محقق اس پر تحقیق کے لئے ایک جدا گانہ باب مختص کرے بالخصوص جاز کے شرونوں کے لئے۔

مخصر یہ کہ ہمیں اسلام سے پہلے کی تاریخ میں ان دو گروہوں میں سے کسی ایک کی دوسرے پر برتری و کمال نہیں دیتی جیسا کہ امیر المؤمنین علیؑ اور دیگر افراد کے کلام سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے جس کا بعد میں ذکر کیا جائے گا لہذا اسے ایک جدا گانہ باب میں لائے کا کوئی خاص قابلہ نہیں ہے۔

## عربوں کے اجتماعی حالات

جو شخص بھی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے واضح طور پر دیکھتا ہے کہ اسلام سے پہلے زندگی جاہلیت میں عرب اجتماعی لحاظ سے کس قدر پتی اور برائی کا شکار تھے۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے قتل و غارت، لوٹ مار اور قبائلی تصب وغیرہ اس دو دے کے عربوں کی خصوصیات تھیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی قبیلہ کو لوٹ مار کے لئے کلی وشن نہ ملتا تو وہ اپنے دوستوں تھی اپنے چیزاد بھائیوں پر ہی لوٹ پڑتا تھا۔ قطائی کہتا ہے۔

وَ كُنْ إِذَا أَغْرَنْتُ عَلَىٰ فَيُبْلِ

وَ أَعْوَزْهُنَّ نَهْبَ حَيْثُ كَانَا

أَغْرَنْتُ مِنَ الظَّبَابِ عَلَىٰ حَلَالٍ (۱)

وَ ضَبَّةُ أَنَّهُ مِنْ حَانَ حَانَا

وَ احْيَاتُنَا عَلَىٰ بَكْرٍ اخْتِنَا

إِذَا مَا لَمْ نَجِدُ إِلَّا اخْتَانَا

۔ ”فَهَبَ“ اور ”فَبِهِ“ قبیلوں نے جب دوسرے قبیلے پر حملہ کیا اور لوٹ مار سے ان کی ضرورت پوری نہ ہوئی تو انہوں نے اپنے گرفتوار میں چھوٹے چھوٹے قبائل پر حملہ کر دیا۔ اور اگر کبھی لوٹ مار کے لئے ہمیں اپنے بھالاں ”بکر“ کے سوا کوئی نہ ملتے تو ہم اسی پر حملہ کر دیتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان کو درجہش زندگی کی مخلالت اور فرود قاتم، غلط نظریات (خاص کر ہو) توں کے ہدایے میں نیز جگ اور لوٹ مار (جن کا متعدد ہو توں کو اسیر بنا) کی فحاشی نے ان کو اپنی اولاد (خاص کر بیٹھوں) کے قتل یا زندہ دفن کرنے پر مجبور کیا تھا۔ میں تمہیں، قسم، اسد، حذلیل اور بکر بن والی جیسے قبائل میں اس کا رواج تھا۔ (۲)

قرآن میں اولاد کو زندہ در گور کرنے کے مسئلے کے عذر کرے، ان کو اس م حل سے سچ کرنے اور اس کی مذمت سے ہم یہ اندازہ لانا سمجھتے ہیں کہ زندہ دفن کرنے کی رسم کس قدر رائج تھی۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

وَ لَا تُقْتَلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزَقُكُمْ وَ أَيَّاهُمْ (۳)

اپنی اولاد کو فرود قاتم کے طریق سے قتل نہ کرو ہم ہیں جو تمیں اور انہیں روزی دیں گے۔

۱۔ ضباب ایک قبیلے کا نام ہے اور حلال سے مراد ہے نزدیک رینے والا۔

۲۔ شرح نوح البلاعہ ابن الحدید معتمد ج ۱ ص ۱۶۳

۳۔ سورہ اسراء، آیت ۳۱

نیز ایک اور جگہ فرماتا ہے:- ”وَ إِذَا الْمَوْتَةُ مَلَكَتْ“ ہای ذنب قتل۔ (۱) ”یعنی اور جب زندہ دفن شدہ لاکھیوں سے سوال کیا جائے گا کہ ”کس کتاب میں قتل ہو گیں؟“۔ اسی طرح خلیل اکرمؓ نے بھی یعنی عرب کے موقع پر اس سے خنی کی تصریح فرمائی۔ محمد بن اسامیل تھی وغیرہ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ خلیل اللہ کے قتل کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ قتل کے ملاوہ قطع رحمی بھی ہے اور اسی وجہ سے اس سے پچھنے کی زیادہ ہمیدگی کی گئی ہے اسی کے ملاوہ فخر کے خوف سے لاکھیوں کو زندہ دفن کرنے اور لاکھیوں کو قتل کرنے کا رواج عام تھا۔ (۲)

### عورت دور جاہلیت میں:

جاہلیت کے دور میں حورتوں کی زندگی انتہائی دشوار اور سخت و پر مشقت ہوتی تھی اس وقت کے مرد کے سامنے عورت کی کلیٰ تقدیر و قیمت نہیں تھی۔ اس موضوع پر بہت ہی سکھیں لکھی جائیں گے اس پر منزد بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتے فقط خدا نہ عالم کے اس فرمان کو قتل کرنے پر احتکار کرتے ہیں۔

”وَ إِذَا بَشَرَ أَهْدَمْ بِالآشِ ظُلْ وَجْهَهُ مُسْوَدًا وَ هُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارِي مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بَشَرَ بِهِ“ ایمسک علی ہون ام یادس فی التراب الاصاء مایہ حکمون۔ (۳) ”یعنی اور اگر ان میں سے کسی کو بیٹھی کی (ولادت) کی خوشخبری سلطانی جاتی ہے تو اس کا پھرہ (پھرہ سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور دل کے اندر غم کا ملائم ہوتا ہے۔ ”اس بری خبر پر اپنی قوم سے چھپا پھرنا (اور سوچنا) ہے کہ کیا وہ اس کو دلت کے ساتھ سنبھال رکھے یا مٹی میں دفن کرے“

۱۔ سورہ تکویر، آیت ۶۸ و ۹۰

۲۔ فتح الباری ج ۱ ص ۶۱

۳۔ سورہ النحل، آیت ۵۸ و ۵۹

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ”حضری“ (مشور عرب مصنف) قرآن کو جملتے کی  
کھل میں تھا کیونکہ اس نے ادھا کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب، عورت کا آکرام و احراام  
کرتے تھے۔ (۱)

**جاہلیت میں عربوں کے حالات کے چند نمونے:**  
ایام جاہلیت میں عربوں کی حالت کے بارے میں امیر المؤمنینؑ کے بعض فرمودات کا  
ذکر ہی کافی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ”بَعْدَ وَالنَّاسُ ضَلَالٌ فِي سِيرَةٍ“ وَ حَاطِبُونَ فِي فَتَّةٍ“ قد استبهوتهم  
الاهواه“ وَ اسْتَرْلَهُمُ الْكَبِيرَيَا“ وَ اسْتَخْفَتُهُمُ الْجَاهِلَةُ“ حیا ری فی زلزال من الامر“  
وَ بَلَاءُ مِنَ الْجَهَلِ“۔ (۲) یعنی ”خدادِ عالم نے خلبگار کو اس وقت مجبوٹ فرمایا جب لوگ  
حیرت و پریشانی میں گم کر دیا رہتے اور خوب میں ہاتھ پیر مار رہے تھے نفسانی خواہشوں نے  
انہیں بھکار کر کا تھا اور خود نے ہبکا دیا تھا۔ بھروسہ جاہلیت نے ان کی عصیں کھو دی تھیں  
اور حالات کے ڈالوں ڈول ہونے اور جہالت کی بالائیں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”وَ ائْتُمْ مِعْشَرَ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ دِينٍ“ وَ فِي شَرِّ دَارٍ“  
تباخون ہیں حجارة خشن“ وَ حَيَاتٌ سَمَّ تَشَبُّونَ الْكَدْرَ“ وَ تَأْكُلُونَ الْجَثَثَ“ و  
تَسْفَكُونَ دَمَائِكُمْ“ وَ تَقْطَعُونَ أَرْحَامِكُمْ“ الاصنام فیکم منصوبة“ وَ الْأَثَامُ فیکم مخصوصۃ“۔ (۳)  
یعنی ”اے گروہ عرب اس وقت تم بدتر کن دین پر اور بدتر کن گھروں میں تھے۔ کھروے  
گھروں اور زہریلیے سانپوں میں تم لود و پاش رکھتے تھے۔ بت تمدارے درمیان گڑے ہوئے  
تھے اور کہا تم سے پہنچنے ہوئے تھے۔“۔

۱۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۶ سے ۲۰ تک از خضری۔

۲۔ نهج البلاغہ خطبہ ۹۱ از شرح شیخ محمد عبد۔

۳۔ نهج البلاغہ خطبہ ۲۵ از شرح شیخ محمد عبد۔

ایک جگہ پر یوں فرمایا: ”الاحوال مضطربة، والابدی مختلفه و الكثرة متفرقة فی بلاء ازل، و اطباق جهل‘ من بنات مروءة، و اصنام معبدة، و ارحام مقطوعة، و غارات مشتونة“۔ (۱) یعنی ”ان کے حالات پر زندہ، ہاتھ الگ تھے کثرت و جیت بیٹھی ہوئی، چنگداز مصیبوں اور جمات کی حموں میں پڑے ہوئے تھے یوں کہ لعیاں زندہ درگور ہوتی تھیں، سکر سکر مورتیوں کی پوچا ہوتی تھی، رشے ناطے توڑے جا پکھے تھے اور لوٹ کھوٹ کا بازار گرم تھا۔“

امیر المؤمنینؑ کا کلام اس شخص کے مقابلے میں کہ جو تصب کی بجائے پر اس داران میں جمات و فساد کا انکار کرتا ہے ایک واضح دروش دلیل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ”مظہر بن شعبہ“ نے ”یزدگرد“ سے کاظب ہو کر یوں کہا تھا۔ ”جہاں تک تم نے ہماری بدھال کا ذکر کیا ہے تو اس وقت ہم سے زیادہ کوئی بدھال نہیں تھا اور ہماری بھوک کسی بھوک جیسی نہ تھی ہم کبریلے، بخونوے اور سانپ کھاتے تھے اور انہیں اپنی خواراک کھجتے تھے۔ ہمارا سکر طی رہیں تھی اور ہمارا بہاس اوٹ اور بھیڑ کبریوں کی اون سے ہی بنا ہوا ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کو قتل کتا یا دوسروں پر تجاوز کرنا ہی ہمارا دن تھا اور ہم میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے تھے کہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیاں ان کے طعام و خواراک سے استفادہ کرس لےدا و انہیں زندہ و فن کر دیتے تھے۔“ (۲)

انہی عاص میں سے بعض امور کی طرف اثارہ کیا ہے جو طالب ہوں وہ ادھر رجوع کریں۔ (۳)

۱۔ نهج البلاغہ خطبہ ۱۸۶ از شرح شیخ محمد عبدالہ

۲۔ البدایہ والنیاہ ج ۷ ص ۳۲ اور طبری ج ۳ ص ۱۸

۳۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۶ نے طبرانی سے نقل کیا ہے اور حیاة الصحابة ج ۳ ص ۴۶۰ میں مجمع سے مردی ہے۔

## عربوں کے علوم

اسیر المؤمنین<sup>1</sup> کے گذشتہ کلام سے اس وقت کے عربوں کے حالات اور ان کی علمی و شفائقی طبع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمالت و سکراحتی کی تاریکیوں میں بحث کر رہے تھے اور یہ حقیقت "آلہ ولی" اور اس میں مودعین کے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے کہ (اسلام سے پہلے) عرب بعض علوم و فنون مثلاً نجوم، طب، قیادہ شہاسی، ہوا شہاسی اور پرندهوں کی آواز و پرواز کے مطابق ہاتھیکوئی اور آسمان شہاسی وغیرہ کے لحاظ سے دوسری قوموں سے برتر تھے کیونکہ اس بارے میں جو کچھ وہ جانتے تھے وہ مختص سادہ اور ابتدائی قسم کی معلومات تھیں جو زیادہ تر اندازے یا تجھیں پر جتنی ہوتی تھیں اور وہ بھی قبیلوں کے بڑے نوڑھوں یا الٹوڑھوں سے ان تک پہنچتی تھیں۔

ان خلدلوں کی بھی سبی رائے ہے وہ کہتا ہے کہ علم طب کے بارے میں ان کی معلومات اتنی سادہ اور ابتدائی تھیں کہ انہیں نہ تو علم کا جا سکتا ہے اور نہ یہ شیوه علم اور سبی بات آسمان شہاسی اور حارہ شہاسی کے بارے میں کسی گئی ہے جبکہ قیادہ شہاسی اور پرندهوں سے متعلق علوم تو بہت بجید ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے بعض امور تو علم کلامی نہیں تھے۔

ہماری اس بات کی تائید کے لئے سبی کافی ہے کہ وہ لوگ ان پڑھتے تھے اور سوائے چند محدود افراد کے بالق لکھا پڑھا بالکل نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ کہا کیا ہے کہ جب ملکبر آرم<sup>2</sup> نے قبیلہ بن بکر بن واکل کو خط بھیجا تھا تو اس پورے قبیلے میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ جو اس خط کو پڑھ سکے۔ (۱)

۱۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۵ اس کتاب کے مؤلف نے کہا ہے کہ اس کی روایات صحیح ہیں۔ اس نے احمد، بزار، ابن یعلی اور طبرانی (الصفح) سے اور اس نے انس اور مرثد بن ظیحان سے نقل کیا ہے۔

”بلادی“ نے روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ عمور اسلام کے وقت ”قریش“ (کہ میں) سے سڑہ افراد اور ”اویں“ و ”خزرج“ (مدینہ میں) سے فقط بارہ آدمی لکھا پر عطا جاتے تھے۔ (۱) انکن خلدون کی رائے تو یہ ہے کہ ان افراد میں سے بھی اثر مدت نہیں رکھتے تھے بلکہ نہایت ضعیف اور ابتدائی طور پر لکھا پر عطا جاتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات اس زمانے کے لوگ لکھنے پر عین کو عیب سمجھتے تھے۔ ”مسی بن عمر“ کتاب ہے کہ ”ذو الرمہ“ نے مجھے کہا کہ اس حرف پر ہٹش ڈال ڈو تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم لکھا جانتے ہو؟ تو اس نے فوراً علامت سکوت کے طور پر ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے سمجھایا کہ میرے اس کام کو پوشیدہ رکھنا کیونکہ ہمارے ہاں یہ عیب شدہ ہوتا ہے۔ (۲) یہ سب کچھ ان حالات میں تھا کہ قریش میام و مزبت اور اثر و نفع کے احتجاد سے جزا میں سب سے بڑا قبیلہ تھا چونکہ یہ لوگ جہالت پیش کرتے اور اس پیشے کے لئے بہر حال پر عطا لکھا ہونا ضروری ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ حالات تھی۔ ”اویں“ اور ”خزرج“ ٹھافت اور نفوذ (شرت) کے احتجاد سے جزا میں قریش کے بعد دوسرا مرتبے (درجے) پر شد کے جاتے تھے پس جب یہ اہم قبائل علیٰ لحاظ سے اس سطح پر ہوں تو ان پر یہود اور نصاریٰ (اگرچہ یہود سے کم تر) کا گھری تسلط ایک بدیکی امر ہے اور یہ بھی اعراب اُنہیں اس نکاح سے دیکھیں جیسے ٹاگردو اپنے احتجاد کی طرف دیکھتا ہے۔ اس بدلے میں الشاء اللہ ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔

---

- ۱۔ دیکھئے فتوح البلدان طبع یورپ ص ۳۸۱ اور مابعد نیز صلاح الدین منجد کی تحقیق کے ساتھ چھٹھ والی ایڈیشن کے حصہ سوم کا ص ۸۰۔ اگرچہ انہوں نے لکھنے پڑتے والوں میں جن افراد کا ذکر کیا ہے (مثلاً حضرت عمر وغیرہ) تو ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر کے قبول اسلام کی بحث میں ذکر ہو گا کہ وہ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔
- ۲۔ الشعرو الشعرا از ابن قحیۃ ص ۳۳۳

اس کے علاوہ جو چیزیں ماقبل غور ہے وہ یہ ہے کہ ان کا ان پر بند ہونا ہی ان کی قوت حافظہ کے قوی ہونے کا راز تھا لیکن بعد میں "عصر کتابت" کے بعد سے کتابت پر زیادہ اختیار کے خاتم سے ان کی یہ اعتماد کم ہوتی چلی گئی۔

بعد میں الشاء اللہ ہم اس کی طرف انتہا کریں گے کہ ہاتھوں کی خاتمے کے لئے اسلام کس قدر اہمیت کا قائل ہے یہاں تک کہ روایت ہے کہ جنگ بد مریض جب کھدا کو تیڈی بنا لایا کیا تو ہلہلہ بر آکرمؐ نے ان کی بہالی کے لئے یہ فہریہ مقرر کیا کہ ہر اسری دس مسلمان بیکھوں کو تعلیم دے۔ یاد رہے کہ جنگ بد مریض اسلام اور مشرکین سے جنگ کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے سب سے مثلث اور حساس مرحلہ تھا۔ اس پڑے میں ہم جنگ بد اور کچھ "احد" کے پڑے میں بحث کے اوآخر میں بیان کریں گے۔

محض یہ کہ اس وقت (قليل از اسلام) ہر طرف جات کا دندہ دندہ تھا اور اسلام سے پہلے کسی بھی گھری ارتقاء کی کوئی علامت نظر نہیں آئی تھی بلکہ اس کے بر عکس آخر جات، گمراہی اور ہلاکت ہی کے آئندہ نظر آتے ہیں۔

## عربوں کی خصوصیات

اسلام سے پہلے بعض خصوصیات اور اوصاف کی وجہ سے عرب دوسروں سے محاذ تھے اور انہی اوصاف کی بنا پر لوگ ان کی مدح کیا کرتے تھے البتہ یہ اچھی صفات ان کی بروی عادات کے مقابلے میں بہت کم تھیں لیکن جب ہم انہی کم اچھی صفات کو "وقتن" نظر سے دیکھتے ہیں تو ان میں بھی کوئی کامل تعریف چیز نظر نہیں آئی بلکہ آخر موارد میں تجھے بر عکس ہی لکھتا ہے کیونکہ ہر کام کی حقیقی قدر و قیمت اس کے حرکات، وسائل اور عراجم سے والبست ہوئی ہے جبکہ اسلام سے پہلے عربوں سے غوب امور میں ہمیں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو ان کی تعریف و تجدید یا مدح و شکا کا باعث بن سکے۔ تو وسائل اور حرکات کے لحاظ سے اور نہ ہی اهداف و مقاصد کے نقطہ نظر سے۔

## عربوں کے امتیازات

### ۱۔ فیاضی اور مہمان نوازی

مکی وہ تھا چیز ہے کہ جسے ابو سفیان نے اپنے دین کی درستی کی دلیل کے طور پر بیش کیا تھا۔ اس نے «کعب ابن اشرف» سے کہا کہ خدا کی نظر میں کیا ہمارا دن بہتر ہے یا "محمد" اور اس کے اصحاب کا دن؟ ہم میں سے کون تیرے خیال میں زیادہ ہدایت یافت اور حق کے نزدیک تر ہے؟ جبکہ ہم بلند کوہاں والے اوتھوں کی قبائلی دیتے ہیں اور پالن کے ساتھ دعوے سے لوگوں کی پذیری اٹی کرتے ہیں اور جب شمال ہوا میں چلنے سے گری میں شدت آئی ہے تو ہم لوگوں کو کھلا کھلاتے ہیں لیکن اشرف نے جواب دیا کہ "تم ان سے زیادہ ہدایت یافتے ہو"۔

لیکن ان کی یہ خصلت کوئی حقیقی فضیلت و برتری شارٹس میں ہوتی کیونکہ ان کی یہ حکاوت نہ تو خدا پر ایمان کی وجہ سے تھی اور نہ ان اسلامی عواطف کی وجہ سے تھی جن کی بناء پر انسان دوسروں کو محتاج دیکھ کر مناثر ہوتا ہے اور بغیر سوال یا کسی اور وجہ کے نقطہ ہمدردی کے تحت بخشش عطا کرتا ہے۔ نہ فقط یہ بلکہ اس کے بر عکس انسیں اس عمل پر ابھارنے والے عوامل غیر اسلامی ہوا کرتے تھے اور وہ یہ کہ بدنامی کے عار سے محفوظ رہیں اور شرعاً کی محدود بدگولی سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ وہ کنجوی اور بخل کی وجہ سے شروں میں بدنام نہ ہو اور ان کی عزت، اکبر و اور احترام کو کوئی گرد نہ کچھ یا پھر یہ کہ ان کا ہم اپنے اوصاف کے ساتھ یا جائے اور ہمیشہ ان کی تعریف کی جائے یا قبیلے کی سرداری و سرداری کا حصول مد نظر ہوتا تھا یا اپنے حریف پر برتری جلتا مقصود ہوا کرتا تھا۔ اس بات پر تاریخی شواہد بہت زیادہ ہیں اگرچہ بعض اسٹھانی موارد اس کے بر عکس بھی ہیں کہ جو شاذ و غادر ہونے کی وجہ سے قابل توجہ نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ بد امراض کا سامنا چونکہ نہایت طاقتور اور بے رحم فطرت (جو سماں کی طبیعت میں شامل ہے) سے ہوا کرتا تھا اور وہ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناتوان پاتے تھے لہذا ان میں سماں نوازی اور فیاضی کی ضرورت کا شور پیدا ہونا فطری بات تھی۔ کیونکہ صحراً سفر دشوار اور سخت ہونے کے علاوہ دسمیں دن طول پکڑتے تھے اور سفر میں مطلوب کافی خذالی مواد اٹھانا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

## ۲۔ قومی غیرت و تھب

یہ درحقیقت ایک مذموم اور بُری صفت تھی کیونکہ وہ صرف اپنے قبیلے کے افراد یا رشتہ داروں کی حمایت اور مدد کیا کرتے تھے چاہے وہ غالباً ہوتے یا مظلوم۔ قرآن پاک ان کی اس خصلت کو ”حُمَيْةُ الْجَاهِلِيَّةِ“ یا جیلانہ تھب سے تصریح کرتے ہوئے اس کی مذمت کرتا ہے کیونکہ اس تھب اور غیرت کی وجہ جہالت اور بادانی ہے اور یہ حماقت جلد بازی کا تجھہ ہے اس خصلت کی پیدائش کی وجہ ہم پسلے ذکر کر پچھے ہیں۔

## ۳۔ شجاعت

یہ صفت اپنے مختلف موارد میں احتیال کے لبادن کے لاماؤ سے مستحق درج یا مورد مذمت قرار پالی ہے جہاں یہ اپنے موارد میں ظاہر ہو چکا ہے قابل سلطش ہے وگرنہ دیگر موقوع ہے یا اس مذمت ہے اسی لئے اکرچہ شیر سے زیادہ شجاع کہنی نہیں یعنی یہ صفت اس کے لئے کوئی فضیلت شد نہیں ہوتی۔

جب ہم اس مسئلے کی گمراہی میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس وقت عموم میں شجاعت کا راز یہ تھا کہ وہ ایسے صحراً ماحل میں زندگی بسر کیا کرتے تھے کہ جو تقدیری پاپاگاہوں اور رکاوٹوں وغیرہ سے خالی ہوتا تھا۔ جہاں ہر کوئی جالا تھا کہ وہ خود ہی اپنی ذات کی حماقت کا ذمہ دار ہے اور علوار یا زور بارو کے علاوہ کوئی چیز اسے نہیں پا سکتی خصوصاً

جب ہر لمحہ جگ اور لوث مار اور انعام کا خطرہ سامنے ہو۔ ان حالات میں جو بھی شجاع اور نندہ ہوتا ہے دوسروں کا لئے بن جاتا تھا یا کم از کم خود شکار نہیں کر پاتا تھا گویا ہی ان لوگوں کی مخلوق تھی کہ "اگر بھیڑیے نہ ہو تو دوسرے بھیڑیے تمیں فکل جائیں کے" اور اس کے باوجود بھی کیا بھیڑیے کی وجہگی میں اس کی شجاعت کی تعریف کی جاسکتی ہے؟

### ۲۔ جرات اور قوت فیصلہ

اس بارے میں مختکو شجاعت والی مختکو سے مختلف نہیں ہے بلکہ اسی سے مریوط بھٹ ہے۔ یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ بعد عربوں کی یہ نحلت اپنے احوال کے مقابلے میں غیر وہ داری کے احساس کی وجہ سے تھی کیونکہ وہ قبلیہ کی طرف سے مورد حمایت قرار پاتے تھے چاہے وہ خالی ہوتے یا مظلوم۔

اس کی دوسری وجہ بیانوں میں تندگی تھی کہ جہاں اچاک جگ یا انعامی قتل کا خطرہ ہمیشہ ان کے سروں پر مددلاتا رہتا تھا اور سبی چیز سرعت عمل کا لامعاً کرنی تھی اس کے علاوہ تمام حوادث کے مقابلے میں احساس وہ داری کے فہرمان نے بھی فوری رد عمل دکھانے کو ان کی نیاں نصوصیت بنا دیا تھا (یا سرکشی کو جنم دیا تھا)۔

انعام میں جلد پازی ان میں ایک خاص حمایت کا موجب بنتی تھی جس کی وجہ سے ان میں کبھی بھی علمی اور برداشتی انسان نہیں ملتے تھے سوائے ان عمر سیدہ اور نادر افراد کے جو یا تو عالی ہوتے تھے یا ڈرپوک۔

### ۵۔ عزت نفس، نفس پر توجہ، آزادی پسندی، قوت ارادی

کلام میں فضاحت و بلافافت اور ہمسائے کے حقوق جیسی چیزوں بھی کسی دل کسی طرح گذشتہ موارد سے ہی مریوط ہیں لہذا ان سے بحث کرتے ہوئے بھی ان کے اهداف اور مقاصد کو مدقفر رکھنا ہوگا۔ گذشتہ وجوہات کے علاوہ ان صفات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

اس زمانے میں خلائق بدوش عرب کسی الحکیمی حکومت کے نتائج نہ تھے۔ جو ان پر تسلط  
جانے یا کسی نظام کو مٹھوئنے کی کوشش کرتی اگرچہ جبر و عدالت کے دریے ہی کیوں نہ ہو۔  
تیجہ اور اپنے قول و عمل اور اقدامات وغیرہ میں آزاد ہوتے تھے۔

## ۶۔ ایقانے عمد

یہ بذاتِ خود ایک اچھی صفت تھی سوائے ان موارد کے کہ جن میں یہ عمد نامے  
معاشرے کے لئے مضر ہوتے تھے البتہ صحرائی زندگی، اپنی عام صفات کے ساتھ کہ جن کی  
طرف پہنچنے والوں کیا ہمیا ہے الحکیمی صفت کا تھا خاکری تھی۔

گذشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ صفات کو اخلاقی اور اسلامی فضائل و  
اقدار میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ یہ صفات، اچھے اخلاق،  
السایت، تقویٰ اور دینی شعوار کی بنیاد پر عموم میں کلتی ہوں بلکہ اس کے بر عکس ان کی بنیاد پر  
بیشراوقات ناپسندیدہ ہوتی تھی۔

## اسلام اور مذکورہ صفات

اسلام نے کوشش کی کہ ان صفات کو ان کے صحیح راستے پر لے آئے اور انسانِ اسلام  
اقدار، حقیقی عواطف اور اخلاقی فضائل کی بنیاد فراہم کرے خصوصاً صحیح دینی چننات کو ایک  
امت کی تکمیل کے لئے بروئے کار لائے اور ان صفات میں سے جو اس قابل نہ ہوتی کہ  
اسے بالی رکھا جاتا اسے حکمت اور اچھے وعدہ و نصیحت کے دریے ختم کرنے کے لئے اقدام  
کیا مثلاً اسلام نے بدل مال اور جد و کرم کو اسلامی چننات اور مجاہدوں کی ضروریات کے  
احساس کی بنیاد پر اسوار کرنے کی کوشش کی جیسا کہ بہت یہ نصوص سے یہ بات ظاہر  
ہوتی ہے جبکہ اللہ کی طرف سے اجر اور مظہر کی خواہیں اس پر مستزاد ہے اور اس سلسلے  
میں اللہ تعالیٰ کا صریح فرمان ہے:

”وَ يَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حِبْ مَسْكِنًا وَ يَتَمَّا وَ اسْمَرَا أَنَّمَا نَطْعَمُكُمْ لَوْجَدَ اللَّهُ لَا تَرِيدُ  
مِنْكُمْ جَزَاءً وَ لَا شَكُورًا۔“ (۱)

”اُور وہ مسکین، بیگم اور اسیر کو محبت خدا میں کھلا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تم سے خذ  
خدا کی خاطر کھلا کھلاتے ہیں اور تم سے کسی جزا اور بکریہ کی تھانیں رکھتے۔“  
بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دینے کی تعریف کی ہے اور اس  
کی صبح میں فرماتا ہے:

”وَ يَلْثَرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔“ (۲)

”اُور وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ہدم کرتے ہیں اگرچہ خود عمدت ہوں۔“

اور قبائلی تسبیبات کا ربع سوڑ کر انہیں تعمیری ریخ پر لگاتے اور اس کے قائم شرائیز  
اور انحرافی عناصر کا خاتر کرنے کی کوشش کی ہیں اس نے میں باپ سے نیکی اور مدد رحمی  
کی دعوت دی اور اسے واجبات میں سے قرار دیا۔ واضح ہے کہ یہ امر معاشرے میں السالوں  
کے ہائی ریڈ کو قوت عطا کرتا ہے جبکہ اس نے ہاتھ تسبیبات پر ضرب لکھا اور انہیں  
جلالیت کے مظاہر میں سے گردانے ہوئے اس پر سزا مقرر کی۔ اس کے بارے میں بعض  
صریح نصوص موجود ہیں جن کی طرف ہم سیرت نبویؐ میں اشارہ کریں گے۔

ای طرح سے اسلام نے سخت مراقبی و قساوت کو دین و الشہادت کی بھلائی کے راستے  
پر گاہا اور حق و خیر کے لئے اسے شر بکش اور محافظاہا دیا۔ اس امر پر دلالت کرنے والی  
نصوص بہت زیادہ ہیں ہم فقط چند آیات کی طرف اشارہ کرنے پر اکٹھا کرتے ہیں:

”إِنَّمَا عَلَى الْكُفَّارِ رِحْمَةٌ يَنْهَمُ.“ (۳)

”وَ كَافِرُوْنَ پَرْ بُرْزَى سَعْتَ هُنْ اُور آکہیں میں میران۔“

۱۔ سورہ دھر، آیت ۸ و ۹

۲۔ سورہ حشر، آیت ۹

۳۔ سورہ فتح، آیت ۲۹

نیز فرمایا:

”بِاِيَّهَا النَّبِيُّ جَاهَدَ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَأَغْلَظَ عَلَيْهِمْ“۔ (۱)

”اے نبی“ کافرین اور مخالفین کے علاط جناد کرو اور ان پر حنی کرو۔ -

اور اسی طرح فرمایا:

”وَقَاتَلُوا النَّاسَنِ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَيَجِدُوا فِيكُمْ غَلَظَةً“۔ (۲)

”جو کافر تمدارے نزدیک ہیں ان سے جگ کریں چاہے کہ وہ تم میں سختی دیکھیں۔“  
اس سلسلے میں بہت سی آیات دروایات ہیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ سختی کی صفت  
سے خلم و اخراج کے خاتمے اور حق پر قائم رستے کے لئے کام لیا جائے۔ اللہ کے راستے  
میں کسی ملامت کی پرواہ کرے وہ چاہتا ہے کہ یہ سختی موسمن کے مابین رحمت، مرماتی اور  
سلامتی میں بدل جائے۔ مذکورہ صفات کے بارے میں نصوص قرآن، احادیث رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم اور اقوال مسحومین علیہم السلام کی طرف رجوع کیا جائے تو کوئی تکب  
بلقی نہیں رہتا کہ اسلام نے اپنی پوری کوشش کی کہ انسان کی پسندیدہ صفات کو امور خیر کی  
طرف برخانے کے جن میں دین اور امت کی بحلالی ہے اور ان مذکورہ صفات کا قلع قلع کر  
دے کہ جو اسلامی سعادت اور حق کی بلعد عمارت کے لئے ہولناک اور جلاہ کن ہیں۔

---

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۷۳

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۱۲۲

## بنائے کمک کی تاریخ

وہ سرزین کر جو "ام القی" کے قب کی بھا طور پر حال ہو گئی، کی بجائے پر تو سچ کی  
وقت تاریخ ہم بیان نہیں کر سکتے خالہ امک کی تائیں حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں تائیں کعبہ  
سے پلے ہوئی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے نیز قرآن حکیم میں حضرت  
ابراہیمؑ کا یہ قول بھی اسی امر کی حکایت کرتا ہے: "رب اجعل هذا البلد آمنا". (سورہ  
ابراہیم ۱۳۵) یعنی اے میرے پروردگار اس شر کو ملام امن قرار دے۔

لہذا بعض لوگوں کا یہ کہا درست نہیں کہ "قصیٰ" وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے کمک  
کی بنیاد رکھی اور قتل ازیں بیت اللہ صرا میں عما تھا خصوصیات کے وقت۔ اس کی دلیل  
وہ یہ ہے کہ میں کہ "قصیٰ" کو "مجمع" کا جاتا ہے کیونکہ اسی نے اطراف کعبہ میں  
قبائل کو جمع کیا۔ اس امر کو ان کے ادعا پر دلیل نہیں ملا جائے کیونکہ "قصیٰ" سے قتل  
تاریخ کے کا وجود اس امر پر بہترن شہید ہے کہ اس سے قتل بھی جہاں پر گہلو موجود تھی،  
لوگ پہنچتے تھے اور یہ بھتی معروف و مشور تھی تاہم مگن ہے "قصیٰ" نے ماسکن قبائل کو  
کہ میں مناسب طور پر مسلم کیا ہو۔

بہر حال تاریخ کے کچھ بھی ہو ہمارے لئے یہ امر زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جو چیز ہمیں  
جانانا چاہیے وہ کہ کا ورنی ملام اور اس سے عرب و غیر عرب قبائل کا ارجمند ہے اس کے  
ہڈے میں مکھتوں کے میں موجودیت عین کے ہڈے میں مکھتوں سے جدا نہیں ہیں اسی طرح  
سے قریش (جسے اس بیت عین کی خدمت کا شرف حاصل ہوا) کے ہڈے میں مکھتوں سے  
بھی جدا نہیں۔ اس سلسلے میں ہم چند نکات کا ذکر کرتے ہیں۔

## الف۔ تائیں کعبہ

کعبہ ہی وہ پلاٹ مرے جو کہ میں انسانوں کے لئے بنایا گیا یہ کعبہ برکت ہے اور عالمیں کے لئے بدایت ہے جیسا کہ قرآن نے تصریح کی ہے معروف اور مشہور یہ ہے کہ اس کے بالِ شیخ الائمه حضرت ابراہیم ہیں لیکن حضرت امیر المؤمنین علیؑ کے اقوال میں ایسے شواہد موجود ہیں جو اس امر پر ولات کرتے ہیں کہ خالہ خدا الو البشر حضرت آدمؑ کے زمانے سے تھا البتہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی بنیاد پر کو بلعد کیا نیز اس کی عمارت اور دیواروں کو سوارا تھا۔ حضرت امیر المؤمنین حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا:

”الاثرون ان الله سبحانه اختبر الاولين من لدن آدم صلوات الله عليه، و الى الآخرين من هذا العالم باحججار لأنضر و لأنتفع، و لأنبصر و لأنسمع، فجعلها يبت الحرام (الذى جعله للناس قياماً). ثم وضعها باوعر بقاع الأرض حجراً، و أقل نتاق الدنيا مدرأً، و أضيق بطون الاودية قطرًا، بين جبال خشنة، و رمال دهنة، و غيون وشلة، و قرى منقطعة لا يزد كوبها خفت، و لا حافر ولا ظلف. ثم أمر آدم و ولده: ان يشوا اعطا فهم نحوه، فصار مثابة لمنتجمع اسغارهم، و غاية لعلقى رجالهم، تبوى اليه الائمة من مقاوز سمحقة الخ.“ (۱)

یعنی ”یا تم لوگ مثلبہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے زمانے کے لوگوں سے لے کر آخری زمانے تک کے لوگوں کو آزمایا ہے ان پتھروں کے ذریعے جو (بدایات خود) شہ مضر ہیں شہ مفید ہے دیکھ سکتے ہیں شہ سن سکتے ہیں۔ یہ اس نے اپنی پتھروں کو بہت الحرام اور لوگوں کے لئے باعث قیام اور اسے دیا کے سب سے زیادہ تاہمور پتھریلے اور دشوار گزار بے خاک اور سب سے زیادہ تجھ وادی میں قرار دوا، کمر درے پہاڑوں، نرم رہتلی زمین اور کم پالی چشمیوں کے درمیان“۔

۱۔ نبیج البلاغہ خطبہ قاصعہ نمبر ۱۸۷ (شرح محمد عبدہ)

ای طرح الحی سئ و شید روایات ہیں کہ جو اس مدی پر طلاق کرتی ہیں جو صاحب  
چالیں ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ (۱)

غیرہ اقران بھی اس امر کا مخالف نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی طرف  
خالد خدا کی تعمیر نو کی لسبت دستیت ہوتے فرماتا ہے:

”وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمَ الْبَيْتَ كَمَا بَيَّنَ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ  
وَأَذْيَرُونَ عَلَى الْمُشَرِّكِينَ“ (۲)

اور جب ابراہیمؑ البت کی بنیادیں اخبار ہے تھے

یہ الفاظ اس بات کے متعلق نہیں ہیں کہ عدالت کی بنیادیں پہلے سے موجود ہوں اور ابراہیمؑ  
نے ان بنیادیں کو بلند کیا ہو اور اس کی دیواریں میں کچھ تجدیلی کی ہو۔ یہ موضوع زیادہ  
بحث و تحقیق کا محلہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ”ہم توفیق دے کہ ہم  
کسی اور موقع پر الشاء اللہ اس کا حق ادا کر سکیں۔

## ب۔ ابراہیمؑ کی دعا

بھرپور جب ابراہیمؑ نے ملاحظہ کیا کہ جس سحر کے قدریے اللہ السماوں کو آزماتا ہے،  
اسی جگہ پر واقع ہے کہ جہاں زندگی بسر کرنا مشکل اور طاقت فرما ہے جیسا کہ قتل ازیں اسر  
المومنینؓ کا کلام بھی گزر چکا ہے لہذا انہوں نے اپنے پروردگار کو یوں پکارا:

”رَبِّنِي أَسْكُنْتَ مِنْ ذِي تَبَّى بَوَادِ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحْرَمِ رَبِّنِي لِيَقِيمُوا  
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْتَدَةً مِنَ النَّاسِ تَهُوَ الْيَهِيمَ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الشَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ“ (۳)

۱۔ مثال کے طور پر آپ ان کتب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ تفسیر نور الثقلین ج  
۱ ص ۱۲۶-۱۲۹ الطبری، الدر المٹھور، مشرح نهج البلاغہ ابن الحدید وغیرہ۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۶

۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۶

یعنی اے میرے پالنے والے میں نے تیرے مجزہ کمر کے پس ایک بُرداہی میں اپنی کچھہ اولاد کو بسایا تاکہ اے ہمارے پالنے والے یہ لوگ یہاں پر شاد پڑھا کرس۔ پس تو بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انہیں مختلف بھلوں سے روزی عطا کر تاکہ یہ لوگ تیرا بکھر ادا کرس۔

بیٹھ ابراہیمؑ کی دعا قبول ہو گئی اور کہ صاحبانِ آرزو کا قبلہ ہو گیا اور برگزیندگانِ عالم کے قوبہ کا مرکز بن گیا۔

### ج۔ کعبہ کا احترام

کعبہ تمام امویں کے نزدیک مقدس و حرام رہا ہے لہذا علامہ طباطبائی ایده اللہ (الله ان کی دستگیری کرے) فرماتے ہیں۔ (۱) ”ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ ”سیدنا“ کی روح کہ جو ان کے نزدیک ”اقوم سوم“ ہے مجر اسود میں حلول کر کی جبکہ (۲) اور اس کی توجہ بلادِ حجاز کی زیارت کر رہے تھے۔

قادر کے مائین اور کھدائی کعبہ کو سات محرم کھروں میں سے ایک کمر شد کرتے ہیں (۳) اور بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ یہ زحل کا کمر ہے کیونکہ یہ کمر بہت پرانا ہے اور اسے طویل زمانہ گز چکا ہے۔

۱۔ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہیں تھیں مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامہ بقیدِ حیات تھی۔ (متترجم)

۲۔ سات کھر یہ ہیں: کعبہ، مارس (اصفہان میں ایک بہاڑ کے اوپر)، ہندوستان (ملک ہند میں)، نوبیار (شہر بلخ میں)، بیت غمدان (شہر صنعتاء میں)، کاوسان (خراسان کے شہر فرغانہ میں) اور وہ کھر جو چین کے بلند علاقوں میں موجود ہے۔

یہودی بھی کعبہ کی تظمیم کرتے تھے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس میں دن ابراہیمؑ کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کعبے میں مجھے اور تصاویر موجود ہیں، ان میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجھے بھی تھے جو اپنے ہاتھوں میں تیر پکڑے ہوئے تھے نیز ہاں پر عذر (جذب مریم) اور حضرت مسیحیؑ کی تصاویر بھی تھیں۔ عیسائیوں کا بھی، یہودیوں کی طرح کعبہ کی تظمیم کرنا اسی امر کا گواہ ہے۔ عرب والے بھی اس کا نہایت احترام کرتے تھے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا گھر شد کرتے تھے اور اطراف و آفتاب سے اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ (۱)

یہ تو حقیقی بات ملاصر طباطبائیؑ کی لیکن اس کے کچھ حصے کے لئے سبیر تاریخی سعدی ضرورت ہے۔

بلکہ کعبہ تمام قوموں اور گروہوں کے لئے حرام تھا خصوصاً مولیٰ و در جاہلیت کے میلوں کی نظر میں بہت کامل احترام تھا اور اس کی تظمیم میلوں کی لفتر میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کہ وہ اسے اپنے لئے سرپرستہ عزت اور منزل آرزو بھیجتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ دوسری قومیں انسیں اس کے باعث بعض وحدت کی لفتر سے دیکھنے تھیں اور ان سے یہ شرف چیننے کے درپے ہیں یا کم از کم وہ اس کی اہمیت کو کم کر دیا چاہتی تھیں۔

۱۔ ”غسانۃ“ نے ”حرہ“ میں کعبہ کے مطالبے میں ایک گھر بیا۔ (۲)

۲۔ نجران میں بھی اس کے مطالبے کے لئے ایک اور کعبہ جایا گیا۔ ”اعشی“ کہتا ہے:

و کعبہ نجران حرم علیک

حتیٰ تناخی باعتابها

۱۔ المیزان ج ۳ ص ۳۶۲-۳۶۱

۲۔ حیات محمد از محمد حسین ہیکل ص ۶۳

ب۔ ”اے ہاتھ) تیرے لئے کعبہ نجران تک جلا ضروری ہے تاکہ اپا وزن تو اس کے آستانہ پر اتارے۔“

کعبہ نجران کے پارے میں کامیابی ہے کہ ”ایک کمیا تھا جسے عبد الرحمن بن الدین الحارثی کی اولاد نے کعبہ کی ماحصلہ بیا تھا، کعبہ کی طرح اس کا احرام کرتے تھے اور اس کا عام انہوں نے کعبہ نجران رکھا تھا۔ (۱)

۲۔ شام میں بھی ایک کعبہ ثانیہ تھا۔ (۲)

۳۔ اور یمن میں کعبہ یمانی تھا۔ (۳)

اس پارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ ”ابرھ بن اشرم“ نے یمن میں ایک گمراہ بیا تھا اس نے لوگوں کو اس کی تعلیم کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ وہ اس کا حج سیا کریں اس نے اس کی بہت تزیین و آرائش کی، عمدہ ترین چیزوں اس کے لئے میا کیں، مکہ حد تک بہترن قالین بھائے لیکن اس کے باوجود وہ اہل کہ کو تو ایک طرف، اہل یمن کو بھی کعبہ کی طرف جانے سے نہ روک لکا۔ لوگ اسی طرح کعبہ کا حج کرتے رہے یہاں تک کہ ”بنی کلابة“ کے ایک شخص نے ابرھ کے عبادت خانے میں جمارت کی اور ہاں پر پاخانہ کر دیا۔ ابرھ کو غصہ گیا اور عام الغیل (باتھی) کا سال۔ یعنی جس سال اس نے کہہ پر چھٹالی کی میں فوج لے کر کہ جا ہا چا، وہاں حضرت عبدالطلب سے کہا کہ میں فقط خانہ کعبہ کو مندوم کرنا چاہتا ہوں، حضرت عبدالطلب نے اُسیں جواب دیا کہ اس گمراہ کا ملک خود اس کی حافظت کرے گا گمراہ اور اس کے لئکر پر جو گزری قرآن کے الفاظ میں:

”الْمَ ترکیف فعل ریک باصحاب الفیل الْمِ يجعل کیدهم فی تضليل. و ارسل

علیہم طیراً آلبایل. ترمیم بحجارة من سجيل. فجعلهم کعصفت ماکول“ (سورة فیل)

۱۔ معجم البلدان از یاقوت الحموی ج ۵ ص ۲۶۸

۲۔ البداية و النهاية ج ۲ ص ۱۹۲

یعنی (اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا  
لوگ کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر پر پالنی نہیں پھیرا اور اس نے ان پر الجل کے حمہ  
بیچے جو ان پر کمر نجول کی سکریاں ۔ میکتی تھی یوں اس نے اپنی چائے ہونے بھس کر  
ٹرح کر ڈالا۔

کہتے ہیں کہ ابرھ سے پہلے "تعین حسان" نے بھی کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا  
کہ وہ کعبہ کے ڈھروں کو یمن لے جائے گا اور ان سے پہاں پر ایک کمر بانے گا تاکہ عرب  
اس کا احرام کریں لیکن اللہ نے اپنے کمر سے اس کے شرادر سازش کو دور رکھا۔ (۱)

### کعبہ اور بت

کہتے ہیں عمرو بن ٹھی جو قبیلہ خزاعہ کا بزرگ تھا جب خانہ کعبہ کا موقی ہوا تو اس نے  
شام کا سفر کیا اور پہاں سے "صلی" نامی بت اپنے ہمراہ لے آیا اور اسے کعبہ پر رکھ دیا۔  
کعبہ پر رکھا جانے والا یہ پہلا بت تھا۔ بعد ازاں مزید بت لے آیا۔ شہزادی خلف الجرمی  
کہتا ہے:

ياعمر و ائك قد احدثت الله

شتى يعكك حول البيت انصابا

و كان للبيت رب واحداً أبداً

فقد جعلت له في الناس اربابا

۔ "اے عمرو تو نے پہلی بار کہ میں جوں کو اطرافِ کعبہ میں نصب کر دیا، خانہ  
کعبہ کا ہمیشہ ایک خدا تھا لیکن تو نے السانوں میں اس کے بہت سے رب بنا  
دیئے" ۔

عمرو بن الحی کے بارے میں کہتے ہیں کہ: «اس کی شرافت و ہرگواری اور مہماںوں کی وجہ سے لوگوں میں اس کی بات حکم شریعت کی طرح ملائی جاتی تھی۔» (۱)  
 اس کے بعد عربوں میں بت پرستی رواج پا گئی یہاں تک کہ ہر قبیلے نے کعبہ میں اپنے نئے ایک ہت رکھ دیا (جس کی زیارت کے لئے وہ تمام علاقوں سے آتے تھے) یہاں حکم کر ان کی تعداد ہمین سو سے زیادہ ہو گئی بعض لوگ اپنا ہت کسی اور مناسب جگہ پر رکھتے ہوئے جب وہ جگہ پر آتے تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر عبادت کرتے اور پھر لیک کتے ہوئے کہ جائانچتے تھے۔ (۲)

ہر گمراہوں نے ایک ہت بار کھا تھا جس کی وہ اپنے گمراہ میں عبادت کرتے تھے جب کوئی شخص سفر پر جانے لگتا تو ہر کی عاطر اپنے آپ کو اس سے مس کرتا اور والہی ہر اپنے گمراہوں سے ملنے سے پہلے ہت کے پاس جا کر اسے چھوٹا تھا۔

یہ بات اس قول کے لئے ثابت ہے کہ عمرو بن الحی سے پہلے ہبہت پرست نہ تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہی اسماعیل مکہ چھوڑ کر نہیں جاتے تھے۔ یہاں تک ان کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ اردو گرد کے شہروں کی طرف کوچھ پر مجبور ہو گئے ان موقع پر ان میں سے ہر کوئی حرم کا ایک ہتر قطیم کی عاطر لے سیا۔ صراحتاً کعبہ کی طرف اس کے گرد طواف کرتے اور عبادت بجا لاتے تھے یہ طرزِ عمل پتھروں کی پوچھا کا باعث بن گیا۔ یوں بعد کی نسلیں پہلوں کے دین (یعنی دین اسماعیل) کو بھول گئیں اور جوں کی پوچھا کرنے لگیں۔ (۳)

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۸۶

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۵۵

۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۸۸ ، المستظر ف ج ۲ ص ۴۵ نے ابن اسحاق اور دوسروں سے نقل کیا ہے۔

اور ہم اسی دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں جن معمونی تھی ہی غایب را پہلا شخص تھا کہ جس نے کعبہ پر بہت رکھا اور دوسروں نے اس کی جگہ کی۔ ہم سے اس کا بہت لے کا خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے قتل ہوں سے آشنا تھی اور انہیں احراام حاصل تھا اگرچہ ہم یہ نہ کہیں کہ "ستر شام" سے پہلے بہت پرست تھا۔

بہر حال یہاں جو بات ہماری نظر میں اہم ہے وہ ہے اس نمائے میں دیگر لوگوں کے علاوہ عربوں کی نظر میں کعبہ کی حیثیت خواہ ان دونوں جگہ "ہجہ" کو پڑھتے اور ان کا احراام کرتے تھے یا ان ایام میں جگہ ان کے پے حیثیت ہونے اور ان کی پوچھا کے مانعوں ہوتے پر آگاہ ہو گئے تھے۔

### تولیت کعبہ

تولیت کعبہ پہلے اولاد اسامیل کے پاس تھی پھر یہ جرہیں (۱) کے ہاتھ آگئی کہ جو رشے میں اولاد اسامیل کے ہاں لگتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد کعبہ کی تولیت "عمالین" کے ہاتھ آگئی، بعد میں پھر جرہیں کی طرف لوٹ گئی اور جب اولاد اسامیل زیادہ ہو گئی اور اس نے خاصی طاقت حاصل کر لی تو اپنے قبلے کے سردار "خزاں" کی قیادت میں اس نے قیام کیا اور جرہیں سے تولیت کعبہ والیں لے لی یہ تولیت اولاد خزادہ میں ہی روی یہاں تک کہ "قصَّہ بن کلاب" نے ان سے چھین لی۔ قصَّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد بُنُم تھے۔

یہ تولیت "حلیل خزانی" کے پاس تھی جو "قصَّہ" کے سُر تھے۔ اس نے اسے اپنی موت کے بعد اپنی بیٹی زوجہ "قصَّہ" کے ہام کر دیا تاہم خدا کی کھید "ابو غبان" کو سونپ دی۔ قصَّہ نے ایک ملک شراب کے بدلتے یہ کھید اس سے غریدی اس کا یہ کام

معروف ضرب الشیل بن کیا: "انحر من صفتہ ابی غبان" یعنی قلال کا خسارہ ابو غبان کے سوے سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اشعار بھی اسی واقعہ سے حملن ہیں:

ابو غبان اظلم من قصہ  
و اظلم من بن فهر خراعہ  
فلا تلحو قصہاً فی شرائے

ولوموا شیخکم اذ کان باعہ (۱)

ابو غبان قصیٰ سے زیادہ خالم تھا اور خرامہ، یعنی فرقے سے زیادہ خالم تھا پس اس خریداری میں قصیٰ کو دشام نہ دے بلکہ اپنے بزرگ کو ملامت کرو جس نے اسے بنتا۔

کہتے ہیں کہ اسی بنا پر خرامہ اور قریش کے میں جگ چڑھی قریش فتح یا ب ہو کے کہ جو فربن مالک کی اولاد میں سے تھے۔ (۲) البتہ اس بدلے میں اور نظریے بھی ہیں بعض کا کہا ہے کہ قصیٰ نے خرامہ کے ساتھ جگ کر کے کعبہ کو دیوارہ اپنے قبیٹے میں لے لیا۔ آفرکر فیصلہ "عمرو بن عوف" کے پرہد ہوا جس نے قصیٰ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ (۳) اس مسئلے میں ایک اور رائے بھی ہے اور یہ کہ "علیل" نے مرتبے وقت تویت کعبہ کی وصیت اپنے والاد قصیٰ کے حق میں کر دی اور خرامہ کا بھی ہی خیال تھا۔ (۴) جب خرامہ کا خود بھی یہ کہا تھا تو پھر ان کے درمیان جگلوں کی وجہ سوائے حسد اور سرکشی کے کیا ہو سکتی ہے؟

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۲۰ اور البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۰۷ از ابن اسحاق

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۲۹ اور البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۰۵ از ابن اسحاق

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۲۹

۴۔ اس قول کے بعض مدارک کا ذکر ہم بعد میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "حیل" نے قصیٰ کے حق میں توبیت کی وصیت کر دی لیکن جنی خزانوں نے ظلم اور حسد کی وجہ سے جگ بھڑکا دی۔ بعد ازاں وہ عمر بن عوف کو ہماں جانے پر رانی ہو گئے اس نے بھی قصیٰ کے حق میں فیصلہ دے دا اور شاید عمر بن عوف کا فیصلہ بھی قصیٰ کے حق میں وصیت حیل کی تائید کرتا ہے یا اس امر کی اطلاع تھی البتہ اگر حقیقت قصیٰ پر دیگر ولائل نہ ہوں۔

بہرحال قصیٰ نے قتل از هجرت دوسری صدی میں خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی۔ اس نے کعبہ کے ساتھ "دارالندوہ" بنا لیا ہے قریش کی حکومت، تفہاوت اور مشورت کی جگہ تھی اس کا شمار قصیٰ کے عظیم آئینہ میں سے ہوتا ہے اور یہ اس کی فہم و فراست اور حکمت و درد احمدیتی کی علامت ہے۔

### قریش کا مرتبہ

واضح ہے کہ "بیت عقیق" (خانہ کعبہ) کی رکھواں کا مرتبہ کہ جو ہر انسان کے لئے باعث عظمت ہے قریش کو حاصل تھا ۔ پھر وہ ابراہیم اور اسما علیہما السلام کی نسل سے بھی تھے لہذا ایسا احترام انہیں حاصل ہوا ایک طبقی ابر تھا جبکہ اس زمانے میں کسی کے شرف و مرتب کو ہاپنے کے لئے لب ایک احتیالی اہم ہیلان تھا۔ قریش کے احرازم کی ایک اور وجہ "حنیفیت" سے ان کی قربت تھی کہ جو عربوں میں ایک محروم و مقدس دین کھما جاتا تھا یہ اور دیگر امور قریش کی عزت و سُکریم، مقام و مرتبہ اور اثر و نفوذ کا باعث تھے اور ان کی وجہ سے لوگ انہیں احرازم اور تهدس کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس کے بہت سے شواپد موجود ہیں یہاں پر ہم "قصیٰ" کا قول فعل کرنے پر آٹھ کرتے ہیں انہوں نے قریش سے خطاب کرتے ہوئے کہ "جو کا موقع آپھا ہے جو کبھی تم نے انعام دیا ہے عربوں نے اس کے پارے میں سن لیا ہے جبکہ عرب تباری تھیم کرتے ہیں" (۱) اسی طرح حضرت ابو طالب کا یہ قول جو انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے کلخ کرتے ہوئے کہا "حد ہے اس گھر کے رب کی کہ جس نے ہمیں ابراہیم کے خالدان اور اسماعیل کی فتحت میں سے قرار دا اور ہمیں اپنے حرم امن کے پاس فخر رکا۔ ہمیں لوگوں پر حاکم قرار دا اور جس شر میں ہم رہ رہے ہیں اسے ہمارے لئے مبارک قرار دا۔" (۲)

چونکہ قریش کا تعلق اسماعیل کی نسل سے تھا اور وہ درین حضیثت کا احترام کرتے تھے نیز چونکہ کہ جنگ جو اور فارت گر عربوں کے لئے بھی ایسا حرم امن تھا کہ جو کوئی بھی پہاں پا جائے لیجا امان میں ہوتا اگر کسی محتول کا کوئی ملی اپنے بیٹے یا باپ کے قاتل کو بھی پہاں پا لیتا تو بھی اس سے القائم نہ لے سکتا تھا لیں کبھی کا احترام ان کے نزدیک اس حد تک تھا تو سرداران کہ بہت زیادہ محروم بھی جاتے تھے اور دوسروں سے محاذ تھے جبکہ خدا خدا کا احترام مستڑا تھا کہ جس کی طرف ہر سوت سے مرب آتے تھے۔

۱- ابن اسحاق اور سہیلی کی طرف رجوع کریں اور اسی ہر ابن سلام نے طبقات الشعراہ ص ۱۰۶ میں یقین کرتے ہوئے ان شخصیات سے نقل کیا ہے: عمر، عباس، ابن مسعود، مسروق، عکرمة، سعید بن جبیر، مجاذب، عطاء، شعبی، مقاتل عبداللہ بن عمر و ابومسیرة، زید بن مسلم، عبداللہ بن شفیق، زہری، القاسم، ابن ابی بردة، مکحول، عثمان، سلی، حسن، قتادة وغیرہ۔ البدایہ و النہایہ ج ۱ ص ۱۵۹ ہر ہیں اس کا ذکر ہے البتہ وہاں علی اور ابن عباس کے ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے تاہم ہماری نظر میں یہ دونوں قرآن کی مخالفت نہیں کر سکتے بلکہ خود صاحب البدایہ و النہایہ نے ان دونوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذیقع اسماعیل تھے۔

۲- کہا جاتا ہے کہ زوجہ اسماعیل جرمی تھیں یہ لوگ دراصل یعنی تحطیانی تھے عذرناکی نہیں تھے۔

قریش جب یہ دیکھتے تھے کہ ان کی بزرگی، مسلط اور سرودی بلکہ ان کی عجیبت بھی بھی کہبہ سے خوب والستہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ یہ پہنچتے تھے کہ خانہ خدا کی جگ حرمت ان کی مسلط میں نہیں ہے کیونکہ یہ امر خانہ خدا کے تھوس میں کمی کا باعث ہوتا اور اس کی رکھواں کی جیشیت میں کمی آتی اور یوں وہ اپنی عمر ز تن اور قسمی ترین چیز سے محروم ہو جاتے اسی وجہ سے انہوں نے "مطیعین" کا مقابلہ کیا اور اس کے بعد وہ مقابلہ ہوا کہ ہے "حلف الفضول" کہتے ہیں یہ وہ مقابلہ ہے کہ جس میں حقوق مظلومین کی ادائیگی کے بارے میں تصریح کی گئی ہے اگرچہ وہ قریش سے ہوں یا کسی اور قبیلے سے نیز اس میں مل مدد کا بھی ذمکر ہوا ہے اس بارے میں ہم اللہ تعالیٰ بعد میں سمجھو کریں گے۔

### میں دو ذیبحوں کا بیٹا ہوں

اس طبقے میں کہتے ہیں کہ جب عبدالمطلب کو چڑہ زرم کھو دتے وقت اپنے بارے میں قریش کی دشمنیوں اور سختیوں کا سامنا ہوا تو انہوں نے ہند کی کہ اگر ان کے دس پیٹھے ہوئے تو ایک کوراہ خدا میں قربان کر دیں گے۔ جب ان کی دعا قبول ہو گئی اور ان کے دس پیٹھے ہو گئے تو انہوں نے ان شیلوں کو بلا یا تاکہ اللہ کے حضور جو ہند انہوں نے کی تھی وہ پوری ہو گئے ان کے پیٹھوں نے بھی ان کی بات مان لی اس کے لئے قرعہ ڈالا اسکا انہیں بہام کے جقول قرعہ حضرت عبداللہ کے ہم کلا جوان کے سب سے چھوٹے ہیے تھے البتہ بھیج یہ ہے کہ وہ اپنی ماں کی اولاد کے لحاظ سے سب سے چھوٹے تھے کیونکہ حمزہ اور عباس ان سے بھی چھوٹے تھے اسی طرح ہمیں اس بارے میں بھی لفک ہے کہ یہ قرعہ "حل" کے نزدیک کالا میا اور اس پر حل درآمد "امان" اور "باءلہ" کے پاس ہوا کیونکہ عبدالمطلب دن حنف پر تھے وہ جوں کا احرام نہیں کرتے تھے اس پر ہم بعد ازاں بات کریں گے۔

عبدالطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا تھے نے بھی باپ کی احاطت کی تھیں لوگوں نے اپنی اس کام سے روک دیا آخونکار ان کے اور وہ اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا تھا (جو ایک انسان کا خون بھا جتا) ہم ہم عبداللہ کا تکلیف آیا پھر انہوں نے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کیا قرعہ پھر بھی عبداللہ کے ہاتھ لکھتا رہا یہاں تک کہ تعداد ۱۰۰ (سو) ہوئی تو قرعہ اونٹوں کے ہاتھ لکھا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم نے فرمایا: "انا ابن ذیحین" یعنی میں دو ذیحین کا بیٹا ہوں (اسا عمل اور عبد اللہ کا بیٹا ہوں)۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اکرم کی مراد ہائل اور عبداللہ ہیں کیونکہ بعض روایات کے وہ سے حضرت ابراہیم کی قبائل احراق تھے نہ کہ اساعمل (۱) لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ:

اولاً: سب ملتے ہیں کہ حضرت محمد ہائل کی اولاد میں سے نہیں ہیں مگر یہ کہ کما جائے کہ چچا باپ کی طرح ہوتا ہے اور یہ بات ناقابل قبول ہے کیونکہ ہائل بات یہ کہ پلا فتح ہائل دوسرے فتح باب عبداللہ کی طرح ہوتا چاہیے کیونکہ دونوں کا ایک ہی کلام میں ذکر ہوا ہے اور یہ محتوق بات نہیں کہ ایک سے مراد حقیقی ہائل ہو اور دوسرے سے مراد مجازی ہائل ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس چچا کو باپ جیسا کہا جا سکتا ہے اسے عرفان نزدیک کا چچا ہوتا چاہتے نہ کہ جو دوسریں پتوں میں ہو۔

ہمیاً: فتح سے مراد احراق نہیں ہیں اس کی دو دلیلیں ہیں:

الف: سورہ صافات میں پہلے واقعہ فتح کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت احراق کی بشارت کا تذکرہ ہے: "وَبَشَّرَنَاهُ بِالْاحْرَاقِ نَبِيًّاً مِّنَ الصَّالِحِينَ" (۲) یعنی اور ہم نے ابراہیم کو صالحین میں سے ایک نبی احراق کی بشارت دی ہے۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۹ اور ۲۴۰

۲۔ سورہ صافات، آیت ۱۱۲

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ احراق واقعہ قربانی کے بعد پیدا ہوتے اور آئیت میں بشارت سے بشارت ولادت ہی مراد ہے اس کے لئے یہ آئیت فرنہ ہے: ”وَبَشِّرْنَاهُمْ  
بِإِحْسَانٍ وَمِنْ وِرَاهِ إِسْحَاقٍ يَعْقُوبٌ“۔ یعنی اور ہم نے اسے احراق کی بشارت دی اور احراق  
کے بعد یعقوب کی۔

ہے استدلال حضرت صادقؑ اور محمد بن سحابہ قرقی سے محفوظ ہے (۱) اسی طرح  
حضرت ابراہیم کی زبانی بھی جس ترتیب کا ذکر ہے اس میں پہلے اسماعیل کا ہم کیا ہے اور  
بھر احراق کا، یہ بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكَبِيرِ  
إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ“۔ یعنی حد ہے اس اللہ کی کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور  
احراق عطا کئے۔ علاوه ازیں قرآن کریم نے ان دو کا چند مرتبہ باہم ذکر کیا ہے اور ہمیشہ  
اسماعیل کا ہم احراق سے پہلے یا ہے۔

ب: ان دلائل سے قطع نظر بھی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایک یہی  
کی بشارت دے کہ جو آئندہ خود بھی نبی ہوگا، شادی کرے گا اور صاحب فرزند ہوگا۔ بھر اس کی  
قربانی کا بھی حکم دے۔ یہ بات تو غیر محرول و کھلائی وقیع ہے۔ بلashہ اس صورت میں قربانی  
کا حکم حقیقی نہ ہوگا بلکہ صرف رسی اور ظاہری ہوگا۔ اس سے قربانی کی قدر و قیمت ختم  
ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات پر خود کریں: ”وَبَشِّرْنَاهُمْ بِإِحْسَانٍ  
وَمِنْ وِرَاهِ إِسْحَاقٍ يَعْقُوبٌ“۔ یعنی اور  
ہم نے اسے احراق نبی کی بشارت دی۔

نیز فرمایا: ”وَأَرَانَهُ قَائِمَةً فَضَحِّكَتْ“ فبشرناہا بِإِحْسَانٍ وَمِنْ وِرَاهِ إِسْحَاقٍ يَعْقُوبٌ“۔  
(۲) یعنی اور ان کی بھی بہاں کھلی تھی وہ ہنس پڑی، پس ہم نے اسے احراق اور احراق کے  
بعد یعقوب کی بشارت دی۔

۱۔ الحمزان ج ۱۶ ص ۱۵۵ نہر البدایہ و النہایہ ج ۱ ص ۱۶۱ و ۱۵۹

۲۔ سورہ هود، آیت ۶۱

اس کے بعد جس سوال کے جواب کی پھرگوکنی چاہئے ہے یہ ہے کہ یہ نبی بات کمال سے گئی کہ ذیع احراق ہیں؟ اس کا جواب جوبل انک کشیر ہے کہ انہوں نے اسے کعب بن احمد سے حاصل کیا یا اہل کتاب کے صحیفوں سے، واللہ اعلم۔ اس پارے میں کسی مخصوص سے کہنی سمجھی حدیث محل نہیں ہے کہ جسے قبول کرتے ہوئے ہم خالہ کتاب کو ترک کرنے پر مجبور ہوں۔ (۱) پس یہودیوں کی کوشش تھی کہ اس عقیدے کو مسلمانوں میں رائج کریں اور بزم خود اس فضیلت کو اپنے جد کی طرف لست دیں البتہ انہوں نے یہ بات فراموش کر دی کہ خود ”تورات“ میں اس پارے میں تھا موجود ہے مثلاً ایک جگہ ہے: ”اپنے انکو نتے احراق کرے جس سے محبت کرتے ہو کو ساخت لے لو اور ”مرا“ کی

(۲) سرزمین پر جلے جاؤ ہاں اسے پہاڑی پر چڑھاؤ... ” -

اس مضمون پر اکتوہا یا طا کے الفاظ آئے ہیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ احراق ابراہیم کے بڑے پیٹے تھے لیکن قدرات خود اپنی محدود کرنی ہے اور صراحت سے کہتی ہے کہ احراق اکتوہے پیٹے نہ تھے بلکہ جب وہ پیدا ہوئے تو اس اعمال چودہ ماں کے تھے۔ (۲) ان کثیر کہتے ہیں کہ قوموں کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ اس اعمال ابراہیم کے بڑے پیٹے تھے۔ (۳)

- البداية والنهاية ج ١ ص ١٥٩ اور ١٦١
  - سفر التكوير، الاصحاح ٢٢، الفقرة ٣٣-١
  - سفر تكوير اصحاب ١٦، قرة ١٥، بیان بر صراحت میں موجود ہے کہ اسماعیل کی ولادت کے وقت ابراہیم کی عمر چھی سال کی تھی جبکہ اصحاب ١٦ اور ١٨ میں تصریح کی گئی ہے کہ ولادت اسماعیل کے وقت ان کے باپ کی عمر تنانوے یا سو سال تھی۔ البداية والنهاية ج ١ ص ١٥٣ کی طرف رجوع کریں۔
  - البداية والنهاية ج ١ ص ١٥٦

## چند قابل غور نکات

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم کے ہاں بڑھاپے میں اسماعیل پیدا ہوئے قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے ظفری ہی بات ہے کہ انہیں اس پیٹ سے زیادہ محبت ہو گی نیز ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دا جب وہ تندگی کے نمایت خوبصورت ایام میں تھے۔ یہ وہ عمر تھی جس میں والدین کی ان سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ محبت، جذبات میں ڈھلی ہوتی ہے اور سروالی میں محبت کا انتزاع ہوتا ہے۔

یہاں بھی ایسا جو کمال السالن کے اعتبار سے بعد تین درجات پر حاصل و درایت اور کروار و استحامت اور دیگر السالن فضائل و کمالات میں سماز ہتا۔

اللہ نے باپ کو ایسے فرزند کی قربانی اور وہ بھی اپنے پاھوں پہنچ کرنے کا حکم دا۔ ان حالات میں تو ایسے پیٹ کی جدائی ہی انتہائی کشمکش ہوتی ہے جو چائیکہ یہ جدائی خود باپ کے پاھوں و قرع پرور ہو۔

ابراہیمؑ نے لہیک کا اور انہوں نے حکم الہی پر سبب پوچھے اور انہیں پاہنچیدیگی و تحریر کے بغیر عمل کیا کیونکہ انہیں اپنے پروردگار کے حسن انقلاب پر اطمینان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا حکم ان کی بھرتی کے لئے ہے۔

اپنے حکم الہی پر عمل کیا تھاں تیری کے ساتھ نہیں تاکہ اپنے اعصاب پر کثرون رکھیں اور اس افطراب سے بچیں کہ جو سقی و ضعف کا باہث بھا ہے۔ انہوں نے پیٹ کو حکم خدا سے آگاہ کیا اور ان سے پوچھا کہ اس بارے میں ان کی تھی رائے کیا ہے۔ یہ امر اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اپنے پیٹ کے حسن انقلاب پر اعتقاد تھا نیز ان کے رشد صحتی اور اصلاحت رائے کا احترام رکھتے تھے۔ اس سے غالباً ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ انہیں ایسا پچ نہیں سمجھتے کہ جو کوئی ذمہ داری نہ بھا سکے۔ حضرت اسماعیلؑ کی توجہ اس امر کی طرف تھی کہ ان کا بذات خود فیصلہ کرتے ہوئے یہ کہا: "یا اب افضل ما تو مر مستجدنی ان شاء اللہ"

من الصابرين". (ابا جان! کپ کو جو حکم دیکھا ہے اسے بجا لائیں، مجھے کپ الشاء اللہ صابرین میں سے پاکیں گے)۔ طبیعی طور پر ان کے والد کے رنگ و غم میں اخافے کا باعث ہوگا۔ (۱)

اس اعمال کے لئے ان کے والد نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی ابڑ طاعت پائیں اور حضور حق میں تسلیم ہونے کا لطف اٹھائیں۔ اس لئے پہلے بات پہلے ان سے ذکر کی۔ انہوں نے بھی امر الہی کے سامنے سر تسلیم ختم کر دا تاہم یہ تسلیم ان کے ہیئت نظر شپاعت و بسادری کی علامت نہ تھی بلکہ ارادہ الہی کے سامنے خشوع کی علامت تھی اور ان کا صبر استداد الہی تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی حالت کو ”فلماعسلما“ سے تغیر کیا ہے یعنی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور تسلیم ہو گئے اور انہوں نے شوافت و خواہشات کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ وہ ماری و دنیا وی قبود میں گرفتار ہو گئے (۲) لہذا ایراہم اور اس اعمال علیہما السلام ان افراد میں سے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے محجوب تر ہے کہ جس کا اس آیت قرآنی میں مراحت سے ذکر ہے:

”قل ان كان آباءكم و ابناءكم و اخوانكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال  
اقترنتموها“ و تجارة تخشون كсадها و مساكن ترضونها“ احب اليكم من الله و رسوله،  
و جهاد في سبيله فربصوا حتى ياتي الله بامرهم“ و الله لا يهدى القوم الفاسقين.

۱- اس کی وجہ واضح ہے کہ جب بابنے یہ دیکھا کہ اس کا بیٹا اس قدر عظیم ہے  
بھر اس کی قربانی کا فصلہ اور بھر سخت تر تھا جبھی تو اس کا اجر بھر  
بہت زیادہ تھا۔ (متترجم)

۲- فی ظلّال القرآن نامی کتاب میں بھی ہمارے معروضات میں سے کچھ کی طرف اشارہ پیدا ہے۔

یعنی کہ دیکھنے اگر تم سیل تمارے آباد، تماری اولاد، تمارے بھائی، تماری بیویاں، تمارے قبیلے والے اور وہ مال کہ جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ جگہت کہ جس میں گھاتا پڑ جانے سے ڈلتے رہتے ہو اور وہ گھر کر جنہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہو تمارے نزدیک اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جاد سے محبوب تر ہیں تو پھر مظہر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنے امر کو عالیہ کرے اور اللہ قاسن لوگوں کو پدایت نہیں کرتا۔

۲۔ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد یہ ہے تھا کہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کیا جائے اور ان کا خون پہلیا جائے اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے فرماتے ہیں ”قد صدقت الرؤیا“ (تو نے اپنے خواب کو جامِ عمل پہلیا) بلکہ حضرت ابراہیمؑ اور اُپ کے پیٹے کی آزمائش و امتحان مراد تھا۔ لہذا فرماتا ہے: ”ان هذَا لَهُوا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ“: حقیقت یہ کام صرف واضح امتحان ہے۔

اس امتحان کا راز یہ تھا کہ اسماعیلؑ کا تجزیہ نفس کیا جاتا اور انہیں فریضہ نبوت اور رہبری است کا بوجہ اٹھانے کے قابل بنا جاتا۔ ابراہیمؑ کے لئے بھی یہ بیشتر تجزیہ و تصفیہ کے لئے امتحان کا ذریعہ تھا۔ بعد نہیں کہ وہ امتحان ان چند ہاؤں سے مبارک ہو کہ جن کے انتہام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں السالوں کی امامت عطا فرمائی:

”وَإِذَا بَلَّى إِبْرَاهِيمَ رَبِّهِ بِكَلِمَاتٍ فَاتَّهُمْ“، قال انی جاعلک للناس اماماً، قال و من

ذریتی؟ قال لا یتال عهدی الظالمین“: (سورہ بقرہ / ۱۲۳)

یعنی جب ابراہیمؑ کا اس کے پروردگار نے چند ہاؤں کے ذریعے امتحان لیا اور انہوں نے اسے پورا کر دیا تو اللہ نے کما میں تجھے السالوں کے لئے امام قرار دیا ہوں وہ کہنے لگے اور سیری ذممت میں سے؟ اللہ نے کما میرا یہ عمد قائمین کو نہیں ملے گا۔ ذبح کا واقعہ ہی ”البلاء المبين“ ( واضح آزمائش) تھا جیسا کہ آیت نے وضاحت کی ہے۔

جب میں (صنف) یہ طالبِ علم چاک تو دیکھا کہ علامہ طباطبائی مرحوم نے بھی ایسے یہ بعض مطالب ذکر کئے ہیں۔ وہ ”... من ذریتی“ کے قابل میں استدلال کرتے ہیں کہ یہ

بات اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک اولاد ہو کیونکہ انہیں علم نہیں کہ آئندہ "ماہب اولاد ہوں گے یا نہیں۔ ملائکہ کی بشارت سے پڑے ابراہیم" ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتے جو وہ جانتے نہ ہوں اگر یہ بات ولادت اسلامیل سے قبل ہوتی تو ضروری تھا کہ یوں کہا جاتا: "وَمِنْ ذِيْتَى أَنْ رَذْقَتِى ذَرْبَةً" (۱) اور میری فہمت سے اگر تو مجھے فہمت عطا کرے۔

علاوه ازیں اس امتحان کا ایک فائدہ ہے بھی ہے کہ یہ امتحان راہ حق میں قربانی ہیش کرنے کے لئے ایک عظیم نہود ہو یہ قربانی فقط اعلان اور زبانی لحرے تک نہیں ہوئی چاہیے۔ ابراہیم اور اسلامیل ہر مومن اور مومنہ کے لئے اسواہ اور نہود میں سمجھے ہیں۔

ان دونوں شخصیوں کے فعالی کو عالم انسان سے کال کر وجود کے مرطے میں لے کا اور ظاہر کرنا دوسروں کے لئے بھی باعث ترغیب ہے کہ ان کے سمجھی اور سمعانی فعالی بھی ظاہر ہوں اور سیدان محل میں آئے کے لئے باعث تحریک ہو۔ دوسرے ملکوں میں یہ کام خود السافون کی لحدہ بینی خصوصیات و فعالی کے عبور میں آئے کے لئے ایک موثر جذباتی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ وہ ایک زندہ حقیقت کا روپ دھار لیں اور اسلامی زندگی میں محمد مکبر تغیر و تحول پیدا کرنے کے لئے راہنمائی کریں۔

ان باتوں کے علاوہ بعض برادران نے یہ اختال دیا ہے کہ بعد نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسلامیل جس معاشرے میں رہتے تھے وہ مادت میں غرق تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ انہیں فقط وحشت و نصیحت نہ کی جائے بلکہ عملی نہود ہیش کر کے راہ حیات کو جہل کرنے کی دعوت دی جائے۔

مکن ہے کہ کلیٰ شخص اس واقعہ پر خود کر کے بہت سے ایسے مطالب اخذ کرے جو ہم نے یہاں نہیں کئے یا جن کی طرف ہم نے انتہا نہیں کیا۔ توفیق و پدایت اللہ کی طرف سے ہے۔

۳۔ مناسب ہے کہ ہم یہاں پر اشارہ کرس کہ "أنا ابن النبیحین" کس کریمیار رسول اللہ اکابر افضل کرنے کا چاہتے تھے بلکہ ثابت ہے یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ لوگ ان دو عظیم واقعات سے فائدہ حاصل کرس اور یہ سمجھتا چاہتے تھے کہ آپ ان واقعات سے یہاں نہیں تھیں۔ جب ۷۰ نبیوں تقرب کے اس زینے تک اور حق و تسلیم کی راہ پر چلتے ہوئے فدا کی اس منزل تک آئئے ہیں تو آپ سے بھی اس کے علاوہ کسی اور طرز عمل کی قوچ نہیں کہنی چاہتے جو اس سے مختلف ہوتا یا اس سے کم تر۔ بعض لوگوں کا یہ خیال نام ہے کہ رسول اکرمؐ نے یہ بات اکابر افضل کے لئے کسی ہے جیسے کوئی مثالبد جیت کر سیدان میں کھرا ہو جائے اور غزر کرنے لگے کیونکہ بات اصول اور حادثہ سے مختلف ہے اور صلح و ذات کا یہاں پر کوئی دخل نہیں۔

۴۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی نذر چائز نہ تھی کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے کے وجود پر اس حد تک تصرف کرے نیز کیا ممکن ہے کہ الحسی نذر کو پورا کرنا واجب سمجھا جائے کہ جس میں عبد اللہ بن عبدالمطلب جیسے نفس مختصر کو ذرع کرنا پڑتا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالمطلب کا ایمان بدرجہ منزل کمال کی جانب برٹھا گیا۔ پہلے مرحلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ۷۰ دو جوں کے ہم پر اپنے بیٹوں کے ہم "عبد مطاف" اور "عبد العزیز" رکھتے ہیں لیکن بعد ازاں اللہ پر تسلیم و ایمان کے درج پر آئئے ہیں کہ موذخین کے ہقول ہاتھیوں کے لکھر والا "ابرحد" ان کے ایمان سے مرغوب ہو جاتا ہے ان کے بارے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "چور کا ہاتھ کاٹتے تھے، برہنہ ہو کر طواف کرنے سے روکتے تھے، ایسا ہو نذر کرتے تھے، محاد اور قیامت پر ایمان رکھتے تھے، زنا، شراب اور حرام سے کلاح کو حرام جانتے تھے۔ اپنی اولاد کو غلم و سرکشی سے معکرتے تھے اور اپنی برسے کام ترک کر کے پسندیدہ اخلاق اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جوں کی پوجا انہوں نے چھوڑ دی تھی اور مسحیب الدعوہ (الیسی) شخصیت جس کی دعا

قبول ہوتی ہو) ہو گئے تھے۔ (۱)

عبدالطلب کا ایمان اسکے پوتے حضرت محمدؐ کی ولادت کے بعد حد اعلیٰ کو پہنچ کرنا تھا کیونکہ انہوں نے بہت سی علامات نبوت اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آخرتؐ کی نبوت کی کرامات و دلائل کے آپ خود ثابت تھے لہذا کوئی مانع نہیں کہ پہلے اکا اعتقاد ہو کہ ایک شخص کو اس طرح کی تذكرة حق پہنچا ہے۔ (۲) عرف عام کے نزدیک بھی یہ کام بالہندیدہ نہ تھا۔ علاوه ازیں یہ بھی ثابت نہیں کہ گرینڈ شریحون میں ایسا کہا منوع تھا مثلاً زوج عمران نے تذكرة کی کہ اسکے چیزوں میں جو بچہ ہے وہ اسے خدا کے گھر کی خدمت کیلئے وقف کرگی نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیمؐ کو حکم دیا کہ «اپنے بیٹے اسماعیلؐ کو ذبح کریں۔

### بداء شیعہ نقطہ نظر سے

ذکورہ مسئلہ کے تینے میں ایک اور مسئلہ سامنے آتا ہے اور وہ ہے بداء کا مسئلہ جو شیعوں اور دوسروں کے درمیان باعث اختلاف ہا ہے۔ اس مسئلے میں چوکہ شیعوں پر بہت زیادہ تحسیں لگائی گئی ہیں اس لئے ہم اس کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

سیدنا مولانا آیت اللہ الجج سید عبد الحسین شرف الدین مرحوم کہتے ہیں:

”بداء کے مسئلے پر شیعوں کے نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات انسان کی روزی، عمر، بیماری، سخت و سلامتی، سعادت، شکاری، رنج و مصائب، ایمان و کفر میں کی بیشی کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے:

”یسحوا اللہ ما یشاء و یشت و عنده ام الکتاب۔“ (سورہ رعد / ۳۹) یعنی اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بلق رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

- 
- ۱۔ سیرت حلیۃ ج ۱ ص ۳۲ اور مسالک الحنفیۃ ص ۳۱ بحوالہ الملل و النحل شہرستانی
  - ۲۔ پہ جواب عظیم محقق صید مهدی روحانی (ایدھہ اللہ تعالیٰ) نے دیا ہے۔

یہ عمر ان خطاب، ابی واکل اور قاتوڑ کا عقیدہ ہے۔ جذب جلد نے بھی یہی عقیدہ رسول اللہ سے فل کیا ہے۔ بہت سے بزرگان اللہ کے حضور تصریح و زاری کیا کرتے اور دعا کرتے چھے کہ اللہ انہیں سعادت مددوں میں سے قرار دے نہ کہ اشقا میں سے۔ یہ مسئلہ ہمارے آئر سے متقول دعاویں میں حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے اور بہت یہ روایات میں آیا ہے کہ صحیح صدقہ اور والدین سے نیکی اور بحلالیٰ شکاخت کو سعادت میں بدل دیتے ہیں اور عمر میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

جی ہاں یہی وہ بداء ہے کہ شیعہ اپنے آئندہ گئی جیروی میں جس کے معتقد ہیں البتہ ایسی نبی رائے کا عالمبر ہوتا کہ جو پسلے مجبول ہو یا خلافِ سلطنت ہونے کے باعث گرشہ عمل ہے پیشان، اس معنی میں بداء اللہ تعالیٰ کے نئے حال ہے اور شیعہ اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ علیٰ امیر المؤمنین کے ہیروکاروں کے لئے ایسا عقیدہ کیوںکہ ممکن ہے جبکہ وہ فتح البلاغہ میں ایسے غریب اور باریک معانی بیان کرتے ہیں کہ جن کی گمراہی کے ادراک سے عقل انسان عاجز ہے۔ علیٰ وہی ہیں کہ جن سے اور جن کے مسحوم فرزندوں سے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہر قص سے منزہ ہونے کا درس حاصل کرتے ہیں اور اللہ اور اس کی صفات کے بدنے میں جن سے دو قین ترین معارف حاصل کرتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام سے فل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں اس شخص سے بیزار ہوں کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کو ایسے امر میں بداء حاصل ہوتی ہے کہ جسے وہ کوئی نہیں چاہتا تھا"۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: "جس شخص کا یہ خیال ہو کہ کسی شے میں بداء اللہ کی پیشان کے باعث ظہور پذیر ہوتی ہے وہ ہمارے نزدیک خدا نے عظیم کا مکر ہے"۔

۱۔ کتاب اجویہ موسیٰ جار اللہ ص ۸۶ اور ۸۷۔ اس نے وہاں بعض امور کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے مآخذ بھی ذکر کئے ہیں۔

## توضیح اور تمثیل

فرض کریں اللہ "زید" کی روزی یا عمر، اس کی طبیعت، عادت اور ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر مقدار فرماتا ہے لیکن وہ چالتا ہے کہ زید صدقہ دے گا کہ جس سے اس کے پلے سے مقرر شدہ رزق میں اضافہ ہو جائے گا یا چالتا ہے کہ وہ والدین سے حسن سلوک کرے گا اور اس کے سبب اس کی عمر بڑھ جائے گی اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو ابتداء ہی سے چالتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا قضاۓ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کو کسی چیز کے ہونے کی خبر دیئے بغیر اسے اس کے موافع سے آگاہ کرے یا یہ بتائے کہ آجھہ حالات بدلتا ہے۔

نبی بھی یہ بات دوسروں کو جانتا ہے لیکن بعد ازاں اس کے موافع سے آگاہ ہوتا ہے یا یہ کہ اس امر کے وجود میں آنے کے لئے الیسی شرائط کی ضرورت ہے کہ جواب موجود نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ابتداء تا اختتام تمام امور سے آگاہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا علم ذاتی ہے اور وہ اپنے علم سے اپنے رسول کو آگاہ کرتا ہے یا اسے لوح حکوم ایجاد میں ثبت کرتا ہے جیسا کہ ان دو علموں کے بارے میں اشارہ فرماتا ہے: "بِسْمِ اللَّهِ مَا يَشَاءُ وَيَبْتَلُ وَعِنْدَهُ أَمُّ الْكِتَابِ"۔ (سورہ رعد / ۲۹) یعنی اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الكتاب ہے۔

ایک اور مثال عرض کرتے ہیں اگر ہم کوئی ایسا کھرباگیں کہ عام حالات میں جس کی عمر سو سال ہوئی چاہے لیکن کوئی طوفان، زلزلہ، سیلاب یا کوئی دوسری آفات اس کے قائم رستے میں مانع ہو جائے اور وہ دس میں ہی جاہ ہو جائے۔

جبکہ ہم نے لوگوں سے کہا ہو کہ یہ کھر سو سال تک بقی رہے گا اگرچہ ہم جانتے ہوں کہ یہ کسی سیلاب کی وجہ سے جاہ ہو جائے گا۔ اگر دوسرے مرطے میں ہم کھر یہ کہیں کہ یہ کھر دس سال میں مندم ہو جائے گا تو یہ دونوں بائیں صحیح ہوں گی۔ بعض اوقات کسی ناگزیر اور اہم مصلحت کا قضاۓ ہوتا ہے کہ ہم پہلی خبر درس۔

امام زینؑ کے عصور کی بعض علمائیں بھی اسی طرح کی ہیں کہوںکہ ان میں سے بعض تھی علمائوں کی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں اور بعض کے ہدایے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے لہذا ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ظاہر ہو اور وجود میں آگئی اور بعض کچھ موافق ہدایا ہونے کی وجہ سے عصور میں نہ آگئی جن کی مخبر نے طبیعی حالات کی روشنی میں موافق و معارض سے قطعی نظر خبر دے دی ہو۔

لہذا ممکن ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ اسی قسم کا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی امتحان وغیرہ جیسی مصلحت کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ کو یہی کہ قربانی کا حکم دیا ہو۔ پھر اسے ایک ذرع عظیم کے بدالے پہاڑیا اور ابراہیمؑ کو خبر دی کہ انہوں نے یقیناً اپنے خواب کو حق کر دکھایا۔

امام حضرت صادقؑ کے یہی اسماعیل کا واقعہ بھی ثابت اسی نوعیت کا ہے وہ یوں کہ مصلحت کا تھا اسنا ہو کہ لوگوں کی توجہ اسماعیل کی طرف ہے اور امام حنفی خطرات سے محفوظ رہیں جب اسماعیل وفات پاگئے تو واضح ہو گیا کہ حقیقی امام ان کے بھائی موسیٰ کاظم علیہ السلام تھیں۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

بداء کا لفظی معنی ہے ”خالب ہوا“ نہ کہ ”اکابر کیا“ لہذا اللہ کے لئے بداء ہونے کا یہ معنی ہونا چاہیے کہ خدا عالم ہوا اور اس کے لئے وہ کچھ خالب ہوا جس سے وہ جاہل حال حال انکہ آپ کے قول کے مطابق یہ اللہ کے لئے محل ہے۔ لہذا امام علیہ السلام کے اس قول کی کیا توجیہ ہوگی: ”ما بدأه الله فی شيئاً كما بدأه له فی اسماعیل“۔ یعنی اسماعیل کے مسئلے میں جو بداء اللہ کو ہوئی کسی اور میں نہیں ہوا۔ اسی طرح سے یہ الفاظ بھی روایات میں ہیں ”بداء له“ یا ”بداء الله“۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وَنَادِنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ قَدْ صَدَقْتَ الرُّؤْيَا“۔ (سورہ صافات / ۱۰۳) یعنی ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم حقیق تونے اپنے خواب کوچ کر دھکایا۔ نیز یہ بھی فرمایا: ”وَبَدَأَنَّهُمْ سِيَّنَاتٍ مَا كَسِّبُوا“۔ (سورہ زمر / ۲۸) یعنی جو برائیں انہوں نے کمالی تھیں ان پر حقیق ہو گئیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط بداء اخبار یا خبروں کے معنی میں نہیں بلکہ عالم کون و وجود میں معلوم چیز کے حقیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ”علم“ کا فقط استعمال ہوا ہے: ”ثُمَّ بَعْثَاهُمْ لِتَعْلِمَ إِذَا الْحَرَبَينَ أَحْصَى لَهَا لِبَوَا امْدَا“۔ (سورہ کعبہ / ۱۲۱) یعنی ۷ صفر ہم نے اپنی الخطاہ تاکہ ہم جان لیں کہ ان میں کوساگروہ ان کی مدت قیام کا شمار کر سکتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: ”وَلَبِلُونَكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارِكُمْ“۔ (سورہ محمد / ۲۱) یعنی اور ہم تمیں ضرور آزادی کے تاکہ جان لیں کہ تم میں سے کون مجاہد ہے اور کون صابر ہے اور اس لئے کہ تمدی خبروں کی جانچ کر لیں۔

ایک اور مخاطم پر فرمایا: ”وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كَتَتْ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مِنْ بَيْنِ الرَّسُولِ مَنْ يَنْقُلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ“۔ (سورہ بقرہ / ۱۳۳) یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا صرف اس لئے قبلہ قرار دا تھا کہ ہم ان لوگوں کو جو رسول کی یادی کرتے ہیں اس لئے پاؤں پٹھ جانے والوں سے پر کہ لیں۔

مراوی ہے تاکہ ہمارا معلوم حقیق ہو جائے اور عالم وجود کا روپ وحدار لے۔ بداء بھی یعنی کچھ ہے لذا ”بداء ل“ کا معنی اس کے علم کا خارج میں وجود پڑی ہو جانا اور مفہوم اسی پر نمودار ہو جانا ہے۔ (۱)

۱۔ اس مطلب کے لئے ہم نے محقق گرامی سید مهدی روحانی سے استفادہ کیا ہے (الله تعالیٰ انہیں سلامت رکھو)۔

## یہود اور بدایع

اگر ہم بدایع کا یقین نہ رکھیں تو پھر یہودیوں کی طرح ہو جائیں گے جن کے نقطہ اعتقاد کی خود خدا تعالیٰ خبر دتا ہے۔ یہودیوں نے اللہ کا الکار کرتے ہوئے کہا: ”اللہ نے رزق اور اشیاء کو ازل ہی سے محسن کر دیا ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس نے ”جف احتم“ (۱) کر دیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کی یوں مذمت کی ہے: ”وَ قَالَتِ الْيَهُودُ: يَدِ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ، غُلْتِ أَيْدِيهِمْ، وَ لَعْنَا بِمَا قَاتَلُوا، بَلْ يَدِاهُ مَبْسُوطَتَانِ، يَنْفَقُ كَيْفَ يَشَاءُ“۔ (سورہ نامہ / ۲۳) یعنی یہودیوں نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کے بہب و لخت کیے گئے ہیں جبکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہا ہے انفاق کرتا ہے۔“

لہذا بدایع اسلامی عقائد کی ایک ضرورت ہے اور یہ اللہ کی عنیہ و توحید کے لوازم و مقتضیات میں سے ہے۔ بدایع کا یعنی مضمون آیات و احادیث کے ساتھ ہماہنگ ہے۔

---

۱۔ اس کا لفظی معنی ہے ”اس نے قلم کو خشک کر دیا ہے“ مراد یہ ہے کہ مخلوقات کے تمام امور کو وہ مقدار کر کے فارغ ہو چکا ہے۔ (مترجم)

## دوسری فصل

آنحضرتؐ کی ولادت سے بعثت تک

## رسول اکرمؐ کا نسب گرامی

آپؐ میں حضرت ابو احالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شيبة الحمد) بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مردہ بن کعب بن لوی بن غالب بن قمر بن مالک بن نصر بن کلۃ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن زیار بن معد بن عدنان ... -

کما جاتا ہے کہ آپؐ کا لب شریف جطاب عدنان تک متعلق علیہ ہے۔ اس کے بعد بہت اختلاف ہے تاہم اس امر میں کوئی تکمیل نہیں کہ عدنان کا لب حضرت اساعیل تک جا پہنچتا ہے۔

مقبول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اذا بلغ نسیم الى عدنان فامسکوا". (۱) یعنی جب میرا لب عدنان تک پہنچے تو لفڑ جاؤ، ہم نے بھی آپؐ کے امر کی اجرا میں توقف کیا ہے۔ آپؐ کی والدہ آمنہ قمیلہ بی بی زہرہ کے سردار و حب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی بیٹی تھیں۔

## نبی کریمؐ کی ولادت

قول مشہور (۱) کی بابر آنحضرتؐ کے میں اس سال دنیا میں تشریف لائے جائے ہے ”عام الفیل“ کہتے ہیں اور یہ بخت سے چالیس سال پلے کی بات ہے۔

”امامیہ“ اور بعض دوسروں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ آپؐ کا یوم ولادت سترہ ربیع الاول ہے لیکن امامیہ کے علاوہ دوسروں (کہنی نے بھی جن کی تائید کی ہے) کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے۔ (۲) ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں کہ جن کے ذکر کی سمجھائش نہیں۔

”طبری“ اور ”کہنی“ نے تصریح کی ہے کہ آنحضرتؐ روز جمعہ دنیا میں تشریف لائے جبکہ غیر امامیہ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ آپؐ بہر کے دن پیدا ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کی ماں درگاری ”ایام تشریق“ یعنی گلزار، بارہ اور تیرہ دنی الحجہ میں حاملہ ہوئیں۔ (۳)

لیکن اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ”طبری اکرم“ اسی سال دنیا میں تشریف لے آئے تھے تو آپؐ کے لئے مدت حل چار ماہ اور چند روز بنتی ہے اور اگر آپؐ کی پیدائش بعد کے سال میں ہو تو مدت حل سولہ ماہ ہوگی۔ جبکہ امامیہ کے نزدیک کم ترین مدت حل چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا کیا ہے کہ مذکورہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ عرب چان لوچہ کر ہر ایک میں کو بھلا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ مثلاً ہر ایک میں چار ماہ بعد شروع ہوں

۱۔ سیرۃ مغلطیاں ص ۷، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۱۹۵ وغیرہ، اس قول کو متفق علیہ بھی کہا گیا ہے۔

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶۳ (مطبوعہ ۱۳۸۸ مکتبۃ الاسلامیۃ طہران)

۳۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶۳ نیز دیکھئے تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۱۹۶

گے۔ جبکہ ان حرام مسیوں میں کہ جن کی حرمت کو انہوں نے اپنی طرف سے ختم کر دیا  
تھا جگ و خال کو جائز سمجھتے تھے۔

لیکن اگر روایت کی سعد صحیح ہو اور ہم اس چیز کے قال بھی نہ ہوں کہ چار ماہ کا  
تل پیامبر اکرمؐ کے لئے مخصوص ہے تو خود اس جواب پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ  
کہ روایت کو حرام مسیوں کے بخلاف پر مبنی قرار دینے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے  
کیونکہ آئندہ مخصوصینؐ کے کلام میں بھی ایسی کوئی تصریح موجود نہیں۔ اسی طرح محمد بن اور  
موذخینؐ کے کلام میں بھی ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔

### ایک اہم یاد دہانی

”ارٹی“ مرعوم پیغمبر اکرمؐ کی تاریخ ولادت میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے  
بعد لکھتے ہیں: ”آنحضرتؐ کے روز ولادت میں اختلاف ایک معمولی بات ہے کیونکہ اس  
زمانے کے عرب آنحضرتؐ اور آپؐ کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ  
لوگ ان پڑھتے تھے یہاں تک کہ اپنی اولاد کے روز ولادت کو بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ البتہ  
آپؐ کی وفات کے بارے میں ان کا اختلاف عجیب بات ہے اور اس سے بڑھ کر عجیب و  
غیریں ان کا اذان اور اقامت میں اختلاف ہے بلکہ آنحضرتؐ کی وفات کے بارے میں  
اختلاف عجیب ترین امر ہے کیونکہ اذان کے متعلق ممکن ہے ہرگز وہ اس میں روایت اور  
سد کا ادھا کرے جبکہ یوم وفات تو معلوم و ممکن ہونا چاہیے تھا۔ (۱)

ارٹی کی بات واضح ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے روز ولادت میں اختلاف کی  
توجیمات بیش کرنا ممکن ہے لیکن جو چیز واقعاً حیرت انگیز ہے وہ آنحضرتؐ کی تاریخ وفات  
میں اختلاف ہے۔ آپؐ ان کے لئے فرشتہ نجات تھے آپؐ اپنی خلقت کے اندھیروں سے

نکال کر نور کی طرف لائے، موت سے نکال کر زندہ رہنے کا سلیقہ سکھایا۔ ان تمام باتوں کو  
سمجھنے کے باوجود ایسا ہوا جبکہ کوئی اور سیاہی یا مدینی مقصد جو تاریخ میں ابہام، اجال یا اس  
میں خرابی پیدا کرنے کا موجب بنا، کاف فرمائیں تھا۔ سچی بات باعث قبض ہے۔

اس سے بڑھ کر حیران کن امر یہ ہے کہ انہوں نے ایسے بہت سے مسائل میں  
اختلاف کیا جن پر انہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ رہ کر کسی سال عمل کیا یہاں تک کہ آپ  
دیکھتے ہیں کہ نماز اور وضوہ کے بارے میں بھی آنحضرتؐ سے مخداد روایات فل کرتے ہیں  
جبکہ روزانہ پانچ مرتب آپؐ کے ساتھ رہ کر ان احوال کو انجام دیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ  
بعض کہتے ہیں کہ مسلمان آپؐ کی ریش مبارک کی حرکت سے سمجھتے تھے کہ آپؐ نماز خریا  
عصر کی قراءت میں مشغول ہیں۔ (۱)

ان کا اداan میں اختلاف بنتے وہ بچھن سے سنتے آئے تھے نیز روشن ہے جیسا کہ ارشی  
مرحوم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اب اس پس مظہر میں ان احکام اور امور میں جن سے انہیں کم واسطہ پڑتا تھا یا ان  
میں کم جلا ہوتے تھے، ان کی صرفت اور آگاہی کا سیا عالم ہوگا؟

ان حالات میں کیا اصحاب کا کروار اور مختار حقیقت اور قابل اطاعت شریعت کے  
طور پر معتبر ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ بعض اسلامی فرقے یہ لفڑی رکھتے ہیں بلکہ ہمارا مٹاپدہ ہے  
کہ بعض افراد ایک محلی یا قاضی کے قول کی وجہ سے صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں! اور یہ  
واقعاً بڑے قبض کی بات ہے!!

---

۱۔ صحیح بخاری چہاب ۱۲۰۹ بہجری ج ۱ ص ۹۰ اور ۹۳ مسند احمد بن  
حنبل ج ۵ ص ۱۰۹ اور ۱۱۲ اور سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۶ اور ۵۳  
صحیحین سے نقل کرتے ہوئے۔

جب وہ ان جیسے امور اور مسائل میں بھی اختلاف رکھتے ہیں تو کیا ان میں سے بھن کا یہ قول قابل قبول ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے امت کو فائدہ، رہبر، مسلم اور مرشد کے بغیر چھوڑ دیا اور امت کی مدار خود امت کی گردان پر ڈال دی، کیا اس لئے کہ امت پدایت اور رہبریت سے بے نیاز ہے؟ یہ مسئلہ بہت ہی اہم ہے اس پر مفصل بحث و تجھیں کی ضرورت ہے۔

### نبی اکرمؐ کی جائے ولادت کا حال

آنحضرتؐ کی ولادت با سعادت شب ابیطالب میں جس گھر میں ہوئی تھی اسے بعد میں حاج کے بھالی "محمد بن یوسف" نے حضرت ابو طالب سے خرید لیا ۔ مسٹر ہارون رشید کی میں "تیرزان" نے اسے مسجد میں بدل دیا لوگ پہاں آکر نماز پڑھتے تھے (۱) اور اس کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے اور اسے جبرک سمجھتے تھے یہ ہمارے زمانے تک اپنی اسی حالت پر باقی رہا یہاں تک کہ پہلوں نے جب کہ پر قبضہ کیا تو اسے دران کر دیا اور لوگوں کو زیارت کرنے سے منع کر دیا کیونکہ انجیاء اور صالحین کے آئندہ کی زیارت اور تنظیم سے روکنا ان کی عادت ہے اور اس گھر کو انہوں نے اصطبل بنا دیا۔ (۲)

### رسول اکرمؐ کی رضاخت

کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ نے دیا ہیں روز آپؐ کو دو دھن پلایا اس کے بعد کچھ دن الوب کی کنیز ثوبیہ نے دو دھن پلایا (۳) ۔ مسٹر جب طیبہ سعدیہ اپنے ساتھیوں کے

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶۳

۲۔ اعيان الشيعة ج ۲ ص ۷

۳۔ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۳۱۶ ترجمہ ثوبیہ البلاذری سے

ہمراہ کہ آئیں اور وہ کسی بچے کی ملاش میں تھیں تاکہ اسے دووڑھ پلا کر اپنی روزی کا بندوبست کریں، نبی اکرمؐ کو اس کے حوالے کرنے کی تجویز میں ہوتی اس نے پلے تو آپؐ کے بیتم ہونے کی وجہ سے انکار کیا تھا جب اسے کوئی اور بچہ نہ ملا تو وہ واپس کیا اور آپؐ کو دووڑھ پلانے کے لئے اختایا۔ اس نے زندگی میں آپؐ سے بہت خیر و برکت کا مشاہدہ کیا انہوں نے دو سال تک آپؐ کو دووڑھ پلایا جب آپؐ پانچ سال اور دو دن کے ہو گئے تو وہ آپؐ کو خلدان والوں کے پاس واپس لے آئیں (جیسا کہ فل کیا جاتا ہے) اس کے بعد آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کی زیر کنات پرورش پانے لگے اور ان کے بعد آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی آنکھیں میں پرداں چڑھنے لگے۔

علامہ محقق سید مددی روحلانی کہتے ہیں: ”یہ بات کہ پلے تو حلیہ سدیہ نے بیتم ہونے کی بنا پر آپؐ کو لینے سے انکار کر دیا اس بیتم کے بارے میں تو صحیح ہے جس کا کوئی ولی وارث نہ ہو اور اس کی کوئی اہمیت نہ ہو بلکہ حضرت محمدؐ کے بارے میں درست نہیں ہے جس کے کھلی وادی کد کے سروار عبدالمطلب ہوں، جس کی ماں آمنہ بنت وصب اشراف کد میں سے ہو۔ اس کے علاوہ بعض افراد یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ اس وقت بیتم نہیں تھے اور آپؐ کے والد گرامی ولادت کے چند ماہ بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں انٹائیں ملاں بعد اور بعض کے نزدیک سات ملاں بعد آپؐ کے والد نے دنیا کو الوداع کیا“ (۱)

بہرحال اشراف کد کی یہ عادت تھی کہ اپنے بچوں کو دووڑھ پلانے کے لئے سحرانی علاقوں میں بھیجتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح بچوں کی لشودہ نما کمی لحاظ سے اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ صفة الصفوة ج ۱ ص ۵۱ اور کشف الغمة ج ۱ ص ۱۶

۱۔ جسمانی طور پر سخت مدد اور توانا ہوتا، کیونکہ وہ کھلی اور صاف فضا میں سانس لیتے ہیں اُنہیں قدرتی مشکلات اور سمجھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے اگئے اندر مختلف حالات اور گوناگون واقعات کا مقابلہ کرنے اور سمجھوں کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ زبان کے لحاظ سے فضیح تر ہوتا، کیونکہ دوسرے علاقوں اور قوموں کے افراد سے ان کا میل جوں بہت کم ہوتا تھا خصوصاً مکہ کی نسبت جو ان دونوں ایک جملتی مرکز تھا اور اس کے دوسری قوموں اور علاقوں کے ساتھ جمالی تعلقات قائم تھے ان کے مکین سروپوں اور گرمیوں میں ہمارے مالک کے قریب کے شروں کا سفر کرتے تھے اس لئے ان کی زبان کا کم و بہت متاثر ہوتا بعید نہیں تھا۔

۳۔ جرات مدد ہوتا، اس دلیل کی بنا پر جس کی طرف پہلی فصل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۔ گھر اور ذوق کا غالباً ہوتا، کیونکہ وہ شری زندگی کی پریشانیوں، مشکلات اور چکر بازیوں سے دیر ربط ہے وہ سحر اور بیلان میں ان تجدیدگیوں سے ہٹ کر سادہ اور سما زندگی گوارتا ہے چنان پر زندگی قدرتی اصولوں کے مطابق چلتی ہے اور شر میں زندگی کی مشکلات کی وجہ سے انسانوں کے الکار مخفف ہو جاتے ہیں جبکہ اس قدرتی ماہول میں انسان کے الکار مخفف نہیں ہوتے اسے لکھر اور تمرد کرنے کا موقع ملتا ہے اسے اسرار طبیعت اور ہستی کی شاخت اور صرفت حاصل کرنے کی فرمت ملتی ہے اگرچہ یہ اس کے بچھن کا مختصر سادہ ہوتا ہے اور اس کی معلومات بھی کم ہوتی ہیں۔

اسی لئے وہ خلاق اور بہترن گھر کا حامل ہوتا ہے اور ایک صاف و شفاف اور غنی مزاج اور ذوق کا مالک ہوتا ہے۔

یعنی یہ سب کچھ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ تمام زندگی چنان شگردارے کیونکہ بیلان اور سحر میں زندگی جاری رکھتا انسان کو جمود اور سرو مری سے ووچار کر دیتا ہے اس دو دن اور اپنے لئے معافیم اور الکار باتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے خالق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ سحر وہ ان کے خلاف کوئی بات نہیں ملتا اور ان سے

ہٹ کر کسی دوسرے کی رائے کو قبول کرنا اس کے لئے انحصاری دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی رائے پر تھیڈ اور مخالف رائے کو برواشت کرنے کی عادت بنا لے تو وہ کفری احتجاد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اہل دلیل و بہان بن جاتا ہے اور پاکیزہ الفکار کا حامل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کے پاس اگر دلیل نہ ہو تو وہ اپنے غلط الفکار سے ان الفکار کو اپاکر جن پر وہ استدلال کر سکتا ہے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ ایک طبعی امر ہے جسے انسان مثلاً بہ کے ذریعے جان سکتا ہے اور تجربے کے ذریعے اس پر استدلال قائم کر سکتا ہے۔

### حدیث شق الصدر

اب جبکہ ہم طائفہ ہی سعدہ میں آنحضرت<sup>ؐ</sup> کے دو دھپالانے کے ہدایے میں محفوظ کر رہے ہیں اس مقام پر اسی مناسبت سے وارد ہونے والی ایک حدیث پر بحث کرنا اور اپنی رائے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ مسلم بن حجاج، انس بن مالک سے فل کرتا ہے: ”جب رسول اللہ نبیوں کے ساتھ کمیل کو دین میں مشغول تھے تو جبریلؐ آپؐ کے پاس آئے، آپؐ کو پکڑا اور زمین پر نالاوا پھر آپؐ کے سینے کو چاک کیا اس میں سے دل باہر کالا اور دل سے خون کا ایک لوٹخرا کالا اور کما کہ یہ تیرے اندر شیطانی حصہ ہے پھر اسے آپؐ کے دل کو سونے کے طشت میں آپؐ زرم سے دھویا پھر اسے دست کرنے کے بعد اپنی چمگہ پر رکھ دیا۔ پھر دوڑتے ہوئے آپنی میں (حوالہ حقیقت آپنی ولیٰ حی) کے پاس آئے اور کما کہ محمدؐ فل کر کے وہ آپنی طرف آئے اور آپؐ کا ریگ ازا ہوا پیا۔“ انس کہتا ہے کہ میں نے ان نیکوں کا لشان آپؐ کے سینہ سبارک پر دیکھا ہے۔“ (۱) اور سی بات آپؐ کی اپنی والدہ کے پاس والہی کا سبب ہی۔ (۲)

- ۱۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱ و ۱۰۲۔ آپکے سینہ ہمانے کے متعلق اور یہی روایات وہاں ذکر کی گئی ہیں، خواہشمند افراد وہاں رسجوع کر سکتے ہیں۔
- ۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۳ و ۱۶۵ اور تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰ وغیرہ۔

امیر کے علاوہ حدیث اور سیرت کی آثار کتب میں یہ روایت موجود ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ کے سینے کو پانچ مرتبہ چاک کیا گیا، جن میں چار دفعہ ثابت ہے جبکہ پانچوں مرتبہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہمیں مرتبہ تین سال کی عمر میں، «سری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسرا مرتبہ بحث کے وقت اور چوتھی مرتبہ مراجع کی رات چاک کیا گیا۔

### روایت کا جائزہ

کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے سینے کو بار بار چاک کرنا آپؐ کی عظمت اور مقام میں اضافے کا باعث ہے۔ بعض شرائے نے روایت کے مضمون کو نظر کی صورت میں بیان کیا ہے۔

ایا طالباً نظم الفرائد فی عقد

مواطن فیها شق صدر لذی رشد

لقد شق صدر للنبي محمد

مرا رأاً لتشريف و ذا غایة المجد

فأولى له التشريف فيها مؤثر

لتطهيره من مضمة في بنى سعد

و ثنائية كانت له و هو يافع

و ثلاثة للمبعث الطيب الند

و رابعة عند العروج لربه

و ذا باتفاق فاستمع يا اخا الرشد

و خامسة فيها خلاف تركها

لفقدان تصحيح لها عند ذي النقد (۱)

۱- رجوع کریں: اضواء على السنة المحمدية ص ۱۸۶

اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس روایت کو "ارحامات" (۱) نبوت میں شد کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے (۲) اور یہ بات خوگلوار حیرت کا موجب ہے۔ جبکہ دوسری طرف غیر مسلم یا تو اس کا تحریر اور مذاق اڑاتے ہیں یا "اپنے بعض باطل عقائد پر اسے ثبوت کے طور پر بیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بعض عقائد کو طعن و تشنیع کا لاثانہ باتاتے ہیں۔ جیسا کہ بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

ہم یحیرے فریق کو بھی ملاحظہ کرتے ہیں جو اس روایت کو ان افراد کے خواستے سے جعلی قرار دیتا چاہتے ہیں "الم نشرح لک صدرک" و "وضعننا عنک وزرک" کی لفظی قصیر قرار دیتا چاہتے ہیں۔ (۳)

جمع البیان کے مصنف نے بھی ظاہر روایت کو درست تسلیم نہیں کیا ہے اور اس کی تاریخ کو بھی بعید اور مشکل خیال کیا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آله و سلم ہر عیب اور برائی سے پاک اور مطرحتے نہداً آپؐ کے اندرونی تکریبات اور عقب مبارک کا پالن کے ذریعے پاک ہونا کیسے ممکن ہے؟ (۴)

- ۱۔ ان واقعات کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت (ص) کی ولادت کی ساتھ رونما ہوئے تھے مثلاً آیوان کسری کا ثبوت جانا وغیرہ
- ۲۔ فقد السیرة للبوطی ص ۵۲ اور رجوع کریں سیرۃ المصطفیٰ للحسنی ص ۳۶
- ۳۔ محمد حسین بیکل کی کتاب "حیات محمد" ص ۴۳ اور خطیب کی کتاب "النبی محمد" ص ۱۹۶ کی طرف رجوع کریں۔
- ۴۔ العیزان ج ۱۳ ص ۲۷۷، مجمع البیان سے نقل کرتے ہوئے۔

بعض علماء روایت کی سد پر اعتراض کرتے ہیں (۱) البتہ ان کا اعتراض صرف این ہشام کی روایت پر ہوتا ہے جو اس نے بعض اہل علم سے فل کی ہے۔ حالانکہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ یعنی روایت صحیح مسلم میں چار ذائقے سے فل ہوئی ہے اور اگر وہ اس سے آگاہ ہوتے تو روایت کے حق میں ان کا موقف اور زیادہ حدت ہوتا کیونکہ اس صورت میں روایت ان کے لئے وقیع متنی کا درج پا لیتی۔ شیخ محمد عبده نے بھی اس حدیث میں تبلک کا اکابر کیا ہے جیسا کہ ”الدورۃ“ نے ان سے فل کیا ہے۔ اور شاید اس حدیث پر سب سے عمدہ، مناسب اور بہترین اعتراض علامہ شیخ محمد الدورۃ کا ہے جو انہوں نے اپنی گزار بہا طلب ”اضواء على السنة المحمدية“ میں بیان کیا ہے۔

### اس روایت کے متعلق ہمارا نظریہ

اس کے متعلق چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ این ہشام اور دوسرے افراد بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کا اپنی والدہ کے پاس لوٹنے کا سبب یہ تھا کہ جب شہ کے چند عیاسیوں نے آپؐ کو اپنی ولیٰ کے ساتھ دیکھا اور آپؐ سے کچھ سوالات کئے اور آپؐ کا بغور جائزہ لینے کے بعد ان سے کہنے لگے کہ ”ہم اس پر کوپڑا میں کے اور اسے اپنی سرزین میں لے جائیں کے“۔ (۲)

اس بنا پر سابقہ روایت جو آنحضرتؐ کی ماں کے پاس والہی کا سبب آپؐ کا سیدہ چاک ہوتا بتاتی ہے مذکور ہو جاتی ہے۔

۱۔ عبدالکریم خطیب کی کتاب ”النبی محمد“ ص ۱۹۶

۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۶ اور تاریخ طبری ج ۱، ص ۵۴۵

۲۔ حضور اکرمؐ کا سینہ چاک ہوتا آنحضرتؐ کی والدہ کے پاس والجی کا سبب کیسے بن سکتا ہے جبکہ وہ خود یہ کہتے ہیں آپؐ کے ساتھ یہ واقعہ اس وقت ہیش آیا جب آپؐ کی عمر مبارک تین سال یا دو سال اور چند ماہ تھی حالانکہ آنحضرتؐ پانچ برس پورے کرنے کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے پاس والپس لوٹے تھے۔

۳۔ کیا یہ درست ہے کہ ایک خون کا لوثکرا یا غدد قلب کے اندر شرور کا طبع قرار پائے اور اس کی صفائی کے لئے آپریشن کی ضرورت پڑے؟  
کیا ان کی مراد یہ ہے کہ اس غدد کو کالانے کے لئے جس کا بھی آپریشن کیا جائے وہ پرہیرگا، متھی اور نیک انسان ہیں جائے؟

یا ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غدد یا خون کا لوثکرا ہی آدم میں سے صرف نبی اکرمؐ کے ساتھ مخصوص فربایا ہے اور انہیں ہی اس میں بدلائیا ہے؟ یہاں پر سوال ہیدا ہوتا ہے کہ دوسرے انسان اس میں بدلائیوں نہیں ہوئے؟

۴۔ اس محل کو مختلف وقتوں کے ساتھ چار یا پانچ مرتبہ کیوں دیرایا گیا؟ یہاں تک کہ بحث کے چند سال بعد اور معراج کے موقع پر ایسا کیوں کیا گیا؟  
کیا وہ خونی لوثکرا یا غدد یا شیطان کا حصہ ایک وغد جڑ سے اکھاڑنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے ہیدا ہو گیا تھا؟ کیا وہ کسی ایسے کینسر کی کوئی قسم تھی جو آپریشن سے بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ آپریشن کے بعد پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔  
وہ غدد چوتھے یا پانچوں آپریشن کے بعد دوبارہ کیوں ہیدا نہیں ہوئی اور اس کے بعد پھر آپریشن کی ضرورت نہ رہی؟

کس دلیل کی با پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس عذاب میں بدلائیا اور کیوں اسے اس مصیبت اور تھکیف سے دوچار کیا جکہ وہ کسی جرم کے مرعکب بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں اس کی سزا دی جاتی۔ کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ابتداء ہی سے الحی غدد کے بغیر حلن فرمائے؟

۵۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ اس کا جدہ برائے ہو تو کیا اس کے لئے اس لوگوں کے سامنے اس قسم کے آپریشن کی ضرورت ہے؟ اور جبریل اور دوسرا فرشتوں نے میڈیکل کا علم کمال سے سیکھا تھا کہ انہوں نے اس طرح کے ہادر آپریشن کرنے کا اعزاز حاصل کیا؟ کیا اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ حضور مسیح اعمال انجام دینے پر مجبور تھے اور اعمال خیر کی انجام دہی میں ان کے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا کیونکہ آپ جبری طور پر اور آپریشن (کہ جس کے مانکوں کے لشان اُسی بن مالک نے آپ کے سید مبارک پر رکھے تھے) کے دریے سے شیطان کی دسترس سے تقطعاً دور تھے۔

۶۔ آخر یہ عمل صرف ہمارے پیارے نبیؐ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے؟ جبکہ باقی انبیاء علیمِ السلام کے ساتھ یہ عمل انجام نہیں دیا کیا؟ کیا یہ بات محتقول ہے کیونکہ آپ تمام انبیاء سے افضل اور اکمل تھے لہذا آپریشن کرنے کی ضرورت تھی؟ اس صورت میں ‘حضرت’ باقی رسول سے کس طرح افضل اور اکمل قرار پائیں گے؟ یا یوں کہا جائے کہ شیطان کو ان انبیاء علیمِ السلام پر ایک قسم کی دسترس حاصل تھی جو آپریشن کے دریے سے زائل نہیں ہوئی تھی کیونکہ مالک نے اس وقت تک آپریشن کا طریقہ کار نہیں سیکھا تھا۔

۷۔ ان تمام باتوں کے علاوہ کیا یہ حدیث قرآن کی آیات سے متعلق نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرنی ہیں کہ خدا کے ٹکھی بندوں پر شیطان کو کسی قسم کا تسلط اور دسترس حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ”فَالْ رَبُّ بِمَا أَغْوَيْتَ لَا يَرْبِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ“ و لاغوونہم اجمعین۔ الا عبادک منهم المخلصین۔ (سورہ حجر ۳۹-۴۱) یعنی شیطان نے کماں سے میرے پروردگار چونکہ تو نے مجھے راست سے الگ کیا میں بھی ان کے لئے دیبا میں (ساز و سامان کو) عمدہ کر دکھائیں گا اور سب کو ضرور ہمکاں گا مگر ان میں سے تیرے خاص جدے کہ وہ میرے ہمکانے میں نہ آئیں گے۔

و نیز قرآن میں فرماتا ہے: ”لَنْ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ“۔ (سورہ اسراء ۱۵) یعنی میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہے۔

عصر ارشاد ہوتا ہے: "انہ لیس ل سلطان علی الذین آمنوا و علی رہم یتوکلون۔" (سورہ نحل ۹۹) یعنی اور شیطان کو مومنین اور اپنے پردوگار پر توکل کرنے والوں پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے خالص اور بہترین بudsے ہیں۔ اس امر کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ رسول اعظمؐ پر مراجع کی رات تک شیطان کو قدرت اور دسترس حاصل رہی ہو؟

یہ اس روایت کے بارے میں تمام طالب تھے البتہ یہ سب کچھ اس شدید تحداد کے علاوہ ہے جو ان روایات میں پڑا جاتا ہے جن کی طرف سیرت المصطفیٰ کے صفت حسی صاحب نے مختصر اشارہ کیا ہے۔ آپ خود رجوع کریں اور ان کا موازہ کریں۔ (۱)

### عیسائیؐ ... اور حدیث شق صدر

المورۃ کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ایک اور حدیث کی تائید کرنی ہے جو بخاری، مسلم، فتح البدری اور دوسری کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ بخاری میں صراحت کے ساتھ وہ حدیث یوں بیان ہوئی ہے۔ "کل بنی آدم يطعن الشیطان فی جنبه باصبعه حين یولد غیر عیسیٰ بن مریم، ذهب يطعن، فطعن فی الحجاب۔" (۲) یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کے علاوہ جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے شیطان اس کے پہلو میں انگلی چھوٹا ہے یعنی جب اس نے حضرت عیسیٰ کے پہلو میں انگلی چھوٹا چاہی تو ان پر پردہ کیا اور شیطان کی انگلی پر دے سے کھرا گئی۔

۱۔ سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۶

۲۔ البخاری ج ۲ ص ۱۳۳، طبع سال ۱۳۰۹ ہجری

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ: "ما من بنی آدم مولود الا یمس الشیطان حين بولد، فیستبل صارخاً من مس الشیطان غیر منیم و ابناها". یعنی آدم کی اولاد میں سے کوئی بچہ بھی پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے جس کی وجہ سے نومولود رونے لگتا ہے لیکن حضرت مریم<sup>ؑ</sup> اور ان کے بیٹے اس اصول سے منزہ ہیں۔ اسی حدیث کے مزید الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں جن کے بیان کرنے کی بیان کنجائیں نہیں ہے۔ عیسیٰ حضرات اس روایت سے استدلال پڑھ کرتے ہیں کہ کوئی بھی انسان یہاں تک کہ کوئی نبی بھی مسحوم نہیں بلکہ خطا اور لغوش اس سے سرزد ہو سکتی ہے لیکن صرف حضرت مسیح بن مریم کا ہا سے پاک تھے کیونکہ وہ شیطان کے مس کرنے سے محفوظ رہے تھے اور سبی امر حضرت مسیح کے مافق بشر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ان کے لامہوں وجود کو ثابت کرتا ہے۔ (۱)

الدوریہ مزید کہتے ہیں کہ: اگر مسلمان اپنے مسیحی بھائیوں سے یہ کہیں کہ، اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی عظیمین کو اس کھنڈن اور مغلک فریبے کے علاوہ کسی اور فریبے سے کیوں نہ بخدا جس کی وجہ سے اسے حضرت مسیح کی پاکیزہ اور سالم روح جو بے کاہ تھی، کو اپنی طرف اٹھالا پڑا۔

وہ جواب میں کہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول<sup>ﷺ</sup> کے قلب کو دوسرا نہیاء اور رسول کے قلوب کی طرح (البتہ خدا بہتر چاتا ہے کہ اپنی رسالت کو کمال قرار دے) اس سیاہ لوٹھرے اور شیطانی حصے کے بغیر کیوں خلق نہیں فرمایا تاکہ آپریشن کی ضرورت ہی بخیش نہ کئی جس کی وجہ سے کسی وفعہ ان کا سینہ چیرنا پکھاڑانا پڑا۔ (۲)

۱۔ اضواء على السنة المحمدية ص ۱۸۶ بحوالہ المسیحیۃ فی الاسلام چھاب سوم  
ص ۱۲۶ تالیف ابراہیم لوقا۔

۲۔ اضواء على السنة المحمدية ص ۱۸۶ بحوالہ المسیحیۃ فی الاسلام

## روایت کی بنیاد جاہلیت

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت اہل جاہلیت سے لی گئی ہے کتاب "اغانی" میں ایک انسانہ بیان ہوا ہے جس کا مضموم یہ ہے "اسیہ بن الی الحسلت سورہا تھا کہ دو پرندے آئے ایک گھر کے دروازے پر شٹھ کیا اور دوسرا اندر چلا گیا اس نے اسیہ کے دل کو پھاڑا اور ۲ گھر دوبارہ اسی جگہ پر رکھ دیا پہلے پرندے نے اس سے پوچھا: کیا اس نے پایا؟ دوسرے نے کہا: "پاں"۔ ۳ گھر پہلے نے پوچھا: کیا "ہ پاک ہو گیا" اس نے جواب دیا: "اس نے پاکیزگی کو قبول نہیں کیا"۔

ایک اور روایت کے مطابق "ابنیہ بن کے گھر گیا اور گھر میں کسی جگہ پر پڑے ہوئے تخت پر سو گیا اس کے بعد چھت، بھٹی اور دو پرندے اندر داخل ہوئے ایک اس کے سینے پر شٹھ کیا اور دوسرا ابنیہ جگہ پر کھرا بہا جو سینے پر شٹھا تھا اس نے اس کے سینے کو چیرا پھاڑا اور اس کے دل کو باہر کالا۔ کھلے ہوئے پرندے نے دوسرے سے پوچھا "کیا اس نے پایا؟" دوسرے نے جواب دیا: "پاں"۔ پھر سوال کیا: کیا اس نے قبول کر لیا؟ اس نے کہا: نہیں مسترد کر دیا ہے۔ ۴ گھر اس نے دل کو ابنیہ جگہ پر رکھ دیا۔ یہ روایت اسیہ کے بارے میں چار مرتبہ اسی سینہ پھاڑنے کے عمل کا تمثیر کرتی ہے۔ (۱) اس طرح واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت جعلی اور محوی ہے اور یہ بحوث کھلنے کا مقصد قائد عظام کی تقویت اور قرآن مجید کی صداقت اور ختنی المرتبت رسول اکرمؐ کی عصمت کو وارد کرنا ہے۔

اب ہم دوبارہ ابنیہ مُخْتَوی یعنی سیرہ پاک کے سلسلے کو آگے برداشتے ہیں۔

۱۔ الاغانی ج ۳ ص ۱۸۹، ۱۸۸ اور ۱۹۰ کی طرف رجوع کریں۔

## نبی اکرمؐ کی کفالت

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ نبی اکرمؐ اپنی ماں کے بیٹ میں یا اپنی چھوٹی عمر میں اپنے والد ماجد کے ساتے سے محروم ہو جائیں۔ بعض افراد کا ظریحہ یہ ہے کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے، کیونکہ آپؐ بتیم تھے اور اسی وجہ سے علیہ سعدیہ نے آنحضرتؐ کی ولایہ بننے سے اجھا بکار کیا تھا (۱) البتہ اس پر ہونے والے اعتراضات کا ذکر پلے گز چکا ہے۔

اس کے بعد جب آنحضرتؐ نبی سعید کے قبیلے سے واپس آگئے تو بعض روایات کے مطابق چار سال، بعض کے مطابق چھ سال اور بعض کے مطابق اس سے زیادہ عمر میں آپؐ کے سر سے والدہ کا سلیہ بھی اٹھ گیا۔

مسلم اپنی کتاب صحیح میں فلک کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "استاذت ریس فی زیارت امی، فاذن لی، فزو روا القبور تذکرہم الموت"۔ (۲) یعنی میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے اپنے پروردگر سے اجازت طلب کی اور اس نے اجازت مرمت فرمائی،

۱۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کشف الفتح ج ۱ ص ۱۶ میں ذکر ہوا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے اس میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اپنے والد گرامی کے ساتھ دو سال اور چار ماہ کا عرصہ گزارا۔ جبکہ اربیل نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر صراحةً کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت (ص) ایہی ماں کے شکم مبارک میں تھے کہ آپ (ص) کے والد ماجد انقال فرمائے گئے اس کے علاوہ تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۵۸، تاریخ الطبری ج ۲ ص ۳۳ اوز سیرہ ابن هشام ج ۱ ص ۱۹۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ کشف الفتح ج ۱ ص ۱۶ مسلم سے منقول، صحیح مسلم ج ۳ ص ۶۵، ۱۳۳۳ بھری میں چھاپ ہوئی اور یہ حدیث مختلف منابع میں موجود ہے جیسا کہ کتاب الجنائز فی کتب الحدیث کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

تم بھی قبور کی زیارت کے لئے جایا کرو کہونکہ یہ تمیں موت کی یاد دلاتی ہیں۔

یہ حدیث قبور کی زیارت سے منع کرنے والوں کے خلاف حکم دلیل ہے اس بات پر اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں مثلاً حضرت فاطمۃ الزینہ رضی اللہ علیہا کا حضرت حمزہؑ کی قبر کی زیارت کرنا۔ علام محقق شیخ علی احمدی نے اتیاء اور صاحبین کے آثار سے حصول برکت پر ایک کتاب تحریر کی ہے اس میں انہوں نے اس موضوع پر بحث کی ہے اسی طرح علامہ امینی نے "الغدیر" میں، سبکی نے اپنی کتاب "شفاء السقام فی زیارة خیر الانام" اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے اس موضوع پر مختلقوں کی ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرہستی میں رستے گئے وہ آپؐ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اس حد تک کہ جب تک آنحضرتؐ موجود نہ ہوتے وہ کھلاٹ تاول نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب آپؐ کی نبوت سے کہا تھے اس سلسلے میں ایک روایت بھی نہیں ہوئی ہے کہ جب آپؐ پچھے تھے اور ابھی آپؐ نے یا نیا چلنا سیکھا تھا اور ایک شخص آپؐ کو ان سے دور کرنا چاہتا تھا تو انہوں نے فرمایا میرے میٹے کو پھوڑ دو، ملک اس کے پاس آیا (۱) اور ظاہراً یہ روایت صحیح ہے۔

ایسی بات کی مزید تائید اور تائید کے لئے سیف بن ذی یمن سے "بیہقی اکرمؓ" کے بارے میں فصل ہونے والی وہ روایات جو یمن میں حضرت عبدالمطلب سے اس کی ملاقات کے موقع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور دلائل ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا ایمان بعض امور کی وجہ سے اور بھی راحت ہو گیا تھا اور ان کے نزدیک آنحضرتؐ کو خاص مقام اور مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔

"آنحضرتؐ جب آٹھ سال کے ہوئے تو آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب" دار قانی کو الوداع کر گئے تھیں اپنی وقت سے پہلے انہوں نے آپؐ کی کمات کی وصہ داری حضرت

---

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶۲ طبع سال ۱۲۸۸ ہجری۔

ابوطالب کے پروردگری تھی اگرچہ حضرت ابوطالب "اپنے بھائیوں میں عمر میں چھوٹے تھے اور مادر بھی نہیں تھے جبکہ بھائیوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے حد تھے اور سب سے زیادہ مادر عباس تھے۔ لیکن اس وقت عباس کم سن تھے کیونکہ جیسا کہ کما جاتا ہے کہ "آنحضرت" سے صرف دو سال بڑے تھے۔ (۱) اس کے علاوہ حضرت ابوطالب اور آپ کے والد گرامی دونوں ایک ہی ماں سے تھے ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنتویہ تھیں لہذا قدیمی طور پر حضرت ابوطالب "آپ" پر زیادہ مریان، شفیق اور محبت کرنے والے تھے۔

برحال حضرت عبدالطلب نے آنحضرت کی سرستی کی ذمہ داری حضرت ابوطالب کے پروردگری کیونکہ وہ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ شرافت مدد اور معزز تھے اسی طرح قریش میں بھی وہ بلند مقام اور مرتبہ پر فائز تھے۔ حضرت ابوطالب نے رسانی متاب کا نایاب اچھے طریقے سے خیال رکھا۔ ہمیشہ آپ کی حضرت و سکریم کی اور آپ سے انجامی محبت سے برتوڑ کیا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنی زبان اور طاقت کے ذریعے سے آپ کی نصرت کی۔ (جیسا کہ ہم بعد میں اس کی طرف اشارہ کریں گے)۔

۱۔ اگرچہ ہمارا نظر یہ ہے کہ اگر عباس عمر کے لحاظ سے بڑے بھی ہوتے اور آپ (ص) کی کمالت کرنے کے قابل بھی ہوتے تب بھی حضرت عبد المطلب یہ ذمہ داری ان کو نہ سونتے کیونکہ دولت کے حرص میں اس نے صرف حاجیوں کو ہانی ہلانے کی ذمہ داری قبول کر رکھی تھی جبکہ ان کے کھانے اور خاطر تواضع کرنے سے انکار کیا۔ وہ ایسا شخص تھا جو مال و دولت کے حصول اور جمع کرنے میں جذبات سے کھیلتا تھا اور یو شہ ور مالداروں کا رویہ اپناتا تھا۔

## بھیرا... اور شام کا پہلا سفر

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر اختیار کیا  
دوران سفر بھری کے راہب بھیرا نے آپ کو دیکھا اور آپ کے چچا کو خبر دی کہ آپ اس  
امت کے نبی ہیں۔ بھیرا کا اصرار تھا کہ حضرت ابوطالب آپ کو واپس کر لے جائیں تاکہ آپ  
یہودیوں کے شر سے محفوظ رہیں کیونکہ یہودی آنے والے ہدیثبر کی اپنی کتب میں ثابت شدہ  
لشائیوں اور علامتوں کو آپ میں دیکھ کر کہیں آنحضرت کو حکیف نہ پہنچائیں پس حضرت  
ابوالطالب نے وہیں قافلے کو چھوڑا اور واپس کر کے آگئے۔

## بھولی روایت

ابو موی اشری سے م Howell ایک حدیث میں آیا ہے کہ بھیرا اُسی مسلم قسم  
روتا رہا۔ آخر کار انہوں نے ہدیث بر اکرم کو واپس بھیج دا اور ابویکر اور بلاں کو آپ کے ہمراہ  
کیا۔ نیز راہب نے کچھ روٹیاں اور زینون کا تیل اُسیں دیا۔ (۱)  
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سات افراد رسول اکرم کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے  
انہیں بھیرا نے مسح کیا۔ سمران سب نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے ہمراہ ہو گئے۔  
یعنی یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ:

---

۱۔ الفتاویٰ ابن حبان ج ۱ ص ۳۲۲، البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۸۵، تاريخ طبری ج ۲  
ص ۳۳ الاستقامة، تاريخ الخمیس ج ۲ ص ۲۵۸، السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۲۰،  
مستدرک الحاکم، البیهقی، ابن عساکر اور ترمذی نے کہا حسن غریب اُسی  
طرح سیرۃ دحلان ج ۱ ص ۳۹ کہ آپ (ص) مکہ واپس آکتے اور ان کے ہمراہ  
بلاں اور ابویکر تھے۔

۱۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی بلکہ ایک قول کے مطابق نو سال تھی۔ (۱) اور ابویکر پیارے نبیؐ سے مختلف اقوال کے لحاظ سے دو سال سے زیادہ چھوٹے تھے اور بلال ابویکر سے بھی چد سال چھوٹے تھے۔ مختلف اقوال کی بارہ پر یہ مدت پانچ سال سے لے کر دس سال تک ہے۔ (۲)

اس بارہ کیا ابویکر کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس کم سن میں شام کا سفر کرے اور پھر اس قسم کے اہم ترین مسائل ان کے پروردے کیے جاسکیں۔

اور کیا یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے کہ بلال ایک شیرخوار جس نے ابھی چلنا بھی نہ سیکھا ہوا یا پیدا ہی نہ ہوا ہو وہ ابویکر کے ساتھ شام کا طولانی سفر کرے اور پھر حضور اکرمؐ کو بھری سے والہیں کہ لانے کی دس داری بھی قبول کرے جبکہ رسول اکرمؐ اس سے چد سال بڑے بھی تھے؟

۲۔ ابویکر اور بلال کا آپس میں کیا تعلق بنتا ہے کہ ابویکر اسے یہ حکم دیں؟ جبکہ بلال ابویکر کے غلام نہیں تھے بلکہ وہ تو امیر بن خلف کے غلام تھے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے ابویکر نے اس واقعے کے تین سال بعد بلال کو اس سے فریدا۔ (۳)

۱۔ طبری ج ۲ ص ۳۳، البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۸۶، سیرۃ الحلبیة ج ۱ ص ۱۲۰

اور کہا گیا ہے کہ صاحب کتاب الہدی کے مصنف نے اس قول کو ترجیح دی۔

۲۔ ابن حبان اور الاصابة ج ۱ ص ۱۶۵ میں اہن نعمہ سے ذکر کرتا ہے کہ بلال، ابویکر کے ہم عمر تھے اور مشہور یہ ہے کہ وہ خود بلال سے چند سال ہرے تھے۔

اسی طرح سیرۃ الحلبیة ج ۱ ص ۱۲۰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ اس کی طرف حافظ دیبااطلی نے تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ میں بحوالہ حیاة الحیوان اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح سیرۃ مغلطای ص ۱۱ ہر بھی اس جملے کے اضافہ کی ساتھ ”ہایمودہ علی ای شیفتی“۔

البتہ یہ بات اس وقت درست ہے جب ہم یہ نہ کہیں کہ نبی اکرمؐ نے بلال کو خریدا اور پھر آزاد کیا تھا اور وہ کبھی بھی الوبک کی غلائی میں نہیں رہے تھے۔ اس کا ذکر آنده صفحات میں کیا جائے گا الشاء اللہ سخنانہ و تعالیٰ۔

۲۔ اس حدیث کی نادرستی کی عصیری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے روایتی ابو موسیٰ ہیں وہ اس وقت تجھ دیبا میں ہی نہ کئے تھے کیونکہ موڑھن کئے ہیں کہ ابو موسیٰ آنحضرت یا دس سال قتل از بیت پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے سات بھری میں جنگ خیر کے سال میں مدینے کی طرف ہجرت کی۔ جبکہ یہ واقعہ تقریباً بیت سے ہیں سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ ان سب باتوں کے علاوہ وہی اس حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ میرا سکان ہے کہ یہ حدیث جعلی اور اپنے مدلول کے کچھ ہے کی وجہ سے باطل ہے۔ (۱)

شاید مندرجہ بالا تمام باتوں یا ان میں سے بعض باتوں کے پیش نظر ترمذی نے اس حدیث کو غریب (ناماؤں) شمار کیا ہے اور این کثیر، وسیطی اور مخالفاتی نے اس میں تجھ و تردید کا اکھار کیا ہے۔

## حدیث گھلنے کی وجہ

اس حدیث کو جعل کرنے کی وجہ الوبک کا نبی اکرمؐ کی نبوت پر ایمان کو بحث سے پہلے ثابت کرنا ہے تاکہ ایمان لانے میں سب لوگوں پر ان کی سمجھت ثابت کی جائے۔ یہاں تجھ کہ حضرت علیؓ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہما پر ان کی فضیلت ثابت کی جائے بلکہ ان مرحوموں میں تو خود رسول اکرمؐ پر بھی ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

نوی کہتا ہے کہ ”الوبک نے بہت سال کی عمر میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور

۱۔ تاريخ الخميس ج ۱ ص ۲۵۹ اور سیرۃ الحلیۃ ج ۱ ص ۱۲۰۔

بعض کے بقول پعدہ سال کی عمر میں۔” - (۱)

منوری شافعی کہتا ہے کہ ”ابویکر حضرت علیؓ کی ولادت سے پہلے اسلام لائے۔“ - (۲)  
وید بکری بھیرا کے واقعہ کے بارے میں انہیں عیاس سے ایک روایت فل کرتے  
ہوئے اس کے آخر میں یوں ذکر کرتا ہے کہ ”محمدؐ کے رسالت پر مبجوث ہونے سے پہلے  
ابویکر کے دل میں آپؐ کی نبوت پر یقین اور ایمان پیدا ہو گیا تھا۔“ - (۳)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ میں شریک بھیرا، بالا، حارث  
اور دوسراے افراد کو اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں کیوں شاد نہیں کیا  
اور یہ کہ ان سے پہلے کس نے ابویکر کے دل میں اسلام کی خبر دی ہے؟

### بھیرا کے واقعہ میں چند اشارے

واقعہ بھیرا میں قابل ذکر اور بہت طلب نکات بہت زیادہ ہیں لیکن ان سب کو یہاں  
بیان کرنے کی کمیابی نہیں ہے اور ان کے ذکر کرنے میں ہمیں کوئی زیادہ فائدہ بھی نظر  
نہیں آتا۔

گذشتہ مکھتو سے بعض روایات کی صحت اور درستی کا اندازہ ہو جاتا ہے جو یہ کہتی ہیں  
کہ ابویکر یا آپؐ کے چچا حارث رسول اللہ کے پاس گئے، آپؐ کو گوئیں اخليا اور دوسروں  
کے ساتھ بھیرا کے دستِ خوان پر آپؐ کو بٹھا دیا اور انہیں حدیث اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ  
رسول آکرمؐ کو لانے والا ابویکر حاشد کہ آپؐ کے چچا۔ (۴)

۱۔ الغدیر ج ۷ ص ۲۶۲

۲۔ نزعة المجالس ج ۲ ص ۱۳۷

۳۔ تاريخ الخميس ج ۱ ص ۲۶۱

۴۔ السیرة الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۱۹ اور السیرۃ النبویۃ لدحلان ج ۱ ص ۳۸

گویا ابن محدث اس بات کو نہیں جانتا کہ ابویکر سرے سے اس سفر میں تھے ہی نہیں۔ جیسا کہ دمیاطی اور مغلطائی نے یہی بات صراحت سے ذکر کی ہے۔ (۱) اور اگر بالفرض وہ سفر میں موجود بھی تھے تو بھی عمر کے حوالہ سے آنحضرتؐ سے چھوٹے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعے سے مریط بعض روایات کے راوی اس میں متعدد ہیں کہ آنحضرتؐ کا شام کی طرف یہ سفر حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ تھا یا آپؓ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ کے ہمراہ۔ (۲)

اس صورت میں مذکورہ روایت جو یہ کہتی ہے کہ یہ سفر ابویکر اور بلالؓ کے ساتھ تھا مزید مورد اعتراض واقع ہوتی ہے اور اس کی عارضی مزید واضح ہو جاتی ہے کیونکہ جب حضرت عبدالمطلبؓ کی وفات ہوئی تو اس وقت نبی اکرمؐ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی جیسا کہ گزر پکا ہے۔

برحال حقیقت یہ ہے کہ کسکے کی طرف والپی کے سفر میں آنحضرتؐ کے ساتھ صرف آپؓ کے پچھا حضرت ابوطالبؓ تھے۔ (۳) (جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے) آپؓ کے ہمراہ ابویکر تھے نہ کوئی اور۔

رسول اکرمؐ نے تجارت کی غرض سے خام کا ایک اور سفر بھی اختیار کیا جس کا ذکر ہم بہت جلد کریں گے الشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ سیرۃ مغلطائی ص ۱۱، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ حافظ دمیاطی

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۰ طبع صادر اور ج ۱ قسم ۱ ص ۶۶ طبع لینڈ  
اور البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۸۶

۳۔ الحافظ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج ۵ ص ۳۱۸ اور سیرۃ ابن هشام ج ۱

## حضور اکرمؐ کی جنگ فجار میں شرکت

مودعین لکھتے ہیں کہ حرام میتوں (یعنی قیود، ذی الحجہ، حرم الحرام اور رجب المرجب) میں قبیلہ قبیل اور قریش و کنان کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ اسی وجہ سے اس کا نام جنگ فجار (یعنی بہت بڑا کارہ) رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی کچھ دن عملی طور پر اس جنگ میں شرکت کی۔

ہمارے نزدیک یہ ہات صحیح نہیں ہے بلکہ مدرجہ ذیل دلائل کی بنا پر اس میں بہت زیادہ ممکن و شبہات پائے جاتے ہیں:

۱۔ جنگ فجار حرام میتوں میں سے ماہ رجب میں لہیٰ گئی اور ہم کسی بھی نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوطالب اور رسول خدا ﷺ نے ان میتوں کی حرمت کو پامال کیا ہو۔ جیسا کہ ان دو حضرات کی سیرت اور زندگی کا مطالعہ کرنے والے شخص پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں ہستیاں ایسے کاموں میں ملوث نہیں تھیں بلکہ ان سے حتیٰ سے اچھاب کرتی تھیں۔ اپنے دونوں دین حنف پر قائم تھے بلکہ کافی کی بعض روایات یہ بتاتی ہیں کہ انبیاء کی وصیتیں امانت کی شکل میں حضرت ابوطالبؓ کے پاس تھیں۔ الفیر اور اس طرح کی دوسری کتب جن میں حضرت ابوطالبؓ کا ذکر کیا گیا ہے، میں ان کی عظمت اور دین میں ثابت قدمی پر اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔

ہاں اسکی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جنگ فجار غیر حرام میتوں میں لہیٰ گئی یا یہ کہ اس کے اسباب حرام میتوں میں وجود میں ہیش کئے جکہ یہ خود شعبان یا شوال میں لہی گئی۔ (۱) لیکن یہ تاریخی ناقابل اعتقاد ہے اور تاریخی لحاظ سے اسکی کوئی سند بھی نہیں ہے۔

۲۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ کی طرف رجوع کریں۔ اس میں یہ کہ جنگ فجار کے اسباب حرام میتوں میں فراہم ہو گئے تھے لیکن خود جنگ شعبان میں لڑی

۲۔ ابن داون العروف یقہلی کتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؓ نے سب میں  
ہاشم کو اس (یعنی جنگ فجر) میں شرکت کرنے سے منع کیا اور کا کہ یہ ظلم و تعدی، قطع  
رمم اور حرام مہینوں کو حلال قرار دیتا ہے۔ میں اور میرے خلدان میں سے کوئی اس میں  
شرکت نہ ہوگا۔ لیکن نبیر بن عبدالمطلب مجہود ہو کر اس میں شرک ہوا نیز عبد اللہ بن  
جدعان تھی اور حرب بن امیر نے کا کہ جس کام میں میں ہاشم شرک نہیں ہوں گے ہم بھی  
اس میں شرکت نہیں کریں گے۔ (۱)

۳۔ اس جنگ میں آنحضرتؐ کی شرکت سے مردود روایات میں آپؐ کے جنگ میں  
کردار کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرمؐ کا کام  
ہند اپنے پچھوں کو تیر درجا تھا۔ آپؐ دشمن کے تیر جمع کر کے انہیں دیتے اور ان کے سامان  
کی حاصلت کرتے تھے۔ (۲)

کچھ اور روایات باتیں ہیں کہ آپؐ نے چند تیر چلائے اور آپؐ کو یہ بات پسند نہ تھی  
کہ آپؐ ایک تیر بھی نہ چلاں گے۔ (۳)

روایات کی جھمری قسم یہ کہتی ہے کہ آپؐ نے نیزے کے ساتھ الوراء کو محوزے سے  
گرا یا۔ یہ شخص مسخرہ تھا۔ آنحضرتؐ کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی (۴) یا آپؐ بالکل

گئی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے یہر جنگ فجار کا نام کیوں دیا گیا؟ اس  
اضافی کے ساتھ کہ جنگ کی تاریخ کے حوالے سے یعقوبی صراحةً کہ ساتھ ماء  
رجب میں جنگ کے وقوع پذیر ہونے ہر زور دیتا ہے۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵ طبع صادر

۲۔ سیرۃ ابن حشام ج ۱ ص ۱۹۸ اور تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹

۳۔ السیرۃ النبویة لدحلان ج ۱ ص ۵۱ اور السیرۃ الحلبیة ج ۱ ص ۱۲۶

۴۔ مندرجہ بالا حوالے

نوجوان تھے (۱) اور ہم نہیں جانتے کہ کیا عرب ایک نوجوان کو معرکہ جگ میں دارد ہوتے کی اجازت دیتے تھے یا نہیں۔

بلکہ بعض افراد سے اس بارے میں مخالف بائیں فلل ہولی ہیں پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی ولادت عام الفیل میں ہولی اور جگ فہر میں آپؐ نے چودہ سال کی عمر میں شرکت کی اور پھر آخر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جگ فہر عام الفیل کے میں سال بعد وقوع پذیر ہولی تو ان بیانات سے ایک تھاد سامنے آتا ہے۔ (۲)

یہاں پر ایک اور تھاد بیان کیا جاتا ہے جو یعقوبی کے کلام کے دوسرے حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرب بن امیر نے اس جگ میں حصہ نہیں لیا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری روایات اسکی موجودگی پر اور وہ بھی قریش اور کملہ کی قیادت کی صورت میں ولالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی اعتراضات ہیں لیکن یہاں انہیں بیان کرنے کی ممکنگی نہیں ہے۔

### جعلی روایات کا کھیل

آخری تھاد ایک قابل توجہ نکتہ ہے کہونکہ اگر مذکورہ اختلاف لفکر کے کسی عام شخص کے بارے میں ہوتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اسے جگ میں حاضر سمجھتے اور بعض غائب جانتے اور اس کے لئے تاویلیں بھی کی جا سکتی تھیں اور جو بسا یہ کہا جاتا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

لیکن یہاں اختلاف کی یہ صورت ہے کہ ایک کہتا ہے کہ وہ جگ میں موجود اور لفکر کا سردار تھا جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ وہ بالکل جگ میں موجود ہی نہیں تھا۔ ایسے مورد میں اس کے علاوہ کوئی اور تتجہ نہیں کالا جا سکتا یہاں فقط تجھوٹ پیدا ہاگیا ہے۔

۱۔ تاریخ المعقوبی ج ۲ ص ۱۶ طبع صادر

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ اور سیرۃ ابن هشام ج ۱ ص ۱۹۵ اور ۱۹۶

ثاید اس کا مقصد حرب ابن امیہ کو ایسی جگ سے دوسرا کھا ہو جس میں ظلم و ستم ہو، قطع رحم ہو اور جو حرام میں لیتی گئی ہو، اگرچہ یہ بات تمام مودعین کے اقوال کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حرب ابن امیہ ایک ایسا شخص تھا جس کی فضیلت اور عظمت خالہ کرنے کے لئے (لیے اسیہ کی) حکومت کو شاہ رہتی تھی خواہ وہ جھوٹ اور اختراء کے دریے ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن آنحضرتؐ کے پارے میں ایسی ہاتوں کے پیچے ایک سازش کا فرما تھی جس کا مقصد اس چیز کے بر عکس تھا جو حرب ابن امیہ کے پارے میں جھوٹ کھرنے میں بھیش نظر تھی۔ اس وجہ سے یہ ملاحتہ کیا جاتا ہے کہ ان کی کوشش یہ خالہ کرنے پر مرکوز تھی کہ رسول اکرمؐ نے جنگ فجر میں شمولیت اختیار کی اور اس پر خوش تھے جبکہ یہ جنگ حرب والے میں میں لیتی گئی اور اس میں ظلم و ستم اور قطع رحم روا رکھا کیا اور حرام میں کی حرمت پاہل کی گئی۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے کچھ تیر بھی چلانے اور آپؐ اس بات پر راضی نہ تھے کہ آپؐ ایک تیر بھی نہ چلانے۔

### حلف الفضول (۱)

قریش کے جنگ فجر سے دعبراً ہونے کے بعد زیر بن عبد الملک (۲) نے لوگوں کو ایک معاہدے کی دعوت دی جسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے عبدالله بن جدعان کے گھر میں ایک اجلاس معہد ہوا۔ تمام شرکاء جلسے نے اپنے ہاتھ آپ زمرم میں

- ۱۔ ایسے معاہدے کو ”حلف الفضول“ کہتے جانے کی وجہ یہ یہاں کی جانتی ہے کہ اس میں شریک متعدد افراد کا نام ”فضل“ تھا۔ (مترجم)
- ۲۔ اور یہ زیر بن عوام کے علاوہ یہ جس نے جمل میں حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی اور مارا گیا۔

ڈال کر مظلوموں کی حمایت، معاشری امور میں باہمی امداد اور نبی عن التحریر کرنے کی قسم اتحادی اور عمد کیا۔ یہ بہترین عمد و پیمان تھا۔

اس معاہدے میں شرک افراد میں بھی ہامشہ، بھی مطلب، بھی اسد بن عبد العزیز صدر اور تمہاری شانل تھے۔ (۱)

اس عمد و پیمان میں رسول اکرم "بھی شرک تھے اور آپ نے نبوت کے مصب پر فائز ہونے کے بعد اس کی تائید اور تعریف فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں پسند نہیں کرتا کہ حلف الغسلوں میں شرکت کا کسی اور چیز سے محاوضہ لوں جی کہ سرع بالوں والے اور بھی نہیں لوں گا اگر اب بھی اس کے لئے مجھے بلایا جائے تو میں اس دعوت کو قبول کروں گا"۔ یا آپ نے اس سے ملتی جلتی کوئی بات کی۔ (۲)

## حلف کا سبب

اس حلف کا موجب قبیلہ زید کے ایک شخص کا واقعہ ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ مذکورہ شخص کے میں اپنا مال لے کر آتا ہے، وہ مال اس سے عاشر بن واکل خرید لیتا ہے لیکن اس کا معاوضہ ادا نہیں کرتا ہے۔ زیدی نے طفیلوں سے مدد طلب کی جو خون چاٹے

---

۱۔ شرح نبیح البلاغہ معتبری ج ۱۲ ص ۱۲۹ اور نسب قریش مصعب ص ۴۸۳  
اس نے دونوں قسموں کی تشریح کی ہے ایک پیمان احلاف خون چانثے والوں کے

لئے اور دوسرا حلف مطبیین اور بدائیہ و نہایہ ج ۲ ص ۲۹۳۔

۲۔ اعيان الشيعہ ج ۲ ص ۱۴، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۲، بدائیہ و نہایہ ج ۲  
ص ۲۹۲ اور ۲۹۱، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۶۱، سیرۃ حلیبہ ج ۱ ص ۱۳۱  
اور سیرۃ نبویہ دحلان ج ۱ ص ۵۳۔

والوں کے ہام سے مشہور تھے کیونکہ انہوں نے حلف اٹھاتے وقت مطہیں کے برخلاف ہن کا ذکر گز چا اپنے پانچ خون میں ڈالنے تھے جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا تھا۔ احلاف یہ تھے ہی عبد الدار، ہی مخزوم، ہی مجع، ہی سُنم اور ہی عدی بن کعب....

طیفوں نے زیدی کی مدد کرنے سے لکھا کر دیا اور اسے اپنے سے ودھ کر دیا جب زیدی نے یہ صورت حال دیکھی تو ابو قبس پہاڑ کی چٹی پر چلھ گیا اور اس نے فریاد بلعد کی یہ منظر دیکھ کر نبیر بن عبد المطلب علت مبتاثر ہوا اور اس نے چند افراد کو مذکورہ ہیمان کی دعوت دی۔ آخر کار یہ عبد و ہیمان پہنچا گیا اس کے بعد ان لوگوں نے عاصی کی خبری اور اس سے زیدی کا مال لے کر اس کے حوالے کیا۔ (۱)

### بنو امیہ اور حلف الفضول

اس ہیمان کے وقت بنو امیہ کی موجودگی کے بارے میں الہبرہ نے جو کچھ کہا اس کا کسی اور نے کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ بہت سے موزخین نے اسکی بات کو رد کیا ہے (۲) اسی طرح بعض افراد کا یہ بھی قول ہے کہ اس عبد و ہیمان کی دعوت دینے والے ابوسفیان اور عباس بن عبد المطلب تھے، (۳) یہ بات درج ذیل ولائل کی روشنی میں قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۹۱ اور ۲۹۲، السيرة الحلبية ج ۱ ص ۱۳۲، السيرة النبوية دحلان ج ۱ ص ۵۳۔

۲۔ البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۹۱، السيرة الحلبية ج ۱ ص ۱۳۱، دحلان کی السيرة النبوية ج ۱ ص ۵۳ اور یہیں کی السن التکری۔

۳۔ السيرة الحلبية ج ۱ ص ۱۳۲ اور دحلان کی سیرة النبوية ج ۱ ص ۵۳ جیسا کہ اس عبد و ہیمان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اس وقت عباس کی عمر انہارہ سال تھی لہذا وہ اس قسم کی دعوت دینے کی ہو زیشن میں تھے۔

اول: یہ عمد و ہیمان امویوں کے خلاف تھا اس کا سبب عمرو عاص کا باپ عاص بن واکل سمجھی تھا جو امویوں کا طیف تھا لہذا الحسنیان کی اس میں شرکت محظوظ نہیں ہے چنانچہ اس کی دعوت دینے والا ہو۔

دوم: کامگیر ہے کہ محمد بن جعفر بن عاصم، عبداللہ بن نبیر کے قتل کے وقت عبداللہ کے پاس ہے۔ عبداللہ نے اسے کامے الو سیدا کیا ہم اور آپ یعنی عہد شس بن عبد مناف اور بنی نواف بن عبد مناف حلف الفضول میں شرک نہیں تھے؟ اس نے جواب دیا تم بہتر جانتے ہو۔ عبداللہ نے کامے الو سیدا مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ اس وقت ابو سید نے کہ ”خدا کی قسم ہم اور آپ اس سے خارج ہیں“۔ عبداللہ نے اس کی تصدیق کی۔ ابن الجید محملی نے ابن جعفر کے جواب کو اس اضافے کے ساتھ ذکر کیا ہے ”ہم نے اور آپ نے جاہلیت اور اسلام کے ادوار میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے اور اکٹھے رہے ہیں“۔ (۱)

سوم: درج ذیل واقعات سے مجھوں طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی امية اس حلف الفضول میں شرک نہیں تھے اور اسلام نے اس ہیمان کا اعتراف کیا اور اسے قبول کیا ہے۔  
الف: امام حسین اور ولید بن عقبہ اموی جو اپنے چچا معاوية کی طرف سے مدینے کا حاکم تھا، کے درمیان ایک ماں پر تباہ ہبیدا ہو گیا، یہ ماں امام حسین کا تھا گویا کہ ولید نے اپنا طاقت و قدرت سے غلط فائده اٹھاتے ہوئے امام حسین کا حق غصب کرایا تھا۔ امام حسین نے کام خدا کی قسم یا تم میرا حق انصاف کے قاضی پورے کرتے ہوئے یا میرے حوالے کر دو گے یا پھر میں خوار لیکر مسجد الجی میں قیام کر دیکا اور لوگوں کو حلف الفضول کی دعوت دیکا۔ لوگوں کی ایک جماعت نے امام حسین کی آواز پر لیکر کما ان میں قبیلہ اسد بن

---

۱۔ سيرة ابن هشام ج ۱ ص ۱۳۳ اور شرح نهج البلاغہ معتزلی ج ۱۵ ص ۲۲۶ میں  
نبیر بن بکار سے منقول ہے۔

عبدالعزیز کے عبداللہ بن نبیر، صور بن مخزون الہبی اور عبد الرحمن بن عثمان تھی خالی تھے۔ جب یہ خبر وید تک پہنچی تو اس نے امام حسینؑ کا حق لوٹا دیا اور انہیں راضی کیا۔ (۱) ب: حلال عسکری کی تصریح کے مطابق ”امام حسینؑ“ اور معاویہ کے درمیان زمین کے ایک نکوڑے پر جو امام حسینؑ کی نکیت ساختگی کلائی ہو گئی۔ امام حسینؑ نے ابن نبیر سے کہا کہ اسے گین کاموں میں سے ایک کا اختیار ہے وگرنے چو جنی فیصلہ کرنے والی چیز توار ہے اور وہ تمین کام یہ ہیں یا تو وہ تجھے یا ابن عمر کو میرے اور اس کے درمیان میاث جائے یا وہ میرے حق کا اقرار کرے اور پھر مجھ سے اس زمین کی درخواست کرے یا پھر تجھ سے خرید لے اور اگر وہ پس وہیش سے کام لے تو مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں ضرور حلف الخضول کی بنیاد پر اپنے طفیلوں کو پکاروں گا۔ (۲)

ج: ابو الفرج نے ایک روایت قتل کی ہے جس کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ جب معاویہ نے امام حسنؑ پر اپنی برہنی کا اظہار کیا کیونکہ وہ مدینے میں موجود ہونے کے باوجود وہ معاویہ سے ملنے نہیں آئے تھے تو اس وقت ابن نبیر نے اسے امام حسنؑ کے قتل پر اکسایا تھا کہ معاویہ نے اس کی بات کو سمجھرا دیا۔ پھر ابن نبیر نے یہ کہا کہ ”خبردار رہو خدا کی قسم میں اور وہ حلف الخضول میں تمہارے خلاف مخدوں ہوں گے“۔ معاویہ نے جواب دیا، تو کون ہے؟ ”خدا کی قسم مجھے تجھ سے سروکار ہے نہ حلف الخضول سے“ (۳) یہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آئندہ نے رسول اللہؐ کی یادوی کرتے ہوئے حلف الخضول کو

۱۔ سیرۃ ابن بشام ج ۱ ص ۱۳۲، سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۲، کامل ابن اثیر (طبع صادر)

ج ۲ ص ۴۳۲ بذایہ و نہایہ ج ۲ ص ۲۹۳، دحلان کی سیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۵۲

(سیرۃ حافظ دیباوط کے حوالے سے) اور انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۲۔

۲۔ الاولیاً ج ۱ ص ۶۳ اور ۷۳

۳۔ الاغانی ج ۸ ص ۱۰۸ طبع ساسی

قبول کیا اور اسکی تائید کی، جیسا کہ پلے ذکر ہوا۔ اسی طرح یہ اسلام خصوصاً آخری روایت اس امر پر بھی گواہی دیتی ہیں کہ معاویہ اور اسکا خلدان حلف الخضول میں شریک نہیں تھا کیونکہ انہن نبیر اسے حلف الخضول کی دھمکی رضا اور اسی طرح امام حسینؑ کا اس حلف کیلئے پکانا اور نبیروں اور دیگر افراد کا امویوں کے خلاف جمع ہو جانا بھی اسی بات کو ثابت کرتا ہے۔

اس گذشتہ حکمتوں سے یہ توجہ حاصل ہوتا ہے کہ ابو ہرہ اور اس جیسے دوسرے افراد اپنے عالم آفاؤں کی خوشودی اور قرب حاصل کرنے کے لئے جس بات کو ثابت کرنا چاہتے تھے وہ ایک ایسی بات ہے جس کی تکذیب تاریخی وقائع اور مورخین کے اقوال سے ہوتی ہے۔

لیکن ابو ہرہ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ بوماءں ایسی فضیلت سے محروم نہ رہیں، اس خواہش نے اسے مجبور کیا کہ وہ عربوں کے بہترین ہمیان میں امویوں کو شریک کرے وہ ہمیان جسکی اسلام اور شریعت نے تائید کی ہے اور وہ فطرت اور عقلِ سلم سے بھی ہم آہنگ ہے۔

**قابل توجہ نکتہ:** آخر میں ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ بعض افراد رسول اکرمؐ سے ایسی ہائیں قتل کرتے ہیں جو جاہلیت کے ہمیاؤں سے متکر رہنے کو ضروری قرار دیتی ہیں (۱) اس کے پیچھے کوئی غرض کار فرا ہے اور یہ خبیث حرکت ہے۔ پہلے اگر ایسی روایتوں کا مورد نظر حلف الخضول ہو تو درست ہے کیونکہ اسلام نے اس کی تائید کی ہے۔ یا ان کے پیش نظر ایسا ہمیان ہو جو اسلام کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو تو بھی صحیح ہے مثلاً حضرت عبدالطلب کا بنی خزاعہ سے ہمیان اور جب قریش نے بنی خزاعہ کے افراد کو قتل کیا تو انہوں نے اسی ہمیان کی بنیاد پر آنحضرتؐ سے مدد طلب کی تھی۔ اور جیسا کہ ہم اشارہ کریں گے فتح کہ کا واقعہ اسی وجہ سے وقوع پدر ہوا۔

۱۔ حافظ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج ۱۰ ص ۳۰۶ و ۳۶۰ اور اسکے مسلم اور ترمذی کے حاشیہ کی ج ۲ ص ۱۳۶ طبع مکتبۃ الاسلامیۃ اور اسی طرح سعید بن منصور اور فتح الباری ج ۸ ص ۱۶۳ اور النادری کے حوالے سے۔

## حلف الفضول کے بارے میں چند اہم نکات

۱۔ امام حسینؑ اس وقت کے حالات اور نفسیانی کیلیت کی بنیاد پر یہ جانتے تھے کہ ان کی دعوت کا بہت بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوگا لیکن انہوں نے حلف الفضول کے لئے لوگوں کو پکارا اس سے کپٹ کا پدف یہ تھا کہ لوگ بینی امیریہ کی حقیقت کو پہچان لیں اور وہ جان لیں کہ یہ ایک خالم اور سُنگر خالدان ہے اور ان کا مطلوب صرف دبیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خالدان پاٹم اور اہل بیتؑ مظلوموں کے حامی اور حق کی حیات کرنے والے ہیں۔ معاویہ اس بات سے ڈر گیا اور وہ امام حسینؑ کے آنکھ گیا اور حق، اہل حق کو واپس کر دیا۔ یہ بات ہم نے ایک حقن کے خواہی سے بیان کی ہے۔ (۱)

علاوہ ازیں حلف الفضول کی طرف دعوت ایسے حالات میں دی گئی جب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا اور اس مقدمہ کی ناجوہی کے لئے عوایی تحریک چلانے اور عوام کے ذریعے سے انتخاب لانے کا بھی موقع نہیں تھا کیونکہ اس موقع پر اور ان حالات میں عوایی تحریک چلانے کی صورت میں امام حسینؑ مورد الرام لٹھراتے جاتے اور ان کے اس اقدام کی یہ تفسیر کی جاتی کہ وہ ذاتی معاذات کے حصول کے لئے ایسا کر رہے ہیں اور اس کا دین اور امت کے دفاع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لہذا اس ولیں کی بنا پر ایسے حالات اور صورت حال میں اگر امام حسینؑ شہید ہوتے تو کپٹ کی شہادت سے دین اور امت کو کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا بلکہ فائدے کی بجائے نقصان کا اندریشہ زیادہ تھا کیونکہ معاویہ بہت عیار تھا وہ اس کے بعد اپنے گمراہ کن پر دیکھنے کے ذریعے امت کی امیدوں کو آئندہ عظیم السلام سے قطع کر دیتا اور مسلمانوں کو روحانی اور کفری لحاظ سے اہل بیتؑ اور آئندہؑ سے خصوصاً درد کر دیتا اور ان کے درمیان فاسطے ایجاد کر دیتا۔

۱۔ وہ عظیم محقق سید مهدی روحانی ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جن حالات سے گزر کر معاویہ اقتدار تک پہنچا تھا ان سے اگرچہ اہل عراق اور اہل حجاز کی اکثریت واقف تھی لیکن اہل شام اس سے بے خبر تھے کیونکہ وہ صرف میان اسلام سے آشنا تھے وہ اسلام جس کا مطیع نظر ذاتی اغراض و مذاہد اور معاویات کا حصول تھا اور جو ذاتی اهداف تک پہنچنے کے لئے ہر چیز کو حلال سمجھتا تھا۔

شامیوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت نہیں ہوئی تھی۔ وہ علیٰ اور الہبیتؑ کی حقیقت سے نا آگاہ تھے اپنی علیٰ کے اسلام، علیٰ کے اصولوں اور اهداف کا اور اک نہیں تھا جبکہ دوسری طرف اموی اپنے آپ کو رسول اللہ (ص) کے رشتہ دار اور اہل بیت ظاہر کرتے تھے۔ نوہت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کے روساء اور بزرگوں میں سے دس اشخاص نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم ہی امیر کے علاوہ کسی اور کوئی اکرمؐ کے الہبیت کے طور پر نہیں جاتے (۱) بلکہ معاویہ تو اس حد تک گستاخی پر اتر آ کیا تھا کہ وہ اہل شام سے کہا تھا کہ علیٰ تو نماز بھی نہیں پڑھتے۔ (۲)

اس صورت حال میں اور اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے اہل شام واقعات کی اصل

---

۱۔ مقریزی کی کتاب النزاع و التخاصم ص ۲۸، معتبرلی کی شرح نهج البلاغہ ج ۷ ص ۱۵۹، مروج الذهب ج ۳ ص ۳۳ اور ان کے رسول اللہ کی قرابت کی بنا پر دعویٰ خلافت کی لیئے العقد الفريد ج ۲ ص ۱۲۰ طبع دار الكتاب العربي کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی طرح مؤلف کی کتاب حیاة الامام الرضا السياسية کی صفحات ۵۲ اور ۵۵ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ الفتوح از ابن اعثم ج ۲ ص ۱۹۶، نصر بن مزاحم کی کتاب وقعة صفين ص ۳۵۳، ابن ابی الحدید کی شرح نهج البلاغہ ج ۸ ص ۳۶، ابن اثیر کی الكامل ج ۳ ص ۳۱۳، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۰ اور الغدیر ج ۹ ص ۱۲۲ بعض قدیمی کتابوں کی حوالے سے۔

حقیقت کا اداک نہیں کر سکتے تھے بلکہ معادیہ اپنی مکروہ شیطنت کے مل بوتے پر غیر اہل شام کے لئے بھی حقائق کو پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔ معادیہ عمر بن خطاب کی طرف سے شام کا گورز مقرر کیا گیا تھا۔ عرب حضرت عمر کے ارادت مدد اور محب تھے کیونکہ انہوں نے عربوں کے غرور کو جلا دیکشی، بیت المال کی قسم اور دیگر امور میں عربوں کو دیگر اقوام پر ترجیح دے کر انہوں نے عربوں کی شخصیت اور حیثیت کو بلند کیا۔ یہ وہی عرب تھے جن کی کل تک کوئی اہمیت نہیں تھی وہ خلک و بیلاد صحرا میں سرگردان تھے۔ ہامطلوب ہذا کھاتے اور گدلا پانی پیتے تھے اور دوسرا کھٹیا خصوصیات کے حال تھے جن کا ہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے۔

جب اسلام آیا تو اس نے انہیں دوسروں کے برابر سمجھا اور ان کے عزت و وقار کو بلند کیا اور عزت و برزگی کا میڈل تھوڑی کو قرار دیا۔ لیکن حضرت عمر بن خطاب کی سیاست کا تھا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ہر قسم کے امتیازات کو صرف عربوں کے لئے مخصوص کرے اور غیر عربوں کو ہر چیز سے محروم کرے اسی وجہ سے عرب انہیں بہت چاہتے تھے اور ان کا حد سے زیادہ احرام کرتے تھے ان کا کروار اور مختار ان کے لئے ایک قانون کی حیثیت رکھتا تھا جس کی مخالفت کرنا ہرگز ممکن نہیں تھا اور نہیں اس کے خلاف کوئی اقدام کیا جا سکتا تھا۔ اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جس شخص کو بھی کسی علاقے کا حاکم جاتے تھے اس سے اس شخص کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا تھا اور اسے ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا تھا جیسا کہ ابن حیان نے اپنی کتاب الثقات ج ۲ ص ۲۹۵ میں فیض کیا ہے۔ لیکن اس کے بر عکس حضرت علیؓ جو ہی اساعیل کی بی بی احراق پر کسی قسم کی برتری کے قابل نہیں تھے (۱)۔ ”شرع“ کو قاضی کے مصب سے محرول نہ کر سکے کیونکہ اسے حضرت عمر نے قاضی مقرر کیا تھا اسی طرح فوج کو نیاز تراویع پرستی سے روکنے میں کامیاب

۱۔ سنن البیهقی ج ۶ ص ۳۳۹ اور الغدیر ج ۸ ص ۲۲۰

نہیں ہو سکے تھے کیونکہ حضرت عمر نے اس کا حکم دیا تھا بلکہ لوگ علیؑ کے سامنے شور پختے تھے کہ تم حضرت ابویکر اور حضرت عمر کی سوت چاٹتے ہیں۔ (۱) جس کو حضرت عمر حاکم بناتا ہے لوگوں کے درمیان مquam و عظمت کا حال بن جاتا اور اسی پر ان کو اعتقاد ہوتا۔ ان کے علاوہ ایسے اور بہت سے شوہید ہیں جو ان اثرات کی حکایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب تینی امیسہ برسر اقتدار آگئے تو انہوں نے عمر کی سوت اور سیرت پر عمل کیا اور انہی کو سیاسی اور غیر سیاسی امور میں اپنا آئینہ دل (ideal) قرار دیا۔

جب معاویہ حضرت عمر کی طرف سے شام کا حاکم بنا اور اس نے قتل عثمان کے انتقام کا پر فریب نعروہ لکایا اور لوگوں کے درمیان بہت سے شباث ایجاد کر دیئے یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو گیا کہ رسول اعظمؐ کے بعد عظیم ترین انسان علیؑ کے خلاف صحن کے میدان میں جنگ کرنے کے لئے ایک بڑے لکھر کی قیادت کر سکے۔

ای طرح جب معاویہ ”حکیم“ کے واقعے سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گیا اور یوں اس نے اپنی حکومت پر شرعی رنگ چھالایا جس کے ذریعے سے وہ سادہ لوح عوام کو فریب اور دھوکا دینے کے قابل ہو گیا تھا تو جب وہ ان توحیدیہ حالات میں اقتدار کو حاصل کر سکتا تھا تو طبعی طور پر اس کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ حسین بن علیؑ کو شید کرنے کے بعد اپنی ایک بافی، خالم، لاچی اور ذاتی محدودات کی خاطر جنگ کرنے والے شخص کے طور پر لوگوں میں مشہور کر دیتا بلکہ العیاذ بالله اپنی وائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیتا۔ ان عماش حالات میں معاویہ مختلف شہروں میں خوبی طور پر مقرر کئے گئے اموی مبلغین اور خطباء کے ذریعے سے نمایت تیز رضاخی کے ساتھ چاڑ، عراق اور شام میں بہت سوء استغاثہ کر سکتا تھا خصوصاً ثائی عوام کے بارے میں ہائل اور حقیقت حال سے آگاہی اور علم کے لئے اموی ذرائع الجلخ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ معاویہ وہ شخص تھا جس نے

حق و باطل کو اس حد تک محدود کر دیا تھا کہ اس بات نے مولا علیؑ کو کمارہ گیری پر مجبور کر دیا تھا۔

مزید برآں یہ کہ حضرت علیؓ سے پہلے خلاصہ کے زمانے میں خاص سیاسی مختار کے بیش نظر بزرگ صحابہ کے گرد ایک حصار بنا دیا تھا اپنی مختلف شرودیں میں پھیل جائے کا موقع نہ دیا کیا تاکہ وہ نبی اکرمؐ کی تعیینات کو صحیح طور پر لوگوں میں پھیلانے سکیں بلکہ انہیں لمبی مدت تک مدینہ میں محبوس رکھا کیا اور اگر کوئی ان کے چھپل سے لفکھے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے کھڑے حق بیان کیا تو اسے طرح طرح کے ظلم و حتم کا لشکر بنا یا اس کا جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے یہ سلوک روک رکھا گیا۔ (۱)

اس صورت حال میں اصحاب کے سینوں میں جو کچھ تھا وہ اس کے اہلار و بیان سے عالمز تھے یہاں تک کہ اصحاب کا طبقہ آہست آہست دیا سے چل بیا۔ اس صورت حال کے باعث حکمران ٹولے کو الہمیت اور نبی اکرمؐ بلکہ خود اسلام کے خلاف اختراء پردازی کا موقع فراہم ہو گیا۔

مختکروں کا خلاصہ یہ ہے کہ معادیہ کے دور میں امام حسینؑ کا شہید ہو جانا نہ صرف بے اثر اور غیر مفید ہوتا بلکہ اس طرح دین، امت اور حق کی تھما امید پر پانی پر جاتا یوں یہ ایک کھلی خیانت ہوتی جیسا کہ بعد میں آپؐ کی شہادت سے دین، حق اور امت کی حافظت اور پاسداری ہوئی۔ اس وقت حکمران کی بے دینی، دین سے دشمن اور اس کا انحراف کسی سے پوشیدہ نہ رہا تھا۔ نیز مکارانہ اور عیارانہ سیاسی چالیں ان کے کرتوقول پر پروٹھ ڈال سکیں۔ ان حالات میں سکوت اور خاموشی اختیار کرنا دین، امت اور حق کے ساتھ خیانت کے مترادف تھا۔

---

۱۔ ہماری کتاب ”دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام“ کی پہلی جلد میں حضرت ابوذرؓ کے بارے میں مقالے کی طرف رجوع کریں۔

وگرنہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کی شہادت کے بعد دس سال معاویہ کے دور حکومت میں گزارے اور اس کے خلاف قیام نہیں کیا۔ امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانے میں سکوت اختیار کیا تھا لیکن آپؐ نے یزید کے خلاف قیام کیا جبکہ وہی ظلم و ستم اور جبر و تشدد جو یزید کے دور میں معاویہ کے زمانے میں بھی تھا جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی اس زمانے میں امامؑ کے سکوت اور یزید کے دور میں قیام کا راز ہے۔

یہ تھا وہ مطلب جس کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے تھے، اگرچہ اس بحث کا مatum کہیں اور ہے۔

۴۔ ملاحظہ کرس جب امام حسینؑ نے حلف الفضول کی دعوت دی تو انہیں نبیر جیسے دشمنوں نے بھی آپؐ کی آواز پر لمبک کما جبکہ اس کا اپنی خلافت کے ایام میں ہاشمیوں کے ساتھ برائلوک کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انہیں نبیر اُٹھیں کہ میں نندہ جلا وطا چاہتا تھا مگر عراق سے ان کی امداد کے لئے ایک گروہ بیٹھ کیا جس سے وہ اپنے ناپاک عزم میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ایہ طرح انہیں عباس کے بقول جب امام حسینؑ عراق کی طرف عازم ہوئے تو انہیں نبیر بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس نے اپنے خطبوں میں حضور اکرمؐ پر درود بھیجا ترک کر دیا جب اس کی سرزنش کی گئی تو اس نے بھٹکانی سے کما ہاشم کی اولاد جب ہلکہ بھر اکرمؐ پر صوات سنتی ہے تو اپنے سر کو بلند کر لیتی ہے اس کے نزدیک بدترین چیز ہاشمی خالدان کی خوشی تھی۔ ایک اور روایت کے بقول اس نے کہا کہ رسول اکرمؐ کا خالدان بُرا ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ ان افراد نے امام حسینؑ کی طرف سے حلف الفضول کی دعوت کو تو قبول

۱۔ العقد الغرید ج ۳ ص ۳۱۲ طبع دار الكتاب العربي، شرح نجح البلاعه للمعتبرلى ج ۲۰ ص ۱۲۶، انساب الاشرف ج ۳ ص ۲۸، قاموس الرجال ج ۵ ص ۳۵۲  
اور مقائل الطالبيين ص ۳۶۷ کی طرف رجوع کریں۔

کر لیا تھا انہی لوگوں نے حسین علیہ السلام کی امامت کو صحیح اور جنگ دونوں صورتوں میں حسینؑ کی امامت کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں حکم خدا اور حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور اس امام کی حیات سے درجع کیا جس نے اپنے ہاتھ کی امت کی اصلاح کی خاطر قیام کیا تھا بلکہ وہ اس کے بر عکس عموماً ان کے اور ان کے خالدان کے ساتھ دشمن کا اعلیٰ کرتے تھے جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

پس حلف النضول پر بیک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس کے بر عکس روز عاشورا امام حسینؑ کی حیات نہ کرنے اور کربلا میں ظلم و سم و درد و حق سے انحراف کے خلاف کربلا میں آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ جبکہ پھلا واقعہ اگرچہ ظلم و اسجداد سے جنگ کا نمونہ تھا تھا لیکن درحقیقت اس کا تعلق خاص اشخاص اور محدود زمان و مکان کے ساتھ تھا جبکہ واقعہ کربلا میں قیام کا مقصد سب کے سامنے واضح تھا اور امامؑ نے کئی ہر اس کی وضاحت فرمائی تھی۔ اور اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی سکھائش نہیں چھوڑی تھی کہ آپ کے قیام کا مقصد اسلام کے جامع اهداف تھے اور اس میں فہرادر بھی ذاتی معادلات کا عمل دخل نہیں تھا۔

پھر انہوں نے کیوں سکوت اختیار کیا؟ بلکہ ان میں سے بعض نے تو امام حسینؑ کے ساتھ بھیش آئے والے واقعات پر سرست کا اعلیٰ کارہ کیا جبکہ ہبھاں پر وہ ان کی مدد کرتے اور اپنی جان سکھ قریان کرنے کے لئے آمادہ و تیار نظر کرتے ہیں یا کم از کم ان کے ساتھ دینے کے لئے آنادگی کا اعلیٰ کرتے ہیں؟ پھر اگر ان دو قیاسوں کا ہدف مشرک نہیں بھی تھا تو واقعہ کربلا کا ہدف ان کے درن اور شخصیت کے ساتھ زیادہ والبھی رکھا تھا (مل کھاتا تھا) اور زیادہ اہم تھا کیا ابتداء میں ان کا مقصد توی دشمن کو کمزور کرنا تھا؟ یا یہ کہ وہ شریانی یعنید سے فڑتے تھے جبکہ معادیہ کی طرف سے آسواہ غاظر تھے؟ اور ثاید ایسا ہی ہو، ایک اور احتمال بھی دوا جا سکتا ہے کہ حلف النضول چونکہ جاہلیت کے ووڑ کی یاد تازہ کرتا تھا اور وہ لوگ حق و باطل میں اسلام کی نسبت جاہلیت سے زیادہ نزدیک تھے۔ وہ واقعہ پوری امت کی

نکری بدلتے کاموجب ہو اور دین سے مخلوط ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلام نے حلف الفضول کی تائید کی ہے اور یہ اسلامی قوانین میں شرعاً ہوتا ہے تو ثالیہ اس مسئلے میں وہ کوئی اور موقف اختیار کرتے۔ اور یہ بات واقعہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

۲۔ امام حسینؑ کا یہ موقف اور نبی اکرمؐ کا اس عمد و پیمان کی تائید کرنا جو گزشتہ کھلات میں گزر چکا ہے، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے اس حلف کو مخلود کیا ہے کیونکہ مذکورہ پیمان حق و عدالت اور خیر کی بنیاد پر اسوار ہے اور کیا اسلام اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ اسلام نے اس پیمان کو قبول کیا جبکہ اس میں شرکت کرنے والے کافر اور مشرک تھے لیکن وہ مسجد "ضرار" کو منندم کر رہا ہے جبکہ اس کے بالی ظاہری طور پر اسلام کا انعام بھی کرتے تھے اور دکھاوے کی خاطر اس پر عمل ہیرا بھی تھے۔

یہ بات اسلام کی حقیقت پسندی کو واضح کرتی ہے، اور اس بات کو روشن کرنی ہے کہ یہ دن ٹھارڈی کے عمل کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کے آںدوں کو۔ اسلام ظاہری باتوں سے دھوکا نہیں کھاتا اور ان نعروں سے کبھی بھی فرب نہیں کھاتا جن کے پس پر "سازش، عدالت اور خیانت کا فرما ہو خواہ وہ نعرے کئے بھی دلکش کیوں نہ ہوں میں حق حق ہے اور وہی قابل قبول ہے۔ اور ہم حق کے مطابق عمل کرنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہیں چاہے وہ مشرک سے ہی کیوں نہ صادر ہو، اسی طرح باطل باطل ہے اور قابل اکار ہے، اس پر عمل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اگرچہ وہ خوبصورت اور پرکشش نعروں اور باتوں کے قابل میں ہی کیوں نہ ہو۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسی لئے حضرت امیر المؤمنینؑ قرآن کو نیزوس پر بلند کرنے کی چال اور سازش کی مذمت کرتے ہیں اور اس سے خبردار کرتے ہیں۔ اس مسئلے میں امامؑ کا راست صحیح راست تھا اور دوسرے لوگ جو تقویٰ اور عبادت کا ظاہر کرتے تھے انہوں نے غلط راستے کا انکلاب کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امیر المؤمنین علیؑ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی  
ہدایات پر محلہ برا ہونے کی توفیق عطا یت فرمائے، تحقیق وہ توہا سرست ہے۔

۴۔ نبی اکرمؐ اور آئمہؑ کا یہاں فضول کو اہمیت دیتا اسلام کی وسعت نظری پر دلالت  
کرتا ہے اور اس بات کی لشکری کرتا ہے کہ اسلام اپنے خول کے اندر بند نہیں رہتا۔ اسلام  
ہر اس چیز کی حمایت کرتا اور اسے اپا لیتا ہے جو انسان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو،  
الہامیت کے رشد و کامل میں سمجھ ہو، احساس وہ واری کو اجاگر کرتی ہو۔ اس کے اعلیٰ  
ابداں کی تعمیل کرتی ہو، فطری تقاضوں کے مطابق ہو اور عقل علم کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔  
۵۔ البتہ ان لوگوں کے نبیر بن عبدالمطلب کی حلف الفضول کی دعوت کو قبول  
کرنے کی مختلف وجہات ہو سکتی ہیں مثلاً

الف: اسلام فطرت کا تقاضا کیونکہ اس یہاں کا چیخانہ فطرت اور عقل علم کے تقاضوں  
کے میں مطابق تھا اس کے ساتھ ہی وہ اسلامی اور اخلاقی شعور سے ہم آہنگ تھا۔

ب: مصلحت اندیشی کیونکہ مکہ میں امن و امان نہ ہونے کی وجہ سے جمالی و فود کی آمد  
اور اہل کم کے ساتھ ان کے معاملات میں تیزی سے کمی کا نظرہ تھا۔

ج: اسی طرح دیگر وجہات ہو سکتی تھیں مثلاً عربوں کے دلوں میں مکہ اور اہل کم کے  
لئے موجود جذبہ احرام اور تقدس کی حافظت و ضررو و ضرور۔ ہمیں فصل میں بیان ہونے والے  
مطلوب یہاں پر بھی مطید ہیں۔

## حضورؐ کا بکریاں چڑانا

مؤذن کا کہا ہے کہ آنحضرتؐ قبیلہ بنی سعد کے ہاں رہتے ہوئے بکریاں چڑانا کرتے  
تھے اور اپنے گھر والوں کے لئے مجھ بدل کرتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی کہا ہے کہ اپنے اہل  
مکہ کی بکریاں بھی چراتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسروں کے علاوہ بخاری نے تو کتاب ”اجراه“  
میں یہاں تک ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مجبوٹ

نسیں فرمایا مگرہ یہ کہ اس نے گھر بننی کی ہو۔ محلہ نے پوچھا اور آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں نے بھی قراریط کے بدلتے کمہ والوں کی بکریاں چرانی ہیں۔ (۱) اور قراریط سے مراد درہم اور دینار کی کچھ مقدار بیانی گئی ہے جس سے معمولی اشیاء خریدی جا سکتی ہوں۔ (۲)  
 لیکن اس بات میں بہت زیادہ تک و شہر پلانا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ اتنی مزدوری ہر غیروں کی بکریاں چڑایا کرتے تھے۔ مزدوری کی مقدار اتنی معمولی ہے کہ بودھی عورتیں بھی اسے قبول نہیں کر سکیں۔ اسی طرح آپؐ بکریاں چڑائے میں جو وقت لگاتے اور محنت کرتے تھے اس کے مقابلے میں یہ معمولی رقم قطعاً نامناسب ہے۔ اس بات میں ہمارے تک و تردود کی دو وجہات ہیں۔

اول: معتبر مورخ یعقوبی نے صریح کا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کسی کے اجریں نہیں بنتے۔ (۳)

دوم: روایات کا تھاد، بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں اپنے خلدان والوں کی بکریاں چڑایا کرتا تھا"۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں کمہ والوں کے لئے گھر بننی کرتا تھا"۔ بعض روایات نے آپؐ کا قول "قراریط" (۴) کے ساتھ فعل کیا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں "اجیاد" (۵) کا ذکر آیا ہے۔ جب راوی ایک ہو تو یہ اختلاف قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ بخاری حاشیہ فتح الباری ج ۲ ص ۳۶۳، دحلان کی السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۵۱  
 اور السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۵۔

۲۔ زینی دحلان کی السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۵۱، السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۵ اور  
 فتح الباری ج ۲ ص ۳۶۳۔

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱ طبع صادر۔

۴۔ ایک جگہ کا نام۔

۵۔ معمولی اجرت۔

پاں بعض افراد نے ذکر کیا ہے کہ عرب قراریط کو نہیں جانتے حتیٰ جگہ یہ تو کہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ (۱)

بخاریں "قراریط" والی روایت اور "اجیاد" والی روایت میں اختلاف کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ دو نام ایک ہی جگہ کے ہوں یا ایک دوسرے کے نزدیک دو جگہوں کے ہم ہوں لیکن یہ تاویل بہت کمزور ہے کیونکہ بخاری کی روایت میں "علیٰ قراریط" ذکر ہوا ہے۔ اور فقط "علیٰ" سے اجر و مزدوری ظاہر ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس اعتراض کا جواب یوں دیا جائے کہ ثابید قراریط کہ میں ایک پہاڑ ہو جس پر رسول خدا بکریاں چ رایا کرتے ہوں۔ اس اور ان کے علاوہ دیگر تمام احتیالات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صرف اس صورت میں قابل قبول ہو سکتے ہیں جب ان پر مخصوص سے کوئی روایت فلی ہو اور یہاں الحکیم کوئی روایت موجود نہیں ہے پاں الہبرہ اور دوسرے راویوں نے حدیثیں بیان کی ہیں جن پر اعتقاد نہیں کیا جا سکتا۔

### نکتہ:

یہاں پر بعض لوگوں نے فساد بخمارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ بعضیں

۱۔ فتح الباری ج ۲ ص ۳۶۲ میں ابن ناصر اور سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ کی بھروسی کرتے ہوئے ابراہیم حرسی اور صوبہ ابن جوزی سے نقل کرتے ہوئے اور جو کچھِ الصحيح میں آیا ہے اس سے عربوں کی قراریط سے عدم آگاہی کی تائید ہوتی ہے اور اس میں قراریط نامی سرزین کا ذکر آیا ہے۔ فتح الباری ج ۲ ص ۳۶۲ اور بعض افراد کا یہ قول درست نہیں ہے کہ مکہ میں اس نام کی کوئی جگہ معروف نہیں کیونکہ ہمارے دور میں اس کا معروف نہ ہونا اس زمانے میں اس کے معروف نہ ہونے ہر دلالت نہیں کرتا۔

چرا انا نہیت ہی دشوار کام ہے کیونکہ بھیڑیں سرکش ترین جانور ہیں اور ان کے ماتھہ رہا دل  
کے اندر جذبہ صربانی و عطوفت کی بیداری کا موجب بنا ہے پس جس وقت آپؐ کو بشر کی  
قیادت اور رہبری کا فریضہ سونپا کیا تو اس سے پہلے آپؐ کا مراجع زم ہو چکا تھا طبیعت کی  
فطری ختنی اور زیادتی کا خاتمه ہو کیا تھا اور آپؐ ایک محلہ ترین شخصیت بن چکے تھے۔ (۱)  
لیکن کیا اس بات کو کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کو  
مراجع کی فطری درختی اور جذبہ ظلم سے تندب کی ضرورت تھی۔ کیا ان کی طبیعت میں  
غصب اور جملی ظلم موجود تھا جس میں اعتدال اور تندب کی ضرورت تھی؟ اور اگر اس  
بات کو تسلیم بھی کر لایا جائے تو کیا (تہیت کے لئے) اس سے بہتر کوئی اور مدرسہ شد تھا۔  
اس کے علاوہ یہ بات شن سدر (جسے ہم نے محوٹ ٹھہر کیا) کے معانی نہیں ہے جس کے  
یہ لوگ قائل ہیں کیا ظلم اور ختنی شیطان کا حصہ نہ تھا جسے جبریلؐ نے عمل جراحی کے  
دریمے سے جلو سے آکھاڑ دیا تھا؟ کیا روایات کے مطابق بھون سے ہی آپؐ کے ہمراہ ایک  
فرشہ مقرر نہیں تھا جو آپؐ کی راہنمائی اور اصلاح کرتا تھا؟

کیا اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے نبیؐ کی تندب اور آپؐ کی عت مراجی کو ختم کرنے کا کوئی  
طریقہ نہیں تھا؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ بھیڑوں کو چرانا باقی تمام جانوروں سے مغل  
ترین کام ہے؟ اور کیا ظلم انسان کے اندر جملی طور پر موجود ہے جسے بھیڑیں چرا کر ہی خم  
کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے یہ تتجہ لکلا جا سکتا ہے کہ جو پلنی کے اندر ختنی اور جملی ظلم  
نہیں کرتا یا یہ کہ ظلم و ختنی اس کے اندر دوسروں کی لبست کم ہوتی ہے؟  
بھر کیا ہے نہیں کما جا سکتا کہ بھیڑ بکریاں چرانا ایک عام کام تھا جسے آنحضرتؐ نے  
معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح جن کے لئے بھیڑ بکریاں چرانا نندگی کرنا نہیں اور رزق

۱۔ سیرۃ الحلیۃ ج ۱ ص ۱۲۶، سیرۃ نبویۃ لدحلان ج ۱ ص ۵۱ اور فتح الباری ج  
۳ ص ۳۶۳ کی طرف رجوع کریں۔

کلائن کا ایک عام و سلسلہ تھا، انعام دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور دوسرے سوالات ہیں جن کا ان کے پاس کوئی مخفی اور قائم کنندہ جواب نہیں ہے۔

البتہ جیسا کہ بعض افراد نے کہا ہے اس کی یہ علت بیان کی جا سکتی ہے کہ چوبالی لوگوں سے دوری اور معاشرتی پر یقینیوں اور شور شرابے سے ہٹ کر غور و مگر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور رسول اکرمؐ کا غار حرام میں جانا بھی لگر کے لئے، لوگوں سے کہا رکھی، خداوند کی مخلوق میں غور و خوض، عبادت اور ترکیہ نفس کی خاطر ہوتا تھا۔

بعض دوسرے افراد کا یہ نظریہ ہے کہ حیوان چڑانا مشرق و پاکندہ حیوانوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سمجھانے کا سوچ ہے اور یہ بات نبوت کی ذمہ داریوں سے مطابقت رکھتی ہے جیسیں بہت جلد ہذلہ بر اکرمؐ کے کہدیوں پر آئتا تھا اور جس کے لئے آپؐ کو راضی نفس اور دوسروں کی خیر خواہی کے جذبے میں اضافے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ، ہذلہ بر اکرمؐ کے اندر تحمل و برداشت پیدا کرنے اور آپؐ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا اہتمام فرمایا تھا۔ تاکہ آپؐ تبوت کی عظیم ذمہ داریوں کونجا سکیں۔ البتہ یہ سب کچھ عام اور طبیعی طور پر ہوا ہے جیسا کہ یہ بات ارسال رسول سے واضح ہے۔ ہاں اللہ میgrations وغیرہ سے بھی انبیاء کی مدد کرتا ہے۔

## شام کا دوسرا سفر

کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ۲۵ سال کی عمر میں شام کی طرف دوسرا سفر اختیار کیا۔ (۱)

۱۔ بحدار الانوار ج ۱۶ ص ۹ میں بعض لوگوں سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ (ص) کا یہ سفر تہامہ میں بازار جیا شہ کی طرف تھا۔ اسی طرح کشف الفتح ج ۲ ص ۱۳۵ میں جنابندی کے معالم العترة سے یہی نقل ہوا ہے (مکہ کے اوہر بالائی اور حجاز کے جنوبی حصول کو تہامہ کہتے ہیں)۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت خدیجہؓ کے لئے ایک مبارکہ سفر تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالبؑ کے معاشری حالات بہت خراب ہو گئے اور بس مع شدہ پونچی خرچ ہو گئی تو انہوں نے آپؐ کو اس سفر کی تجویز ہٹلیں کی تھیں آپؐ نے یہ قبول نہ فرمایا کہ خود چاکر حضرت خدیجہؓ سے بات کریں۔ جب حضرت ابو طالبؑ اور حضرت رسول اکرمؐ کے درمیان ہونے والی تکھلوکی خبر حضرت خدیجہؓ (س) تک پہنچی تو انہوں نے آنحضرتؐ کو خود تجارت کی پیشکش کی اور دوسروں کی نسبت دو مکا معاوضہ ادا کیا کیونکہ وہ آپؐ کی چال، نرودست امتدادی اور اعلیٰ اخلاق سے واقف تھیں۔

بعض نے یہاں بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے خود حضرت خدیجہؓ سے بات چیت کی اور انہوں نے بھی کمال شوق اور رغبت سے اپنی رخا مندی کا انعام کیا اور جو معاوضہ و اجرت طلب فرمایا انہوں نے ادا کر دی۔

پس آنحضرتؐ نے شام کا سفر اختیار کیا اس مبارکہ سفر میں آپؐ کو دوسروں کی نسبت کمی کا زیادہ ممانع ہوا اور بہت سی واضح اور روشن کرامات آپؐ سے ظاہر ہو گیں۔ جب قادرؑ کمک وابس پہنچا تو میرہ نے تمام واقعات سے حضرت خدیجہؓ کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے خود اپنے مشاہدات اور میرہ کی باتوں کو اپنے چھڑاؤ بھالی ورقہ بن نواف سے فل کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے یعنی اس میں تکمیل و تزویہ ہے۔ (۱) اس نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ جو کچھ بنا لیا گیا ہے اگر صحیح ہو تو آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ (۲) اس کے بعد جیسا کہ کہا جاتا ہے حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی زوجیت میں داخل ہونے کی کوشش کی۔

۱۔ ورقہ بن نواف کے بارے میں اقوال اور آغاز و سی میں اس کے کردار برہم انشاء اللہ بہت جلد گفتگو کریں گے۔

۲۔ البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۹۶ اور سیرۃ الحلبیة ج ۱ ص ۱۳۶۔

یہن جو کچھ کہا کیا ہے خصوصاً یہ کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرتؐ کو تجارت کے لئے اجیر کیا، تھیں اس میں شک و شبہ ہے کیونکہ انہ داخ المعرفہ بالیعقوبی جیسا معتبر اور موثق مورخ کتاب ہے: ”لوگ کہتے ہیں کہ خدیجہ نے آپؐ کو اجیر کیا ایسا ہرگز نہیں ہے، آپؐ کبھی کسی کے اجیر نہیں ہوئے“۔ (۱)

ثاید رسول اکرمؐ اور ان کے آباء و اجداد کی عزت نفس، پروردگار عالم کی طرف سے آنحضرتؐ کی حافظت و گنگانی کا بعدوبست اور اسی طرح ابوطالبؐ کی عزت و شرافت کے عاظمیں جو کچھ حضرت ابوطالبؐ سے مسوب کیا جاتا ہے وہ سب ان سے بعید ہے۔

بذریع آنحضرتؐ کا سفر ٹائم حضرت خدیجہ کے کارندے کے طور پر نہ تھا بلکہ آپؐ نے نفع میں شرکت کے عنوان سے یا بطور شریک ان کا مال تجارت لے کر ٹائم کا سفر اختیار کیا۔

علامہ مجlesi نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوطالبؐ نے آنحضرتؐ سے حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کرنے والوں کا ذکر کیا اور آپؐ کی تشویق فرمائی ہے تاکہ آپؐ بھی اس کام میں پہل کریں لہذا آپؐ نے ایسا قی کرتے ہوئے ٹائم کا چنانی سفر اختیار کیا۔ (۲) یہ روایت اسی حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ آنحضرتؐ نے نفع میں شرکت کی شرط پر

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱ اس نے سفر السعادۃ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) بعثت کے بعد اور ہجرت سے ہٹے بھجن سے زیادہ خریدتے تھے۔ ہجرت کے بعد صرف تین بار فروخت کا معاملہ کیا البت آپ (ص) کی خرید بہت زیادہ تھی لیکن دوسروں کے ساتھ ان کی شراکت کے بارے میں اختلاف ہے اور بمارے ہاں اس کی تحقیق کی فرصت نہیں ہے۔

۲۔ بخار الانوار ج ۱۶ ص ۲۲ البکری سے نقل ہوا ہے اور ص ۳ ہر الخراج اور ص ۱۸۶ اور ۱۸۷ ہر الجرائح سے نقل کیا گیا ہے۔

تجددت فرمائی۔ اسی طرح ”جبلی“ کی روایت بھی صراحت کے ساتھ مقارنہت پر دلالت کرتی (۱) ہے۔

## رسول اکرمؐ کی حضرت خدیجہ سے شادی

حضرت خدیجہ کا شاد شرافت اور عزت کے لحاظ سے قریش کی بہترین عورتوں میں ہوتا تھا وہ مالدار ترین اور خوبصورت ترین خاتون گئی جاتی تھیں۔ وہ جاہلیت میں انسی طاہرہ کا لقب ریاضیہ تھا اور انہیں ”سیدہ قریش“ کا جاتا تھا۔ ان کے رشد دار ان سے شادی کرنے کے خواہش نہ تھے۔

قریش کے سرداروں نے انہیں شادی کے پیغام بھجوائے اور بہت زیادہ مال کی پیشکش کی۔ ان میں سے عطہ بن الی محيط، صلت بن الی یہاب، ابو جل اور ابو سفیان قابل ذکر ہیں۔ (۲) یعنی حضرت خدیجہ نے ان سب کو تحدرا دوا اور نبی اکرمؐ کے نیک اخلاق شرافت نفس، صفات عالیہ اور عادات کریمہ کی وجہ سے آپ کا انقلاب کیا۔ ہم روایات کی کثرت کے ہمیشہ نظر قطبی طور پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے پہلے آپؐ سے ازویج کرنے کی خواہش کا اعلان کیا۔

پس حضرت ابوطالب رشیعہ کے لئے ان کے گمراہوں کے پاس گئے اور قریش کے چند افراد ان کے سرست اور چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے کیونکہ حضرت خدیجہ کے والد فہد کی لڑائی میں یا اس سے بھی پہلے قتل ہو گئے تھے۔ (۳)

۱۔ بخار الانوار ج ۱۶ ص ۹،<sup>۹</sup> کشف الغمة ج ۲ ص ۱۳۲ میں معالم العترة جنابذی سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ بخار الانوار ج ۱۶ ص ۲۲

۳۔ کشف الغمة ج ۲ ص ۱۳۹<sup>۱۰</sup> بخار الانوار ج ۱۶ ص ۱۲ اور کشف الغمة ص

اور یہ بات قابل تبول نہیں ہے کہ حضرت ابوطالب رشتہ مانگنے کے لئے ورقہ بن نوافل اور حضرت خدیجہ کے پچا کے پاس گئے یا صرف ورقہ کے پاس گئے (۱) کیونکہ اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ صرف عمرو بن اسد کے پاس جانا وقوع پذیر ہوا ہے۔ (۲) لیکن خود ورقہ کے پارے میں ہم نہیں جانتے کیا کہیں؟ جو لوہ ہر جگہ پر شعلہ کا اثر نظر آتا ہے۔ (۳) رسول اکرمؐ سے مربوط کوئی بھی چھوٹا واقعہ ہو یا بڑا یہ پہاں ہڑھ چڑھ کر حاضر ناظر ہوتا ہے اور میں بات میرے لئے تجھک و شہر کا باعث ہے کہ آیا ہے ایک افسانوی شخصیت ہے یا حقیقی۔

ملائکہ کیجئے ایک ہی کردار جو ایک مرد ہے حضرت خدیجہ کے باپ سے شوب کیا جاتا

---

۱۹ ہر واقعی سے نقل کیا گیا ہے۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۸ میں آیا ہے کہ جو کچھ اہل علم کے نزدیک ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جنگ فجار سے ہبھٹے حضرت خدیجہ کے والد دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ اسی طرح تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۶ ہر بھی ذکر ہوا ہے۔

۱۔ بحار ج ۱۶ ص ۱۹ از واقعی، سیرۃ الحلیۃ ج ۱ ص ۱۲۹، الکافی ج ۵ ص ۳۶۵ اور ۳۶۵ اس میں مذکور ہے کہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چھا تھے۔ بحار ج ۱۶ ص ۱۳ اور ۲۱ میں کافی اور بکری سے یہی بات منقول ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ ورقہ تو فل بن اسد کے بھٹے ہیں جبکہ حضرت خدیجہ خوبیلد بن اسد کی اسدنگی بیشی ہیں۔

۲۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۶

۳۔ کہتے ہیں کہ ”بھی شعلہ“ کے ایک شخص سے اس کی قوم نے برا سلوک کیا وہ کسی دوسری جگہ گیا وہاں ہر بھی اس سے برا سلوک کیا گیا تب سے یہ ضرب العثل مشبور ہو گئی کہ برجگہ شعلہ کا اثر ہے۔

ہے، دوسری مرتبہ ان کے پچھا سے اور سیمیری مرتبہ اسی کو درجہ بن نوفل سے لست دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ الفاظ اور جملات بھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں چہ جائیکہ افعال اور واقعات۔ آپ ان روایات کی طرف رجوع کریں اور موازنہ کریں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت خدیجہ کا رشتہ مانگنے کیلئے حضرت ابوطالب گئے تھے نہ کہ حضرت حمزہ جیسا کہ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرہ میں اس پر آٹھا کیا ہے۔ (۱) کیونکہ حضرت حمزہ کا چنان حضرت ابوطالب کو قریش کے ہاں حاصل تدریس و ہدایت کے بیش نظر مناسب لگتا ہے خصوصاً اس وقت جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ رسول اللہؐ سے صرف دو یا چار سال بڑے تھے اس کے علاوہ یہ بات تمام موزعین کے ظریعے کے خلاف بھی ہے۔ بعض افراد نے اس کی یوں تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے حضرت حمزہ حضرت ابوطالب کے ساتھ گئے ہوں لیکن اسے صرف حضرت حمزہ سے شوب کیا گیا ہو۔ (۲) لیکن یہ تاویل بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں پر ایک اور سوال اٹھتا ہے کہ آخر یہ لست حمزہ کے علاوہ قریش میں سے دوسرے ہی ہاشم یا غیرہ ہی ہاشم کے افراد جو حضرت ابوطالب کے ساتھ گئے تھے کی طرف کیوں نہ دی گئی؟

## حضرت ابوطالب اور خواستگاری

بہرحال حضرت ابوطالب نے بہت سے پندرہ سال قتل رسول اکرمؐ کے لئے حضرت خدیجہ کا رشتہ مانگا جیسا کہ مشور ہے اور موزعین کے بقول انہوں نے خواستگاری کے دوران یوں کہا: "الحمد للرب هذا البيت" الذی جعلنا من زرع ابراهیم و ذریة اسماعیل، و

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱، سیرہ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ اسی طرح محب الطبری سے بھی نقل ہوا ہے۔

۲۔ سیرہ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۹

## خدیجہ (س) - ایک اعلیٰ نمونہ

یہاں ہمیں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے نبی اکرمؐ کو ازدواج کی تجویز کے بارے میں کہنا چاہیے کہ ایک آزاد، سمجھدار اور عقائد خاتون ایسا ہی کرتی ہے وہ دنیاوی زرق برق کی وجہ سے مغروہ نہیں ہوتی، وہ لذت برائے لذت یا مال و شرہت کے پیچے نہیں جاتی بلکہ اسے ایسی چیزوں کی تلاش ہوتی ہے جن کے دریے سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد حاصل ہو سکیں اور وہ ان پر عمل کرے جیسا کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے کیا۔

خدیجہ نے زماء قریش جو مالدار، قدرت مند، صاحب اقتدار، طاقتور اور صاحبان جاہ و مقام تھے کو یکسر تھرا دیا۔ اسے ایک مرد فقیر کی تلاش تھی جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اس نے اپنی طرف سے ملکہ سلامؐ کو خادی کا بیویا کیونکہ اس کی نظر میں مذکورہ چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ کبھی کسجدار ہی چیزوں انسان اور اس کی زندگی کی برپادی کا موجب بن جاتی ہیں بلکہ پوری السایت کا خاتمه کر دیتی ہیں۔ خدیجہؓ کے مد نظر صرف اور صرف اخلاقی قابلہ، عادات پسغیرہ، عملی حقیقت پسندی اور ہدف کی بلعدی تھی۔

کیونکہ ان امور کے دریے سے مال و دولت، قدرت و طاقت اور جاہ و عظمت کو تحریک کیا جا سکتا ہے اور ہر چیز کو انسان اور السایت اور اس کے مراتب عالیہ میں کمال کے لئے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

## قریشی عورتوں میں خدیجہ (س) کا مقام

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ تمام موذین اپنے انداز بیان کے ذوق اور طریقہ کار کے اختلاف کے باوجود حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ قریش کی ویسے ترین خاتون تھیں اور اس میں بھی کوئی نکٹ نہیں کہ آنحضرتؐ کی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت خدیجہ افضل ہیں۔

ثاید جلیلبر اکرمؐ کی بعض ازواج کے حضرت خدیجہ (س) سے ان کی وفات کے بعد بھی حمد کا سبب میں ہوا ہی لئے وہ ہمیشہ ان کی عیب جوئی کرتی اور نفس کا لائق رہتی تھیں جبکہ وہ ان کے ساتھ جلیلبر اکرمؐ کے گھر میں ہرگز اکٹھی نہیں رہی تھیں۔ اور ثایدہ بنی اکرمؐ کی ازواج میں فضیلت و برتری محبت و اخلاص بلکہ خوبصورتی کے لحاظ سے بھی ام سلمہ سلام اللہ علیہا کو دوسرا مقام حاصل تھا۔ جیسا کہ امام محمد باقرؑ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

بہرحال حضورؐ کی صاحب جمال و صاحب اخلاق یہاں ہمیشہ ان ہمیوں کی طرف سے ملک قسم کے حمد اور سازشوں کا شکار رہتی تھیں جن کا حسن و جمال سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ یہ یہاں رسول نہ۶ کے سامنے نکمل ادب و احترام کا خیال بھی نہیں رکھتی تھیں بلکہ وہ اپنے اعمال اور کرتوں کی وجہ سے آنحضرتؐ کو تکلیف پہنچاتی تھیں۔ البتہ اس مطلب کی منزد و نظافت آگے آئے گی۔

## کیا حضرت خدیجہ (س) کنواری تھیں؟

بعض افراد کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ ازدواج سے پہلے وہ اور مردوں، عین بن عبد المخزوی اور الجہالہ تمی سے یکے بعد دیگرے شادیاں کیں اور ان دونوں سے آپ صاحب اولاد بھی تھیں۔

لیکن ہم اس دعویٰ کو تک و تردود کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت ساری بائیں سیاسی مخاصم کے لئے گھری گئی ہیں۔ یہاں پر ہم اس اختلافی بحث کو چھینٹنا نہیں چاہتے کہ الجہالہ کون تھا۔ کیا وہ نہایاں بن زرارہ تھا یا زرارہ بن نیاش؟ یا حمد بن مالک اور کیا وہ صحابی تھا یا نہیں؟

ای طرح ہم اس بات کے بھی متعرض نہیں ہوتے کہ خدیجہ کے بطن سے صد ہم کی جو اولاد متولد ہوئی وہ پہلے خادم کی تھی یا دوسراے کی؟ اگر عین بن کا تھا تو یہا تھا وہ نہیں

اور یہ کہ کیا وہ جگ جل میں حضرت علیؓ کے لکھر کے ساتھ مدارکیا یا بصرہ میں طاعون کی بیماری سے وفات پاگیا۔ (۱) ہم ان بخنوں کو طول دیا نہیں چاہتے بلکہ یہاں پر ہم مندرجہ ذل امور کے حذر کرے پر احترا کرتے ہیں۔

اول: انہ شر آشوب کئے ہیں کہ احمد بلادی اور ابو القاسم کوفی نے اپنی اپنی کتابوں میں، مرتضی نے اپنی کتاب ثالثی میں اور ابو جعفر نے تفسیر میں فحیض میں فحیض کیا ہے کہ ”رسول اللہ“ نے جب حضرت خدیجہ (س) سے شادی کی تو وہ باکرہ تھیں۔

اس کی مزید تائید ”الأنوار و البعد“ تاریخ کتابوں میں مذکور اس بات سے ہو جاتی ہے کہ ”رقیق اور زنب حضرت خدیجہ (س) کی بہن بالد کی بیٹیاں تھیں۔“ (۲)

دوم: ابو القاسم کوفی کئے ہیں کہ ”اس امر پر اہل قلم اور احادیث کے ہاتھیں میں سے ہر خاص و عام کا اتفاق ہے کہ قریش کے سرداروں، رؤسائے اور نوجوانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے حضرت خدیجہ (س) کو شادی کا ہیظام نہ بھیجا ہو مگر حضرت خدیجہ (س) نے سب کو مثلی جواب دے دیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان سے شادی کی تو قریش کی خواتین ان سے تاراض ہو گئیں اور ان سے کہارہ کشی اختیار کر لی۔ خواتین ان سے کہتی تھیں کہ ”قریش کے امراء اور رؤسائے تم سے شادی کی خواہش کی تم نے ان سب کو

---

۱۔ ان اختلافات سے مزید آکا ہیں کئے لئے مندرجہ ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کا آہس میں موازنہ کیا جائے۔

الاصابة ج ۳ ص ۶۱۱ اور ۶۱۲، مصعب زیری کی کتاب نسب قریش ص ۴۲  
سيرة حلية ج ۱ ص ۱۳۰ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۳۳۱ اور اسد الغابة ج ۵  
ص ۱۳۱۲ اور ۱۴۱ وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۱۵۹، بحار الانوار، رجال المامقانی اور قاموس الرجال یہ سب مناقب سے نقل کئے ہیں۔

محکرا دیا اور غلبدست، فیر اور احوالات کے تھم سے ٹالی رچالی۔“ - پس ابھی صورت حال میں سمجھدار افزاد کی نظر میں یہ بات کوئی ممکن ہے کہ حضرت خدیجہ قریش کے سرواروں کے رشون کو تو رد کر دے یعنی ہمی تھم کے ایک دریان سے ٹالی کر لے۔ کیا اہل گرد نظر سے واضح طور پر محال اور نایاب ہے یہودہ بات نہیں سمجھتے؟ (۱)

مذکورہ بالآخر گھوٹکو میں اس بات کو کہ ابھی شریف اور حسین و جمیل خاتون اتنی لمبی مدت تک ٹالی دے سکتے ہیں ہوتی ہے از قیاس قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس سے ”الاستغاثة“ کی دلیل کمزود نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی شرافت اور حسن اس امر کی دلیل نہیں ہیں بن سکتا کہ وہ قریش کے سرواروں کو محکرا دے اور ہمی تھم کے اعرابی سے رشتہ جوڑ لے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے باپ یا والی نے انسیں اتنی عمر تک کیوں بخانے رکھا؟ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو واضح ہے کہ ان کا باپ فخار کی رہائی میں تحمل ہو سیا تھا اور والی کے پاس باپ کی ولایت نہیں تھی تاکہ وہ جس سے چاہتا ہے ٹالی پر مجبور کرتا۔ علاوہ ازیں ایک پاک دامن، عظیف اور حسین خاتون کا باکمال اور صاحب فضیلت مرد کے انتظام میں زیادہ مدت کنوواری مشتمل تریا ہے جیسی ہے خصوصاً اس دور میں جب ایسا انسان نایاب ہو۔

سوم: اس مقام پر ان اقوال کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جن میں نبی اکرمؐ کے علاوہ دوسروں سے حضرت خدیجہ (س) کے صاحب اولاد ہوئے کا ذکر ہوا ہے۔

الف۔ بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو اسلام کے سب سے پہلے شید، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے پیٹے حارث بن الی یاءہ تھے۔ (۲)

۱۔ الاستغاثة ج ۱ ص ۶۰

۲۔ ابو ہلال عسکری کی الاولیں ج ۱ ص ۳۱۱ اور ۳۱۲ الاصابة ج ۱ ص ۲۹۳  
یہاں پر ابو ہلال، ابن کلبی اور ابن حزم سے نقل کیا گیا ہے۔

لیکن اس بات کے دعویدار قادرہ کی صحیح سند کے ساتھ فل ہونے والی اس روایت کا کیا جواب دس گے کہ ”اسلام کا اوپرین شید، حضرت عمار یا سر کی ماں سیہے ہیں“۔ (۱) اسی بات مجدد سے بھی فل کی گئی ہے۔ (۲)

ب۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ (س) کی ایک بہن تھیں جن کا نام ”ہالہ“ تھا (۳) اس نے قبیلہ مخوم کے ایک شخص سے شادی کی، اس سے ایک لڑکی باتھ ہالہ ہیدا ہوئی۔ پھر اس نے ایک تمیٰ شخص سے الودن کا جاتا تھا سے شادی کی، اس کی طلب سے ایک بیٹا ہیدا ہوا جس کا نام حمد رکھا گیا۔ اس تمیٰ شخص کی دوسری بیوی سے دو بیٹیاں رقیہ اور زینب نام کی تھیں۔ یہ تمیٰ شخص اور اس کی دوسری بیوی ذیبا سے چل بے۔ اس کے بعد ہد اپنے باپ کی قوم سے ملکن ہو گیا اور حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ اور اس کی دو سوتیلی بیٹیاں اور اس تمیٰ کی دوسری بیوی ہلتی رہ گئیں۔ اس کے بعد یہ عینوں حضرت خدیجہ کے پاس رستے گئیں۔ حضرت خدیجہ کی رسول اللہ سے شادی کے بعد ہالہ کا انتقال ہو گیا اور وہ دونوں لڑکیاں رسول اللہ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہما کے دامن میں پروردش پانے گئیں۔ عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ ”زینبۃ“ (۴) انسان کی بیٹی ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے دو لڑکیوں رقیہ اور زینب کو آنحضرت سے نسب کیا جبکہ وہ حضرت خدیجہ کی بہن کے خادم اور حمد کی بیٹیاں تھیں اور یہی بات خود حمد کے بارے میں بھی ہے۔ (۵)

۱۔ الاصابۃ ج ۲ ص ۲۲۵ اور طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹۳ طبع لندن

۲۔ الاستیعاب حاشیہ الاصابۃ ج ۳ ص ۲۲۱

۳۔ اس کا نام انساب کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے مثال کے طور پر مصعب زیری کی ”نسب قریش“ ص ۱۵۷ اور ۱۵۸

۴۔ اس بھی کو کہا جاتا ہے جو مان باپ کے علاوہ کسی اور کسی گود میں پلا برہا ہو

۵۔ الاستغاثۃ ج ۱ ص ۶۸-۶۹ اور مکارم الاخلاق میں چھاپ شدہ رسالت ص ۶۔

حد کے باب کے ہم پر جو اختلافات پیا جاتا ہے ثابت اسی سے ان روایات کی تائید ہوتی ہو۔ مزید وضاحت کیلئے جن مدارک کا ہم نے پہلی ذکر کیا، انکی طرف رجوع کیا جائے۔

## کیا عثمان کی دو بیویاں ہیغمبرؑ کی بیٹیاں تھیں؟

جو کچھ ہم نے کتاب الاستفاظہ سے ابھی فہل کیا ہے اس کے علاوہ ہم یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ عثمان کی بیویوں کے ہیغمبرؑ کی بیٹیاں نہ ہونے پر ولات کرنے والی ہاتوں میں سے ایک وہ اقوال ہیں جو مذکورہ قول کے مطافی ہیں۔ علاوہ برآں ان میں سے ایک ”حدی“ کا قول ہے جو اس نے سید بن الودعہ اور اس نے قضاۃ سے فہل کیا ہے کہ ”اسلام سے قلیل حضرت محمد مجہد (ص) کے بھن سے آنحضرتؐ کا ایک بیٹا عبد مناف پیدا ہوا اور اسلام کے بعد انہوں نے دو بیٹوں اور چار بیٹیوں کو جنم دیا۔ ایک بیٹے کا نام قاسم تھا، جس کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ یہ کچھ جب چلنے کے قابل ہوا تو فوت ہو گیا۔ دوسرا بیٹے کا نام عبدالله تھا یہ ایام طفویت میں وفات پا کیا اور بیٹیوں کے نام ام کنومن، زینب، رقیہ اور قاطمہ تھے۔ (۱) قطلانی اپنے کلام کے درویش کہتا ہے ”کما کیا ہے کہ ہیغمبر اکرمؐ کا ایک بیٹا بام عبد مناف بخت سے قلیل پیدا ہوا اور یوں آپؐ کی اولاد کی تعداد ہارہ تک پہنچ چالی ہے سوائے اس بیٹے کے باقی سارے بخت کے بعد متولد ہوئے۔ (۲) جیسا کہ بعض افراد نہایت صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک صحیح ہی ہے کہ رقیہ ان سب سے چھوٹی تھیں یعنی جناب قاطمہ (ص) سے بھی چھوٹی تھیں۔ (۳)

۱۔ البداء والتاريخ ج ۵ ص ۱۶ اور ج ۳ ص ۱۳۹

۲۔ المواهب اللدنیۃ ج ۱ ص ۱۹۶

۳۔ سیر جانی کی الاصابة ج ۳ ص ۲۰۲ کی طرف رجوع کیا جائے، الاستیعاب

(الاصابة کی حاشیہ کی ساتھ) ج ۳ ص ۲۹۹ اور نسب فرش ص ۲۱

ان باتوں کی روشنی میں یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے اور ہم کیونکہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کی ان دو بیٹوں کی ثادی دور جاہلیت میں الہ اوب کے دو بیٹوں سے ہوئی جب اسلام آیا تو وہ ان سے جدا ہو گئیں۔

مقداری کھاتا ہے کہ ”پس رسول اللہ نے رقیہ کی ثادی عثمان بن عفان سے کر دی اور رقیہ نے عثمان کے ساتھ دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پہلی ہجرت کے بعد ان کشی میں ان کا حل ساقط ہوا۔ (۱)

ہم کیسے اس بات پر یقین کر لیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت بحث کے پانچوں سال انجام پائی۔ اس صورت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ رقیہ بحث سے پہلے الہ اوب کے بیٹے سے ثادی کرے پس اس سے علیحدگی اختیار کر کے عثمان سے لکاح کرے اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس سے حاملہ بھی ہو جائے۔ حالانکہ وہ بحث کے بعد پیدا ہوئی تھی یہ بات واقعاً عجیب و غریب ہے۔

یعنی مطلب اس امر کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے کہ رقیہ جو عثمان کی بیوی تھی وہ اس رقیہ کے علاوہ بھی جس کے پارے میں اداکاری کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں اور بحث کے بعد متولد ہوئی تھیں۔ پس اس با پر عثمان سے ثادی کرنے والی رقیہ آنحضرتؐ کی سیہ بیٹی ہو سکتی ہے نہ کہ اُپر کی حقیقی بیٹی۔ البتہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ عرب کے لوگ انسان کی رسیبہ کو بھی اس کی بیٹی کہتے ہیں۔ ام کنوں کے پارے میں بھی یعنی جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی بحث کے بعد پیدا ہو گیں۔ (پس وہ لڑکی جس نے دور جاہلیت میں الہ اوب کے بیٹے سے ثادی کی ہو اور اسلام آئنے کے بعد عثمان کی دوسری بیوی قرار پائی ہو، مثلاً بر اسلامؐ کی بیٹی نہیں ہو سکتی)۔

کیا زیست رسول اللہ کی بیٹی تھی یا رسیبہ  
ہم اطیبان اور یقین سے نہیں کہ رَبِّ آنحضرتؐ کی دختر تھی۔ اس کی چد  
و چوبات ہیں۔

۱۔ مغلطائی حضرت خدیجہ (س) کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہے ”پھر اس  
نے ابو پال نباش بن زدارہ سے شادی کی اور اس شوہر سے اس کی اولاد حصل، جو ش اور زب  
ہوئی اور خود اس (خدیجہ) کی کفیت ام حمد قرار پائی اور اسے ظاہرہ پکارا جانے لگا۔“ (۱)  
۲۔ عمرو بن دیبار روایت کرتا ہے کہ اسے حسن بن محمد بن علی نے نبڑی ہے کہ  
”ابوالعاص ابن رجیق بن عبد العزیز بن عبدالرشیس بن عبد معاف جو خدیجہ کی بیٹی کا شوہر تھا،  
قید ہو کر حموراکرمؐ کے پاس لاایا کیا ہے جلبرؐ کی دختر زب نے آزاد کر دیا۔“ (۲)  
اس میں لکھتے یہ ہے کہ پہلے اس نے اسے خدیجہ کی بیٹی سے تعمیر کیا ہے جو اس بات  
کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جلبرؐ کی بیٹی نہیں تھی اگرچہ بعد میں اسے رسول اللہ کی بیٹی کے  
طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ چونکہ آنحضرتؐ  
نے اسے پالا تھا اس نے وہ باپ کا درجہ رکھتے تھے بصورت ویگر اس نے پہلے کیوں اسے  
حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہ سے لستہ دی ہے اور صرف ان کی بیٹی قرار دی۔

۳۔ شیخ محمد حسن آل یاسین زب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”بعض تأخذ کے  
مطلوب جب آنحضرتؐ کی عمر ملک ۲۰ سال تھی تو زب پیدا ہوئی (۲) اور ابوالعاص بن

۱۔ سیرۃ مغلطائی ص ۱۲

۲۔ حافظ عبد الرزاق کی المصنف ج ۵ ص ۲۲۳

۳۔ اسد الغابة ج ۵ ص ۳۶۷، نہایۃ الارب ج ۱۸ ص ۲۱۱ اور الاستیعاب حاشیہ

الاصابة ج ۳ ص ۲۱۱

ریح نے اس سے قلیل از بحث شادی کی اور اس سے اس کے دو پیچے پیدا ہوئے ایک کا ہام  
علیٰ تھا جو پہنچنے میں فوت ہو کیا دوسراے کا نام امام تھا جو اسلام کی ابتداء میں ہی ماں کے  
ایمان لانے کے ساتھ ایمان لے آیا۔<sup>(۱)</sup>

یہ بات غیر معمول ہے کیونکہ ایک ۱۰ سالہ لڑکی کے لئے کیسے عکن ہو سکتا ہے کہ وہ  
اس عمر میں شادی کرے اور ایک پیچی کو جنم دے وہ اتنی بڑی بھی ہو جائے کہ بحث کے  
آغاز میں ہی اپنی ماں کے ہمراہ ایمان بھی لے آئے۔ جبکہ خود اس کی بیعنی ماں کی عمر کے  
ابھی ۱۰ سال بھی پورے نہ ہوئے ہوں۔<sup>(۲)</sup>

ان مذکورہ مطالب کی وضاحت کے بعد ہم دلائق اور اعتقاد سے یہ بات نہیں کہ سکتے کہ  
عثمان نے آنحضرتؐ کی دو بیٹیوں سے عهد کیا کیونکہ قوی احتمال یہ ہے کہ وہ آپؐ کی ریبہ  
(لے پاک) بیٹیاں ہجیں۔ اور اسی طرح یہ نسبت دینا کہ زینب اور العاص کی زوجہ ہجیں  
بھی اطیبان آور نہیں ہے۔

## علیؑ کے رقیب

شاید دوسروں کی طرف سے ان کو رسول اللہؐ کی بیٹیاں ثابت کرنے کا اور اسے مسلط  
میں کچھنے کا سب حضرت علیؑ علیٰ السلام کے بیرونی فحائل کے مقابلے میں رقیب سازی ہو۔  
ای وجوہ سے انہوں نے عثمان کو ”ذو النورین“ کے لقب سے نوازا ہے جبکہ وہ جانتے ہیں  
کہ ان دو بیٹیوں کے ساتھ عثمان کا وہ رویہ نہ تھا جس طرح یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں  
جیسا کہ ہم ان دونوں کی وفات کے حوالے سے کھنوں میں اس طرف اشارہ کریں گے الشاء اللہ  
تعالیٰ۔

۱۔ کتاب النبوة حاشیہ ص ۶۵

۲۔ کتاب النبوة ہر شیخ محمد آل یاسین کے حاشیہ ص ۶۵ کی طرف رجوع کریں۔

یہیں اس خود ساخت روایت کی حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے حضرت علیؓ کے ساتھ ابو جمل کی لڑکی کی شادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ نے ابو العاص کی کپ سے دامادی کو سزا بنا اور یہ علیؓ پر تحریک کرنے کے لئے ہے۔ وہی علیؓ جس کی عیب جعلی اور بے حرمت بیان کرنے کے وہ درپے تھے۔ اس جعلی حدیث کے متعلق بھی ہم بہت جلد صحقو کرس گے الشاء اللہ تعالیٰ۔

**رسول اللہ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر**

حضور اکرمؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی عمر کیا تھی؟ اس بارے میں خلاف اقوال فضیل ہوتے ہیں۔ بعض ان کی عمر ۲۵ سال بتاتے ہیں، بعض ۲۸ سال، کچھ ۳۰ سال، کچھ ۴۰ سال اور کچھ ۶۰ سال بیان کرتے ہیں، اور ایک گروہ ۵۵ سال ذکر کرتا ہے۔ (۱) کچھ افراد پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں (۲) جبکہ موزعین کے درمیان قول بہتر مشہور ہے اور آخر اسی کو پسند کرتے ہیں۔

### **امیر المؤمنینؑ کی تاریخ ولادت**

حضرت علیؓ کی تاریخ ولادت کے بارے میں تقریباً بارہ قول موجود ہیں جن میں کپ کی تاریخ ولادت ۱۶ سال قلیل از بیت سے لے کر ۱۶ سال قلیل از بیت تک باتی گئی ہے۔

۱۔ تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۶۳، سیرہ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۰، سیرہ مغلطیاں ص ۱۲  
بحار الانوار ج ۱۶ ص ۱۲ و ۱۹ اور البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۹۵ کی طرف  
رجوع کریں۔

۲۔ جلال مظہر نے اپنی کتاب ”محمد رسول اللہ“ سیرتہ و اثرہ فی الحضارة“ میں  
اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن اس ترجیح کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

کچھ تو ۲۰ سال اور بعض ۲۲ سال قبل از بخت بھی باتے ہیں۔ (۱)

۱۔ مذکورہ اقوال کو کلی یا جزوی طور پر مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

\* عبد الرزاق کی کتاب المصنف ج ۵، عقد الفرید ج ۳ ص ۳۱۱، انساب الاشراف، مقائل الطالبین ص ۲۶، الانس الجلیل ج ۱ ص ۱۴۸، التہذیب ج ۷ ص ۳۳۶ الاولی، تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۷۹ نے شواہد النبوة سے نقل کیا ہے، طبقات ابن سعد طبع لندن ج ۳ ص ۱۲، ابن قیمۃ کی المعارف ص ۵۱، حیات الحبوان ج ۱ ص ۵۲، بحار الانوار، بنایع المودة، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۳، ذخائر العقی ص ۵۸، الاستیعاب، سنن البیهقی ج ۶ ص ۲۰۶، نزہۃ المجالس، مناقب الخوارزمی، اسد الغابة ج ۳ ص ۱۸-۱۶، البداۃ و النہایۃ، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۰۲، فتح الباری ج ۷ ص ۵۶، احقاق الحق ج ۷ ص ۵۲۸-۵۵۳۔

\* بعثت سے ۱۰ سال قبل والا قول ان کتب میں ذکر ہوا ہے: الفصول المهمة از ابن الصیاغ ص ۱۲، الاستیعاب ج ۳ ص ۳۰ ط صادر، طبقات ابن سعد طبع مصر ج ۳ ص ۲۱، سیرۃ ابن هشام ج ۱ ص ۲۶۲، الکافی ج ۱ ص ۳۴۶ ارشاد المفید ص ۹، اعلام الوری ص ۱۵۳، مناقب آل ایطالب ج ۲ ص ۷۸، تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۸۶، مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۱۱، تلخیص مستدرک ذہنی کے حاشیہ کے ساتھ، مناقب الخوارزمی ص ۱۶، تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶ البداۃ و النہایۃ ج ۳ ص ۲۶، ذخائر العقی، انساب الاشراف اور احقاق الحق کے ملحوظات کی صاتوں جلد۔

\* قبل از بعثت ۱۲ سال بھٹے والے قول کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں: البحار ج ۲۵ ص ۷، احقاق الحق ج ۷ ص ۵۲۹ از نہایۃ الارب ج ۸ ص ۱۸۱

ان اقوال کی تعداد بہد سے کم ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ بحث سے پڑے ۱۲ سال والے نظریے اور ۱۵ سال والے نظریے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر دوسرے نظریے کا قائل نبوت کے پلے تین سالوں کو شارع کرتا ہو کیونکہ اس عرصے میں آنحضرت ﷺ آنکھلا طور پر اسلام کی دعوت نہیں دی تھی اور شاید کے میں آپؐ کی مدت نبوت کے ہمارے میں اختلاف (کہ ۱۰ سال تھی یا ۱۲ سال) کا سبب بھی ہی نہ کہ ہو۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ اسلام کی تین یہ دعوت ۵ سال تک جاری رہی۔ اس نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے ہست سے اقوال میں موجود فرق کو کم کیا جاسکتا ہے اور اقوال کو یکجا کیا جاسکتا ہے لیکن بہر حال یہ صرف ایک احتیال ہی ہے۔

بہر حال اگرچہ ۱۲ سال والا نظریہ الہیت سے نہل ہوا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک اور قول بھی الہیت سے روایت ہوا ہے جس کے مطابق آپؐ کی ولادت بحث سے ۱۰ سال قبل ہوئی۔ اور یعنی قول ہمارے علماء اور دوسروں کے درمیان مشور ہے جیسا کہ مندرجہ بالامطابع سے ظاہر ہوتا ہے۔

ای ویل کی بنا پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یعنی نظریہ جو مشور بھی ہے قابل اعتقاد اور معتبر ہے بالخصوص جب یہ الہیت جو سب سے اعلم ہیں، سے مخول ہو۔

اور الاستیعاب ج ۳ ص ۳۰۔

مذکورہ اقوال میں سے بہت سے مندرجہ ذیل منابع سے نقل کئے گئے ہیں:

- \* اکمال الرجال ص ۶۸۴، روضۃ الندبیة ص ۱۳، احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۹۰، انباء الرؤاۃ فی انباء النجاة ج ۱ ص ۱۱، نہایۃ الارب ج ۸ ص ۱۸۱، المختصر فی الاخبار البشر ج ۱ ص ۱۱۵، نظم درر السلطین ص ۸۱ اور ۸۲، ریاض النضرة ج ۲ ص ۱۵۶، الغرة المنیفة ص ۱۶۶، زرقانی کی شرح الموابد ج ۱ ص ۲۲۲، طبقات المالکیۃ ج ۲ ص ۶۱ اور المصباح الكبير ص ۵۶۰۔

البتہ بعض افراد نے اس نظریے سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مخصوص طرزِ کھر کے تحت خاص تائج حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ علیؑ بیچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے تاکہ مردوں میں سے لاوکر سب سے پہلے ایمان لائے والے بن جائیں۔ یہ بات کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ہم ”حضرت علیؑ کے اسلام“ کے عنوان کے فلسفہ میں بحث کریں گے۔

### دو ہاشمیوں سے متولد ہونے والا پہلا ہاشمی

حضور اکرمؐ کے بعد افضل ترین ہمتی جس نے دامن وہی میں پورش پائی اور سینہ نبوت سے غذا حاصل کی جتاب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شخصیت ہے، جو پہلے ہاشمی فرد تھے، جو مل باب دونوں کی طرف سے ہاشمی اور قریشی تھے، ان کے والد گرامی حضرت ابوطالبؓ، شیخ الائٹ تھے اور والدہ ماجدہ قاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ جتاب تھیں اور ان کے علاوہ دوسرے حرات کہتے ہیں کہ ”حضرت علی علیہ السلام وہ پہلے ہاشمی تھے، جو د طرف سے ہاشمی تھے“ اور اسی سے ملتے جلتے لفاظ دوسروں نے بھی ذکر کئے ہیں۔ (۱)

علامہ بخشی نے اس بارے میں کہا ہے کہ حضرت علیؑ کس طرح پہلے ہاشمی الطرفین ہاشمی ہو سکتے ہیں جبکہ ان سے پہلے ان کے میں نے بھائی طالب، عقیل اور جابر پیدا ہو چکے تھے اور علیؑ کی ولادت کو اسلام سے مقید کرنا اعتراض کو حل نہیں کرتا جیسا کہ شیخ طویل نے حدیث میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ کیونکہ اگر مراد یہ ہو کہ علیؑ

۱۔ کافی ج ۱ ص ۳۷۶ مصعب زیری کی نسب فریش ص ۱۶، شیخ طویل کی التهذیب ج ۶ ص ۱۹، البخاری ج ۲۵ ص ۵ از تہذیب و کافی، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶ اور ج ۵ ص ۵۱۶ اور ابن الصیاغ کی فصول المجمعة ص ۱۳۔

بخت خاطر بر کے بعد دنیا میں تشریف لائے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس پر سب متعین ہیں کہ ان کی ولادت بخت سے پہلے ہوئی ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ رسول اللہ کی ولادت کے بعد بنی ہاشم میں فقط وہ پیدا ہوئے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے آخر بھائی رسول اللہ کی ولادت کے بعد پیدا ہوئے تھے علاوہ ازیں یہ اصطلاح ناماؤں اور غیر مشهور ہے۔ (۱)

صحیح بات یہ ہے کہ ”حضرت علی علیہ السلام کی مادر“ گرامی ہمیلی ہاشمی خاتون ہیں جس نے ہاشمی مرد سے ہاشمی پیچے کو جنم دیا“ جیسا کہ یہی بات محنی، شید اول اور ان کے علاوہ ”رسول نے بھی کی ہے۔ (۲)

### امیر المؤمنینؑ کی کعبہ میں ولادت

روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خصوصی طور پر انہیں عطا کی جو ان سے پہلے کسی کو حاصل تھی نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوگی۔ اس حقیقت کو بڑے بڑے علماء اور رایان حدیث کی بہت بڑی تعداد نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شراء اور ایاء نے اسے نظم و شعر میں پروایا ہے۔

---

۱۔ بخارج ۳۵ ص ۶

- ۲۔ بخار (ج ۳۵ ص ۶) نے شید اول کی کتاب دروس سے نقل کیا ہے، معتزلی کی شرح نهج البلاغہ ج ۱ ص ۱۲ اور ج ۱۵ ص ۲۶۸، البدھ و التاریخ ج ۵ ص ۱۷ نسب قریش (مصعب کی کتاب) ص ۴۰، نزہۃ العجالس ج ۲ ص ۱۶۵ طوب قبوسرای کی لائبریری میں موجود ابن نعیم کی خطی کتاب معرفۃ الصحابة نمبر A۳۹۶/۱ ورق نمبر ۱۹ نیز ذخائر العقبی ص ۵۵ اور ابن قبیۃ کی المعارف ص ۸۸۔

شیعوں کے نزدیک یہ روایت مخفیہ ہے اسی طرح غیر صحیح شید میں بھی یہ روایت مخفیہ صورت میں ذکر ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ حاکم اور دوسرے حضرات اس بارے میں یوں کہتے ہیں: ”اس بات پر کہ حضرت قاطمہ بت اسد نے حضرت علی ابی طالب کرم اللہ وجہ کو کعبہ کے اندر جنم دیا روایات متواتر ہیں۔“

علماء اور موذنین کی ایک تعداد نے بطور صریح بیان کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی پچھے بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ (۱)

---

۱۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں:

\* مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۳۸۳، تلخیص مستدرک کے اس صفحہ کا حاشیہ، نور الابصار ص ۷۶، ابن صباغ کی فضول المهمة ص ۱۲، گنجی شافعی کی کفاية الطالب ص ۷۰۷، ابن مغازی کی مناقب الامام امیر المؤمنین ص ۷، اس میں ان کی ولادت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اسد الغایۃ ج ۳ ص ۳۱ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۹، نزمه المجالس ج ۲ ص ۲۰۳، تذكرة الخواص ص ۱۰، صاحب غدیر نے اپنی کتاب ج ۶ کے ص ۲۲-۳۸ ہر دسیوں مصادر سے نقل کیا ہے مثلاً دھلوی کی ازالۃ الخفاء، الائوسی فی شرح الخربۃ الغیبة ص ۱۵، مروج الذهب ج ۲ ص ۲، شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۵۱، محمد صالح ترمذی کی المناقب لمحمد، آئینہ تصوف ص ۱۳۱۱، روایح المصطفیٰ ص ۱۰، سید علی جلال الدین کی کتاب الحسین ج ۱ ص ۱۶ اسی طرح اس نے دسیوں امامیہ کتب کا بھی حوالہ دیا ہے۔

\* ملاحظہ کریں: احقاق الحق ہر سید نجفی کا تعلیقہ ج ۷ ص ۳۸۶-۳۹۰ ارجع المطالب ص ۳۸۸ سے نقل کرتے ہیں۔ محاضرة الاولیاء ص ۶۹، بلخی اپنی کتاب (طبع بیشی کی) تلخیص ص ۱۱، ابن طلحة کی مطالب السنوی ص ۱۱،

سید حمیری (عوْنَى سے اجبری) کہتے ہیں:

ولدتہ فی حرم اللہ و امنہ و الیت حیث نقاہ و المسجد

۔ اس کی ماں نے اسے (علیٰ کو) حرم امن الی اور اللہ کے گھر میں پیدا کیا جس  
پر اطراف میں مسجد تھی۔

عبد الباقی الغمری کہتے ہیں:

انت العلی الذى فوق العلی رفعا بیطعن مکة وسط الیت اذ وضعا

۔ تو وہ علی ہے جو ہر بلندی سے بالا ہے کیونکہ تو کہ میں خلائق خدا کے وسط میں  
پیدا ہوا ہے۔

لیکن علیؑ کے دشمن اپنے بغض و کینہ کی وجہ سے ان کی اس فضیلت پر جو اللہ تعالیٰ  
نے ان سے مخفی کی ہے، ان سے حد کرنے لگے اور اسی بات کے باشندوں نے  
اس پرے میں علماء، موذخین اور رادیان حدیث کے نظریات کو یکسر تھکرا دیا اور ان کی  
گاراء کو دیوار پر دے لدرا۔

جبیاکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کمال دیدہ ولیری اور پوری مطلالی کے ساتھ اس فضیلت کو  
حضرت علیؑ کے سوا دوسروں کیلئے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو پیغمبر حضرت علیؑ  
کیلئے ثابت ہے اس میں تھوک پیدا کرتے ہیں۔ کتاب فور کا صحن لکھتا ہے: «حکیم بن حرام

---

فقال شافعی کی فضائل امیر المؤمنین (خطی نسخہ)، مفتاح النجاء ص ۲۰ (خطی)  
اعلام الوری ص ۹۳، اسی طرح الاستیعاب شواهد النبوة و کنز الحقایق سے  
بھی نقل ہوا ہے۔

\* اس مسئلے میں مکمل طور پر مآخذ اور منابع کی تحقیق کرنا اختصار کے پیش  
نظر یہاں پر ایک مشکل کام ہے یہاں پر جو کچھ کیا گیا ہے وہ ابل حق اور حق  
کے متلاشی کے لئے کفایت کرتا ہے۔

کعبہ کے اندر پیدا ہوا اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہم نہیں جانتے اور جو کچھ علیٰ کے متعلق فہل ہوا کہ وہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے وہ علماء کے نزدیک ضعیف ہے۔ (۱) اس کے بعد حلی اور دیار بکری نے ان دو نظریات کو آپس میں مجمع کرنے اور سازگار بنانے کی کوشش کی اور یہ احتال دیا کہ ممکن ہے دونوں کی ولادت کعبہ میں ہوئی ہو۔ (۲) لیکن جذاب حلی اور جذاب دیار بکری، ایسا نہیں ہے۔ ان دو نظریات کے درمیان توافق کیونکر ممکن ہے جبکہ علماء کی ایک بہت بڑی تعداد جن کے ہام ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں اور دوسرے علماء جن کے ہام اندر اور دوسری کتب میں مذکور ہیں، اس بات پر مصر ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا نہ ان سے پلے اور نہ بعد میں۔ اور یہ ایک الحی فضیلت تھی جسی بے عالم النسبیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف علیٰ سے مختص کیا ہے۔ اکپ کس بنیاد پر ان دو نظریوں کو مجمع کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حاکم صریحًا کہتا ہے کہ امیر المؤمنین علیؑ کی خالہ کعبہ میں ولادت کے بارے میں روایات متواتر ہیں۔

## حکیم بن حرام کیوں؟!

حکیم بن حرام کیلئے اس فضیلت کو ثابت کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ نبیوں کو اس بات سے غرض تھی، کیونکہ وہ نبیر کا چیخزاد بھائی ہے اور چیخزاد ہونا نبیر کی اولاد کے برادر ہے، وہ حکیم بن حرام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیز ہے اور نبیوں کا سلسلہ اب بھی اسد بن عبد العزیز پر ختم ہوتا ہے۔ حکیم فتح کہ کے بعد مسلمان ہوا۔ اس کا شمار «موالۃ

۱۔ دیکھئے سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۹ کعبہ میں انکی ولادت کا ذکر ان کتب میں بھی موجود ہے۔ اسد الغابة ج ۲ ص ۱۳۰ الاصابة ج ۱ ص ۲۲۹ اور الاستیعاب حاشیہ الاصابة ج ۱ ص ۳۲۰

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۶۹ اور سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۹۔

قوہم ” میں ہوتا ہے۔ (۱)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لالج کی ذخیرہ انہوزی کرتا تھا، (۲)  
حضرت عثمان کا نزدست حائی تھا، اور طبری کی تغیر کے مطابق اس نے حضرت علیؑ سے  
کثیر کشی اختیار کی اور کسی بھی جنگ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔ (۳)

اس صورت حال میں نبیر بن بکار اور مصعب بن عبد اللہ (۴) کہ جن کے نیزی  
اغراض کے حال ہونے میں کوئی بحکم و شہادت نہیں ہے، کیوں نہ یہ روایت کریں کہ حکم  
کے سوا کوئی اور کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ ان کی یہ بات تمام متواتر روایات کے  
خلاف ہی کیوں نہ ہو اور ان تمام اقوال کے برخلاف ہو جو صربماً یہ کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ  
میں امیر المؤمنین علیؑ سے پہلے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں۔

### خانہ کعبہ کی تغیر

کہا جاتا ہے کہ میں ایک نزدست سیالب آیا اور کعبہ کے ارد گرد سیالب سے  
حائلت کے لئے جو جد بیان کیا تھا اسے توڑ کر سیالب کعبہ میں داخل ہو گیا اور اس کی  
دیواروں میں شکاف ڈال دیئے (درازیں ڈال دیں)۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے ایک خاتون، خانہ  
کعبہ کو ”عو“ (اگرچہ) کے دھویں سے یا کسی اور پیز سے خوبصورت کھلا چاہ رہی تھی کہ  
اچک ایک چکاری کعبہ کے غلاف پر جا پڑی اور اسے الگ کرنی اس کی وجہ سے کعبہ کی  
دیواروں کو کافی نقصان پہنچا۔ (۵) اس واقعہ کے بعد سیالب آیا جس کی وجہ سے دیواریں مزید

۱۔ الاصابة ج ۱ ص ۳۲۰ الاستیعاب ج ۱ ص ۹۹۷۹ (اصابة کا حاشیہ)۔

۲۔ وسائل الشیعہ کتاب تجارت ص ۳۱۶

۳۔ قاموس الرجال ج ۳ ص ۲۸۶

۴۔ الاصابة ج ۱ ص ۳۳۹ اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۸۳

خراب ہو گئیں یاں تک کہ کسی وقت بھی ان کے گرنے کا نظرہ پیدا ہو گیا۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ آتشزدگی کا واقعہ این زیر کے دور میں وقوع پذیر ہوا۔

مشور جوزج علیؑ نے اس احتال کی بنا پر کہ دوبار آتشزدگی ہوئی ہو ان دو اقوال کے باہمی تفاہ کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱)

ہم یہ کہتے ہیں کہ آتشزدگی کے واقعے کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کی وجہ میں اسی کے خلاف اس نفرت اور غصے کی شدت میں کمی پیدا کرنا ہے جو ان کی خانہ کعبہ کی بے حرمتی اور بے اہلی کرنے کی وجہ سے لوگوں میں نفڑ کر گئی تھی۔ انہوں نے پہلے تو خانہ کعبہ پر مسجدین سے حملہ کیا اور ہمراستے آگ لگا دی (کعبہ کی دیواروں میں شکاف کی وجہ میں تھی)۔ این زیر نے جلتی ہوئی حالت میں خانہ کعبہ کو چھوڑا تاکہ لوگ اسے جلاتا ہوا دیکھ لیں اور پھر اسی بات کو بنیاد بنا کر وہ لوگوں کو اہل قام کے خلاف ابھار کے۔ (۲)

بہرحال باہرا جو بھی ہو، رسول اکرمؐ کی بحث سے پہلے قریش اس بات پر متعق تھے کہ خانہ کعبہ کی پرانی حدالت کو گرا کر اسے سرے سے تعمیر کیا جائے اور اسکے دروازے کو بلند کیا جائے تاکہ یہ سے وہ چاہیں صرف وہی کعبہ کے اندر داخل ہو اور اسکے علاوہ کوئی اور

۵۔ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج ۵ ص ۳۱۹، البداية والنهاية ج ۲ ص ۳۰۰

(دونوں نے زہری سے نقل کیا ہے)۔

۱۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۱

۲۔ صحیح مسلم حاشیہ القسطنطیلی ج ۶ ص ۱۸، این اثیر کی الكامل ج ۳ ص

۱۲۲ اور کامل میں بخاری سے ایک اور قول بھی نقل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ این

زیر کے دور میں جو آگ لگی تھی اس کی وجہ این زیر کے ساتھیوں کا کعبہ کے

ارد گرد آگ کا جلاتا تھا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے اقوال ذریعے سے بنی امیہ اپنے

جرائم کو این زیر اور اس کے ساتھیوں کے سر تھوٹھا چاہتے ہیں۔

داخل نہ ہو سکے۔ اس کام کیلئے انہوں نے حلال رقم میا کی جو زنا، رہا و لوث مار سے حاصل نہیں ہوئی تھی یا قطع رحمی، بک حرمت یا کسی دوسرے کے ذمہ کا موجب بھی نہیں تھی۔ (۱) ہر قبیلے نے اپنے طور پر انحرافوں کی جمع آمدی شروع کی اور آپؐ بھی انھیں جمع کرنے میں شرک تھے۔ ولید بن مخیرہ پلا شخص تھا جس نے کعبہ کو گرانے کی ہست بعد حوالی۔ فرشش نے بیت اللہ کے گرانے اور جدید تعمیر کے کاموں کو مختلف قبائل کے درمیان تقسیم کر دیا اور ہر قبیلے کے لئے ایک مخصوص حصہ دیا گیا اب بہایہ مسئلہ کہ کوئی واحد کس قبیلے کے دستے کا اس بارے میں موڑھیں کے درمیان اختلاف ہے۔ (۲) اور اس بات کی چنان ضرورت بھی نہیں ہے کہ ان میں سے ہم کسی قول کی ثقیلی کریں یا اس کی تائید کریں خصوصاً ایسے موارد میں جن ہر فرقہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسی چیز کو حاصل کرے جو اس کی علت اور شرافت کا موجب ہے۔

غائب کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی تاریخ کے بارے میں بھی موڑھیں کے اقوال مختلف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ”اس کی تعمیر حضرت رسول خداؐ کے بلوغ کے زمانے میں ہوئی یعنی عام الفیل کے ۱۵ سال بعد ہوئی۔“ (۳) وہ سراً قول یہ ہے کہ تعمیر کا واقعہ عام الفیل کے ۲۵ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ (۴) تھیساً قول یہ ہے کہ سن ۲۵ عام الفیل میں تعمیر واقع ہوئی یعنی بخت سے پانچ سال قبل۔ (۵)

- ۱۔ سیرۃ ابن هشام ج ۱ ص ۲۰۶ البداۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۳۰۱ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۱
- ۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۷ البداۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۳۰۲ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۳
- ۳۔ عبدالرزاق کی کتاب ج ۵ ص ۳۱۸ البداۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۳۰۰
- ۴۔ البداۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۳۰۰ (موسی بن عقبہ، مجاذد، عروہ اور محمد بن چبر بن مطعم سے نقل کیا ہے)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۷۹ عن تاریخ یعقوب۔
- ۵۔ ابن ہشام کی سیرۃ نبویۃ ج ۱ ص ۲۰۳ البداۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۳۰۰

## حجر الاسود کی تنصیب

جب بیت اللہ کی تعمیر کا کام حجر اسود کے نصب کرنے تک پہنچا تو قریش کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ وہ اس مقدس کام کی سعادت حاصل کرے۔ یہاں تک کہ نوبت علواروں تک پہنچنے کے قریب ہوئی۔ اسی موقع پر بنی عبدالدار اور بنی عدی کے افراد خون سے بھرے ہوئے برتن اپنے ساتھ لائے انہوں نے اپنے ہاتھ خون میں ٹوکر قسم کھالی کہ اپنے خون کے آخری قطرے تک ڈٹے رہیں گے۔ بنی کسم اور بنی محزوم بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ (۱) یہیں سے انہیں "تعقة الدم" یعنی خون چاٹے والے کا جانے لگا۔ (۲)

جب نوبت یہاں تک کن پہنچی تو الواسیہ بن العیرو (ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے والد) جو قریش کے اہل خاء میں سے تھے۔ بالاذری کہتا ہے کہ وہ الظھیر بن العیرو تھے) نے ایک اس طرح راہنمائی کی کہ باب السلام سے جو بھی پہلے داخل ہو وہ اس بات کا فیصلہ کرے۔ باب السلام - وہی باب بنی شیبہ - یا بقولے جو باب صفا سے داخل ہو وہ فیصلہ کرے۔ اسی وقت رسول اللہ سب سے پہلے اس دروازے سے اندر داخل ہوئے جب انہوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو امین ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ محمد ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ در جاہلیت میں قریش اپنے جھگڑوں کو حل کرنے کے لئے بنی اکرم کی خدمت میں آتے تھے کیونکہ وہ فیصلہ کرتے وقت کسی کو غاطر میں نہیں لاتے تھے اور وہ ہی وہ کسی سے جھگڑا کرتے تھے۔ (۳)

۱۔ شرح نبیج البلاغۃ معتبر لی ج ۱۳ ص ۱۲۹

۲۔ ابن بشام کی سیرۃ نبویۃ ج ۱ ص ۲۰۹، البداۃ و النهاۃ ج ۲ ص ۲۰۳

۳۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۵

جب انہوں نے حضور اکرمؐ کے سامنے مارا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے ایک کپڑا طلب کیا یا اپنے قیس کو پھیلایا (البتہ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں) اور پھر اپنے پا چوں سے پتھر کو اٹھا کر اس کپڑے میں رکھ دیا اور ہر قبیلے سے کما کر وہ اس کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں۔ پھر سب نے مل کر اپنے اٹھایا جب اس مقام تک اپنے لے کئے جانے مجرم الاسود کو رکھا تھا تو آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے اٹھایا اور اس کے مقام پر رکھ دیا۔

### اہم نکات

۱- بنی عبد الدار کے ساتھی بنی سم، بنی مخزوم اور بنی عدی نے خون میں ہاتھ ڈال کر قسم کمالی کر ہم اپنے حق کی غاطر صفات آنے تک قدم جائے رکھیں گے ان کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی عبد صفات قصی کے دور میں غالباً (عطر کی ایک قسم) لے کر آئے اور اس میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے حلف اٹھایا اور اس حلف کو "حلف المعطیین" کے ہم سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بنی عبد صفات نے ایک اور ہمیان بھی بندھا جو عرب معابدوں میں معجزہ ترین اور گرامی ترین معابدہ شمار ہوتا ہے۔ (۱) یہ وہ حلفِ الضول ہے جس کی اسلام نے بھی تائید کی ہے جیسا کہ پلے گذرا چاہے۔ جبکہ ان کے مقابلے پر حلف الاعلاف ہے جو بنی عبد الدار، سم، صح، مخزوم اور عدی کے درمیان میں پلاٹھا ان کا مقصد زیوی مقام حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اگرچہ اس کی قیمت، خون بس اکریا جان گوا کر ہی کیوں نہ دیتی پڑتی۔ اور اسی لگتے سے دونوں فریقوں کے طرزِ تکر، نظریہ زندگی اور کفری بیداری میں فرق کو واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

اس بات میں کوئی مبالغہ کرانی نہیں ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ سبب تاریخ اور الانساب کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بنی عبد صفات بالخصوص آل ابی طالب

اسلام کی اہم تحریکیں تھے وہ راہ حق کی پداشت کرنے والے اور مجدد فی سبیل اللہ تھے۔ جبکہ بنی عبدالدار اور ان کے طیف دین اور راہ خدا میں ایثار اور قربانی کے حوالے سے بہت بچھے نظر آتے ہیں بلکہ ان میں دین سے دشمنی اور بعض و عطا درکھنے والے افراد کثرت سے ملتے ہیں۔

۲۔ قریش کا یہ شرط کرنا کہ خالد کعبہ کی تعمیر کے اخراجات کے لئے سود، ظلم وغیرہ سے پاک رقم ہونی چاہئے اگر یہ شرط کسی بات پر دلالت کرتی ہے تو یہ بحکم ان امور کی قباحت کے بارے میں ان کے حقیقی شعور پر دلالت بھی کرتی ہے نیز خدا اور ضمیر کے نزدیک ان کی تبادلہ کو بیان کرتی ہے۔ اور اسی مطلب کی تعمیر کبھی ”فطرت کے قاضی“ اور ”حکم عقل“ کہ کر کی جاتی ہے۔

اگرچہ ہماری نظر میں بات سی ہے اور بنیادی طور پر دین کے تمام احکام حکم عقل اور فطرت سے ہم آہنگ ہیں لیکن یہاں پر ایک بات کا اضافہ کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ قریش کا اس طرح سے شرط کرنا اس بات کی لشکری کرتا ہے کہ ابھی تک دین حنفی (دین ابراہیم) کی تعلیمات کے اثرات ان میں باقی تھے خصوصاً قریش اور بنی عہد مٹاف کے اندر۔ اسی لئے حضرت عبد المطلب اور حضرت ابوطالب کے کلمات اور اقوال میں دین ابراہیم اور ایسے امور کی طرف جو ان کے خدا پر ایمان پر دلالت کرتے ہیں، اشارے بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت رسول اکرمؐ کے لئے حضرت خدجہ سلام اللہ علیہا کا رشت مانگنے وقت حضرت ابوطالب نے جو خطبہ پڑھا تھا اس کا ہم مطالعہ کر بچکے ہیں۔

۳۔ جو کچھ گزر چکا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کہ کے لوگ اسی بیت اللہ کی تعمیر اور اس کے لئے بہتر اٹھانے کے معاملے میں بھی قبیلہ پرستی پر مبنی طرز عمل اپناتے تھے جبکہ یہ کام ان کے مقدس ترین اعمال میں سے تھا اور ان کی حرمت و عظمت کا موجب تھا بلکہ ان کی حیات اس سے وابستہ تھی۔ مجرم الاسود کے نصب کرنے کے موقع پر الحقد الدم (خون چاٹنے والوں) کا ہیمان اس بات پر بہترن گواہ ہے اور سی ہیمان جو عقل

لیکم، ظرفت اور ذوقِ انسانی کے نزدیک محفوظ اور مردود ہے۔

۲۔ جو چیز ہماری نظریوں میں قابل توجہ ہے وہ قریش کا اہلِ مسٹر ہے جو انہوں نے حضرت محمدؐ کے سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہونے پر کیا۔ پھر انہوں نے آنحضرتؐ کو امین کی صفت سے یاد کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے لوگوں کے درمیان خاص مقام حاصل کر چکے تھے ہاں وجود اس کے کہ آپ تمام عرب قبائل کے سردار قبیلہ قریش میں زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے بہت سے راہیٰ سیکڑیوں میں آنحضرتؐ کے فیضے اور رائے پر راضی ہوتے تھے ان تمام کا اعتقاد و اطمینان آپؐ کی ذات پر مبنی ہوتا تھا اور وہ لوگ آپؐ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ایسا طرح حضرت الوظاب کے گذشتہ کلمات اس مطلب پر بہترن شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ ان کے درمیان بلند مقام و منزلت پر قائم تھے اور سب کی نظریوں میں معزز اور محترم تھے۔ البتہ بعض ایسی نفرت آمیز اور قیچی بائیں ذکر کی گئی ہیں جو کسی لحاظ سے بھی آنحضرتؐ کے مقامِ شان سے سازگار نہیں ہیں۔

## ایک جسارت

مذکورہ باتوں کے بعد ہمیں ایک بے بنیاد اور شرمگاہ جھوٹ کا سامنا ہوتا ہے جس کا ہدف صرف اور صرف آنحضرتؐ کی عزت و شرافت کو داغدار بحالا اور آپؐ کی ذات اقدس کی شان میں گھٹائی اور ہمارت کرنا ہے۔

یہ اختراء ان لوگوں کی طرف سے بددعا گیا ہے جن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا تھا اور وہ اسلام نہیں لائے تھے بلکہ وہ ہم کے مسلمان تھے انہوں نے حضرت محمدؐ کے ذکر، ہم اور دن کو مٹانے کی قسم اخخار کمی تھی لیکن اللہ جبار ک و تعالیٰ نے اپنے نور کو مٹنے سے محفوظاً کر رکھا ہے اگرچہ یہ کافروں پر ناگوار گزرے۔

یہ جھوٹ ان سیکڑیوں جھوٹوں میں سے ایک ہے جنہیں من کر انسان کا بدن کا نپ

جاتا ہے اور خدا کا غصب جوش میں آ جاتا ہے۔ یہ جھوٹ یوں ہے۔  
 بخاری و مسلم اور تاریخ و حدیث کے دیگر مولفین نے ان لوگوں سے جو جھوٹ  
 کھلنے اور دین و سیاست کے کھلیل میں ان کے ساتھ قدر مشترک رکھتے ہیں، ایک روایت  
 فل کی ہے۔ کتاب بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ ”رسول اللہ“ ہاتھی لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی  
 تعمیر کے لئے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے جبکہ انہوں نے تبعد پاندھ رکھا تھا۔ آنحضرت  
 سے ان کے چچا عباس نے کہا اے بھائی! اگر آپ چالیں تو اپنا تبعد انداز کر اپنے کندھے پر  
 ڈال لیں اور کپڑے کے اپر پتھر اٹھا کر لائیں۔ روایت کہتا ہے کہ آپ نے اپنا تبعد کھولا  
 اور کندھے پر ڈال لیا۔ اس کے بعد آپ ”غش“ کھا گئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر کبھی انہیں  
 عربیاں نہ دیکھا گیا۔“ (۱)

بخاری کے باب حج میں ایک اور روایت فل کی گئی ہے۔ ”میں آپ زمین پر گر گئے  
 اور آپ کی آنکھیں تاریک ہو گئیں پھر آپ نے چچا سے کہا میرا تبعد مجھے دے دو انہوں  
 نے آپ کا تبعد پاندھ دیا۔“ (۲)

ہمارے نزدیک اس افسانے کے جعلی اور خود ساختہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔  
 یہاں پر ہم درج ذیل نکات کی طرف اشارہ کرنے پر احتراکرتے ہیں۔

۱۔ اس واقعہ سے مریط روایات میں بہت زیادہ تاقش پایا جاتا ہے جو ہمیں اس  
 ضرب المثل کی یاد دلاتا ہے کہ ”جموٹ آدمی کا حانکھ نہیں ہوتا“، یہاں پر ہم اس تھاد  
 بیانی کا ایک نمونہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ البخاری طبع ۱۳۰۹ء باب: حالت نماز میں عربیاں ہونے کی کراہت ج ۱ ص ۵۰  
 و ۱۸۱ اور ج ۲ ص ۲۰۳ صحیح مسلم ط ۱۳۳۳ ج ۱ ص ۱۸۲، مسنند احمد  
 ج ۳ ص ۲۹۵ و ۳۱۰ و ۳۳۳ و ج ۵ ص ۲۵۵ اور ۳۵۵ المصنف ج ۵ ص ۱۰۳  
 ، البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۸۷ (صحیحین اور یقینی سے نقل کیا ہے)

ایک روایت کہتی ہے کہ ان کا عربان ہوتا بھگن کے زمانے میں موقع پذیر ہوا جب آپؐ  
بھگن کے ساتھ کھل رہے تھے۔ تمام یہیہ رہنے تھے اور وہ بھی کھل کے لئے ہتر اخخار  
لا رہے تھے، اس دوام ان ایک غمی ہاتھ آپؐ پر پڑا اور آپؐ سے کما کر اپنا تمبد پاندھ لو۔ (۱)  
ایک اور روایت میں فصل ہوا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہٹھیں کیا جب آپؐ کے پچا  
حضرت ابو طالب زم کے کوئیں کو درست کر رہے تھے، غیب سے کسی شخص نے آپؐ  
کو پا جاسہ بنتے کو کہا۔ (۲)

تمسیری روایت یہ بیان کرتی ہے کہ یہ واقعہ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے موقع پر رونا  
ہوا (اس کا ذکر پلے گز چکا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔  
اس تھاد اور تھاٹ کی ایک اور شاخ یہ ہے کہ ایک روایت کہتی ہے کہ چونکہ آپؐ کو  
لباس کی وجہ سے کام کرنے میں دشواری ہٹھی آری تھی لہذا آپؐ نے لباس نئے سے اخفا  
کر کاہدھے پر ڈال لیا جس کی وجہ سے آپؐ کی شرمگاہ ظاہر ہو گئی کیونکہ لباس چھوٹا ہو گیا۔  
یہاں پر ایک غمی آواز آئی کہ اے محمد (ص)! اپنی شرمگاہ کو چھپاؤ، اس کے بعد پھر کبھی آپؐ  
عربان نہیں ہوتے۔ (۳) دوسری روایت یہیں ذکر کرتی ہے کہ عباس نے آپؐ سے کما کر  
اپنے تمبد کو گردن میں ڈال لو۔ (۴)

- ۱۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۲۲، فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۱ (ابن اسحاق سے نقل کیا ہے)
- سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۳ اور البداۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۶
- سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۲ اور ۱۲۲
- مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۵ اور عبدالرزاق کی کتاب ج ۵ ص ۱۰۳
- کیونکہ ممکن ہے اس کا جواب دیا جائے کہ عباس نے دیکھا کہ لمبیں لباس کے  
ساتھ کام کرنے میں دشواری ہو رہی ہے لہذا انہوں آپؐ کو یہ مشورہ دیا اور آپؐ  
نے بھی قبول کر لیا۔

ایک روایت کہتی ہے کہ آپ گر گئے، دوسری کہتی ہے کہ غنی ہاتھ ان پر پڑا، تیسرا بیان کرتی ہے کہ آپ غش کھا کئے، اسی طرح اور بہت سے تفاسیر موجود ہیں۔ آخر میں ہم یہ بیان کرتے چلیں کہ عقلانی اور حلیٰ ان روایات کے تفاسیر کو ختم کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔

عقلانی کہتے ہیں ”سابقہ نبی سے (چاہ زم زم کی کھدائی کے موقع پر بھپن کے زمانے میں) یہ تمہے انہ نبیں کیا جاسکتا تھا کہ حکم، افطراری صورتوں کو بھی خالی ہو (یعنی ایسے موارد سے نبی نبی کی گئی) جبکہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر رسول اللہؐ کیلئے افطراری صورت ہیش آگئی تھی پس انہوں نے برہنہ ہونے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کی تھی۔“ - (۱)

یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ اس غیر اخلاقی فعل کو رسول اکرمؐ کیلئے ثابت کیا جائے کیونکہ یہ بات صحیح بخاری میں ذکر ہوئی ہے جو اسکے ہاں ایک مقدس کتاب اور قرآن کے بعد سب سب سے زیاد صحیح کتاب ہے بلکہ اسکے نزدیک قرآن تحریف اور لغٹ شدہ ہے لیکن بخاری ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

ابتدہ یہاں پر عقلانی نے ۱) بات فراموش کر دی ہے جو الیٰ طفل سے متعلق روایت میں بیان ہوئی ہے۔ ۲) یہ ہے کہ ”بیخبر اکرمؐ کی شریگاہ کبھی بھی ظاہر نہیں ہوئی نہ پہلے نہ بعد میں۔“ - (۲) ان سب کے علاوہ خود عقلانی نے ذکر کیا ہے کہ ”نبی اکرمؐ بخش سے پہلے اور بعد میں تمام برائیوں اور بد اخلاقیوں سے پاکیزہ تھے۔“ - (۳)

حلیٰ نے اس بارے میں یوں کہا ہے کہ ”ممکن ہے آپؐ کی شریگاہ عربان ہو گئی ہو لیکن اسے کسی نے نہ دیکھا ہو حق خود حضرت عباس نے بھی۔“ - (۴) لیکن حلیٰ، صحیح بخاری اور اس کے علاوہ ویگر سب کی ان عبارات کے ساتھ کیا کریں گے جو صراحت کے

۱- فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۱

۲- فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۱

۳- سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۳۲

۴- فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۱

ساتھ بیان کرتی ہیں کہ ”اس کے بعد پھر آپ“ بھی عرب نہیں ہوتے۔ اسی طرح ابی طفیل سے محتول اس روایت کا کیا کریں گے جو یہ کہتی ہے کہ ”آپ“ کی شرمگاہ نہ پہنچے اور نہ ہی ہی بعد میں دکھالی وی۔“

۲۔ اس واقعے کے تجھوٹے ہونے پر جو امور دلالت کرتے ہیں ان میں ایک یہ روایت ہے جو خود آنحضرتؐ سے محتول ہے کویا آپؐ مستحل قریب میں اپنی طرف لبست دی جائے والی تاروا حشوں کی پیچکوئی کر رہے تھے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کی عطايات و الطفاف جو اس نے مجھ پر جاری کئے میں سے ایک یہ ہے کہ کسی نے بھی میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا... یا اس سے قریب قریب عبارت“۔ (۱)

۳۔ حضرت ابو طالبؓ بیت اللہ کی مرمت سے دس سال پہلے آنحضرتؐ کی شخصیت کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ”آپؐ کا کسی شخص سے بھی موافذہ نہیں کیا جا سکتا جس سے بھی موافذہ کیا جائے آپؐ اس سے بعد و برتر ہوں گے کوئی بھی ان سے بڑا نہیں ہے جس پر آپؐ کو قیاس کیا جائے...“۔ پس اس عظمت و فضیلت کا حال انسان لوگوں کے سامنے کہہ کے لئے ہتر اخلاقی کے موقع پر اپنے آپ کو برداشت کر لے یہ کس طرح مکن ہے؟!

۴۔ اس بارے میں روایات فلی ہوئی ہیں کہ آنحضرتؐ اس لحاظ سے مصون تھے کہ آپؐ کی شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ازواج نے بھی، حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ ”ما رایت عورۃ رسول اللہ قط“ یعنی ”میں نے ہرگز رسول اللہ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا“ یا اسی سے قریب عبارت۔ (۲) اگرچہ عائشہ یہ بات ذکر کرنے کے بعد بیان

۱۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۵۲، ۵۳ اور ۱۳۲

۲۔ عیاضن کی کتاب الشفاء ج ۱ ص ۹۵، الشفاء کی شرح میں فاری نے ابن ماجہ و ترمذی کی کتاب شمائل سے نقل کیا، حیات صحابہ ج ۲ ص ۶۱۱ (ترمذی کی کتاب شمائل سے نقل کیا)، لسان المیزان ج ۲ ص ۹، سیرۃ الحلیۃ ج ۱ ص ۱۳۲

کرنی ہیں کہ زید بن حارثہ نے دروازہ کھل کھٹایا ہبھر اکرم عربان حالت میں تھے اُپ آئتا چادر کو اور لیتے ہوئے دروازے کی طرف جانے کے لئے اٹھے، اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہنچنے کے بھی ان کو عربان دیکھا اور نہ پھر اس کے بعد، پھر میں نے دیکھا کہ 'آنحضرت' نے زید کو گلے لگایا اور اسے پیار کیا۔ (۱) (البتہ حضرت عائشہ کی یہ بات بھی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے شرمگاہ کو دیکھا ہو)۔

۵۔ حدیث ثار میں آیا ہے کہ ایک شخص ثار کی طرف منہ کر کے اپنی شرمگاہ سے کپڑا ہٹا کر پیشتاب کرنے لگا، الوبکر<sup>۰</sup> نے کما یار رسول<sup>۱</sup> اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے، آپ<sup>۲</sup> نے فرمایا اگر وہ ہمیں دیکھ لیتا تو پھر ہماری طرف برہنہ ہو کر نہ مٹھتا۔ (۲) یہ حدیث دلالت کرنی ہے کہ دوسروں کے سامنے برہنہ ہونے والی بات کو مشرکین بھی بہت برا بھیتھے تھے اور وہ کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہوتے تھے پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول<sup>۱</sup> نے یہ کام کیا ہو۔

۶۔ ابن عباس ذکر کرتے ہیں کہ رسول خدا<sup>۱</sup> مجبول میں غسل کرتے تھے اور قطعاً کسی نے بھی آپ<sup>۲</sup> کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ (۳)

۷۔ رسول اللہ کی خصوصیات میں یہ چیز شد کی گئی ہے کہ کسی نے بھی ان کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا، اگر کوئی دیکھ لیتا تو اس کی آنکھیں لندھی ہو جائیں۔ (۴)

۱۔ حیات صحابہ کی ج ۲ ص ۵۳۳ و ۵۳۵ بر ترمذی سے نقل کیا گیا کہ (شمائل ج ۲ ص ۹۶) اس نے کہا ہے یہ بات اچھی ہے لیکن بعید ہے۔

۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰، سیرۃ حلبة ج ۲ ص ۳۷ اور بحار الانوار کی ج ۱۹ ص ۷۸ بر ابن شہر آشوب کی کتاب المناقب ج ۱ ص ۱۱۱ سے نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ الغدیر ج ۹ ص ۲۸۸ کے اس نے زرقانی کی شرح العواب کی ج ۳ ص ۲۸۸ اور فتح الباری کی ج ۶ ص ۳۵۰ سے نقل کیا ہے۔

۴۔ قاضی عیاض کی کتاب الشفاء ج ۱ ص ۹۵ اور تاریخ المخیس ج ۱ ص ۲۱۳

پس عباس ہی آنکھیں کیوں اندھی نہ ہوئیں؟ جبکہ اس نے دیکھا اور آنحضرتؐ کا تبدیل  
پاندھا۔ اسی طرح کچھ کی مرمت کے وقت موجود دیکھنے والے دوسرا لوگوں کی آنکھیں  
کیوں اندھی نہ ہوئیں۔ اسی طرح آپؐ کے دوسروں کی آنکھیں اندھی کیوں نہ ہوئیں جب  
انہوں نے کھلی کے دوران آپؐ کو عربان دیکھا تھا اگر انہوں نے آپؐ کی شرمگاہ کو دیکھا  
ہوتا تو وہ ضرور اندھے ہو جاتے اور اگر انہوں نے نہیں دیکھا تو پس یہ باہر جھوٹ اور  
افتراء پر مبنی ہے اور حضور اکرمؐ کی شانِ اقدس میں کتنا فی اور بے ابی ہے یہ ایک ایسی  
بات ہے جو آپؐ کی عظمت، اعلیٰ منزہت، بلند مرتبے اور اوپنی شان کے متعلق ہے اور اللہ  
 تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی آپؐ کی مخالفت اور گمبانی سے ناوارگ ہے۔ ہم بُرتی و گمراہی  
اور شیطانی و سوسوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

### ہائے میرے کپڑے!

گذشتہ بات کی صائبت سے یہ عرض کرتے چلیں کہ ایسی ہاروا اور ہیسودہ بائیں خدا کے  
خاطربر حضرت موسیؐ سے بھی خوب کی گئی ہیں لیکن وہ اس سے زیادہ بری اور قبح ہیں۔  
بکاری اور دوسروں نے یہ روایت کی ہے کہ ہنی اسرائیل نے حضرت موسیؐ پر یہ تمثیل  
کھالی کہ ان کے خصیوں میں ہرنا کی بیداری کی وجہ سے ہوا بھر گئی ہے، حضرت موسیؐ نے  
اپنے کپڑے اتادر کر ایک پتھر پر رکھے اور غسل کرنے لگ گئے۔ جب آپؐ نے اپنے کپڑے  
اٹھانا چاہے تو پتھر کپڑوں سیست بھاگ کھلا ہوا، حضرت موسیؐ نے اپنا عصا اٹھایا اور پتھر  
کا ٹھیک کرنے لگے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر  
میرے کپڑے! یہاں تک کہ ہنی اسرائیل نے ان کے پدن کو دیکھ لیا اور دیکھ کر کہنے لگے  
خدا کی قسم موسیؐ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیؐ نے اپنے کپڑے  
اٹھا کر ہن لئے اور اپنے عصا سے پتھر کو مارنے لگ گئے۔ الہبرہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم  
پتھر پر ٹکن یا چار یا پانچ زنگوں کے لشان تھے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے لرشاد فرمایا:

”ولاتكونوا كالذين آتوا موسى، فبرأه الله مما قالوا“ و كان عند الله وجيهها ...“ (۱) یعنی ”تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیؐ کو افیت و آزار کا خپالی، جو کہ انہوں نے ان کے پارے میں کیا تھا اس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بری قرار دا اور وہ اللہ کے زریک محروم تھے۔“

لیکن ہمیں سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت موسیؐ کیسے اپنی عربانی کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان پہنچ گئے؟ کس چیز نے ان کی عصی پر پردہ ڈال دا تھا کہ وہ اپنی عادت اور حیا سے خارج ہو گئے (نحوہ بالش)؟ وہ حیا اور عفت کیاں کی ہے سے روایت یہاں بیان کرتی ہے۔ ”حضرت موسیؐ شرم دھما کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے ان کے ای جیا کی وجہ سے کسی نے ان کے بدن کا کوئی حد بھی نہیں دیکھا تھا۔“

ای طرح ہم اس حیرت انگیز پھر کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جو حضرت موسیؐ کے کپڑے لے کر بھاگ کھلا ہوتا ہے کہ حضرت موسیؐ اس کے پہنچے بجا کتے ہیں؟ یہاں پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیؐ پھر تک پہنچنے سے پہلے اپنے عصا کی طرف کیوں متوجہ ہو گئے اور اس وقت ان کے وہن میں کیا آیا؟

---

- البخاری طبع ۱۳۰۹ ج ۱ ص ۳۰ اور ج ۲ ص ۱۵۸، مسنند احمد ج ۲ ص ۳۱۵ الدر المنشور ج ۵ ص ۲۲۲ اس میں مسنند احمد، عبدالرزاق احمد، عبد بن حمید، الترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن الابناری نے مصافت میں، البزار اور الحاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، ابن ابی شیبۃ نے ابوہریرہ، انس اور ابن عباس سے نقل کیا ہے نیز تفسیر العزان ج ۱۶ ص ۲۵۲ تفسیر القمی ج ۲ ص ۱۹ جسکی سند حسن ہے لیکن تفسیر کی نسبت قمی کی طرف دنیا مشکوک ہے، مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۱، تفسیر نور الثقلین ج ۳ ص ۳۰۹ اور تفسیر البریان ج ۳ ص ۳۳۹

اور ہتر اس کام پر مأمور نہیں تھا تو کسی چیز نے اس عمل پر مجدور کیا اور وہ اپنی طبیعی حالت سے خارج ہو گیا (اور مجہزہ نہالی کرنے کا) لیکن اگر ہتر اس کام پر مأمور تھا تو ہر ہتر کی کپڑوں سمیت حرکت کو حضرت موسیٰ کعبیں جان نہ سکے کہ یہ ایک خارق العادۃ امر ہے؟ جبکہ وہ ہتر کو آوازیں دیتے رہے اور اسے بلاتے رہے جیسے وہ انکی بات کچھ بہا ہو۔ آخر میں ہمیں اس بات کی بھی کچھ نہیں آئی کہ اس ہتر کا کہا کیا تھا کہ اسے اتنی زردست مار کھلا پڑی جس کی وجہ سے اس پر زخموں کے لثبات بن گئے اور الجہرہ نے زخموں کی تعداد کو محسن کیوں نہیں کیا اور انہیں تک و ترد کے طور پر بیان کیا اور کما کہ وہ ہم نے تھے یا چار یا پانچ؟! اور بعض روایات میں تو چھ اور سات تک کا ذکر بھی ہوا ہے۔ اور جب الجہرہ کا لسان اس حد تک تھا تو اس دلیل واقعہ کی دیگر تفصیلات کو کس طرح اس نے خٹ کر لیا تھا؟ نیز اس نے کس طرح رسول اللہ کی ان ہزاروں حدیثوں کو خٹ اور تالیف کیا؟ البتہ مذکورہ اعتراضات میں سے کسی ایک قی کی روایت پر وارد نہیں ہوتے جس میں عصا، حضرت موسیٰ کی آوازیں لگائے اور ہتر کو مارنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور ثانیہ قی کی روایت بخاری کی روایت کی نسبت حقیقت سے زیادہ نزدیک ہو۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ کو اندیت ہٹانے والی آئیت یعنی اسرائیل کے اس طعن و تخفیغ کے پارے میں تااز ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ پر حضرت ہارون کے سلطے میں کی تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اکھٹے کسی کی زیادت کے لئے گئے تھے راستے میں حضرت ہارون کی وفات ہو گئی تو حضرت موسیٰ نے انہیں دفن کر دیا؛ جب وہ داپس آئے تو یعنی اسرائیل نے ان پر ہارون کو قتل کرنے کا الزام لایا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے حضرت موسیٰ کو اس طرح بری قرار دیا کہ خود حضرت ہارون کے جمد نے خبر دی کہ مجھے طبیعی موت آئی ہے اور کسی نے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ (۱)

۱۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲، ابن مردویہ، الطحاوی اور ابن منیع سے مسئلہ حسن کے

## حضرت عثمان کی حیاء

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم رسول اللہ کے بارے میں مذکور اور حضرت عثمان کی حیاء کے بارے میں ذکر شدہ اقوال کا آپس میں موازنہ کرس۔ تاریخ اور بعض روایات میں ملا ہے کہ حضرت الیکبر اور حضرت عمری اکرمؓ کے پاس آئے جبکہ آپؓ میں ران برہنہ تھی، آنحضرتؓ نے اسے نہ چھپلایا تھا جب حضرت عثمان آئے تو آپؓ نے فوراً آپی ران پر کپڑا دلا اور اسے چھپایا۔ جب حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا کیا اس شخص سے شرم نہ کی جائے جس سے ملائکہ بھی شرم کرتے ہوں یا اسی مقصود کے قریب قریب (الخلاق)۔ (۱)

اس بات کو اس ظاہر میں دیکھا جائے کہ رسول اللہ خود ہمیشہ اور مسلسل حیا کی تائید کرتے تھے اور اس پر لوگوں کو تشوین کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم میں حیا نہیں

---

ساتھ نقل ہوا ہے۔ الدر المنشور ج ۵ ص ۲۲۳ میں مذکورہ افراد اور ابن جریر، ابن المنذر ابن ابی حاتم، حاکم اور مصحح حاکم ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے،

مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۲

۱۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۲، البداية و النهاية ج ۷ ص ۲۰۲ از طبرانی الكبير و الاوسط میں، مسنند احمد، ابن بعلی، نیز تاریخ سرجان ص ۳۱۶ المصتف ج ۱۱ ص ۲۲۲ و ۲۲۳، حیاة الصحابة ج ۲ ص ۶۱۱ و ۶۱۲ کہ مجمع الزوائد اور البداية و النهاية سے نقل کرتا ہے، نیز مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۸۳ و ۲۸۴، مسنند احمد ج ۱ ص ۷۱ اور ج ۶ ص ۱۵۵، ۱۶۲ و ۱۶۴، صحیح السلم ج ۷ ص ۱۱۶ و ۱۱۷، الغدیر ج ۹ ص ۲۴۳، ۲۴۵ و ۲۴۶ جو صحیح مسلم، مسنند احمد اور مصایبیح ج ۲ ص ۲۶۲ سے نقل کرتا ہے، الریاض النضرة ج ۲ ص ۸۸ اور دیگر کتب کی طرف رجوع کریں۔

ہے تو پھر جو مرمنی آئے کرو؛ جیا ایمان کا جزء ہے اور ایمان کا سخت بہت ہے وغیرہ اسی طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں جو آنحضرتؐ سے فل ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان سب کو بیان کرنے کی کمکتوں نہیں ہے۔

علاوہ ایس ابوبکر صدیقؓ کی یوں توصیف کرتا ہے: ”آنحضرتؐ کی جیسا پروردہ راکبوں کے جیسا کہیں زیادہ ہے“ - (۱)

نیز یہی افراد فل کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ایک شخص سے فرمایا: اپنی ران کو چھپاؤ کیونکہ یہ بھی شرمگاہ میں شارہ ہوتی ہے۔ (۲)

وہ روایات جو ولات کرنی ہیں کہ ناف اور زانو کے درمیان کا حصہ شرمگاہ ہے، کی تعداد کثیر ہے۔ کتاب الفدیر میں اس سلسلے میں بعض علماء کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے رجوع کرس:

۱۔ البداية والنهاية ج ۶ ص ۳۶ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶ جو طبرانی سے دو سند کے ذریعے سے نقل کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی سند صحیح والی ہے، صحیح مسلم ج ۷ ص ۸۶، الغدیر ج ۹ ص ۲۸۱ (بخاری کے باب صفة النبی اور مسلم سے ماخوذ)، حیاة الصحابة (مندرجہ بالا مدارک اور ترمذی ص ۲۶ سے منقول)۔

۲۔ مسنند احمد ج ۵ ص ۲۹۰ اور ج ۱ ص ۲۶۵، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱، مسنون بیہقی ج ۲ ص ۲۲۸، الاصابة ج ۳ ص ۳۳۸، فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۳، نیل الاولطار ج ۲ ص ۵۰، مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۱۸۰ و ۱۸۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵۲ کے احمد اور طبرانی کی کمیر سے نقل کرتے ہیں، الغدیر ج ۹ ص ۲۸۲ مندرجہ بالا مدارک اور ارشاد الساری سے نقل کرتے ہیں، ابن حبان اپنی صحیح میں، اسی طرح مؤطا مالک، ترمذی، ابو داود اور مشکل الاثار ج ۲ ص ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۶ اور ۲۹۳ کی طرف رجوع کریں۔

ج ۹ ص ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲ اور حیات سخلفہ ج ۲ ص ۶۱۲ و ۶۱۳۔

ابو موسیٰ اور حضرت ابویکر اور ان دونوں کے علاوہ دوسروں کے حیاء کے بارے میں بھی کافی کچھ کہا گیا ہے جن کے بیان کرنے کی بیان گنجائش نہیں ہے۔

علامہ امینی نے فرمایا ہے کہ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ رانوں کے ظاہر کرنے کی منوعیت سے مراد کراہت ہو نہ حرمت، لیکن اس میں کسی تک کی گنجائش نہیں کہ ان کو چھپانا آداب شریعت میں داخل ہے اور یہ عزت و وقار اور عظمت کے لوازم میں سے ہے اور جس کے ادب کا خود رسول اللہ نے حکم دیا ہے اس کی رعایت سب سے زیادہ خود ان کو کرنی چاہیئے ..... - (۱)

## اہل کتاب اور انہیاء کی برہنگی

اس بحث کے خاتمہ پر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس موضوع کی جزوں میں اہل کتاب کے ہاں طبقیں اور ثابتیں ایسے نہیں ہیں اس پلید اور خیث مخصوصے کو اہل کتاب سے لیا ہو۔ "اشیਆ" کے حالات کی بیہوں فصل کے آخر میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے "جہنم" اشیاء سے فرمایا: ہمیں سال تک لوگوں کے درمیان عربان اور پا برہنہ چلو تاکہ اس طرح چل کر لوگوں کو جذب کر سلطان آشور، مصر کے قیدیوں کو یوں چلنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ جوانوں اور بیویوں کو عربان اور پا برہنہ کر دیتا تھا تاکہ اہل مصر کو ذمیل و خوار کرے۔ سفر تکمیل کی بیہوں فصل کے ۲۱ ویں بعد میں مذکور ہے کہ "حضرت نوح" شراب پی کر مت ہو گئے اور برہنہ حالت میں اپنے بٹھیے میں ٹھیٹنے لگے۔

صونیل اول کے بارے میں ایسے بیہوں فصل کے بعد نمبر ۲۲ اور ۲۳ میں یوں بیان ہوا ہے: "وہ چالیا کرتا تھا اور بیوت کا دعویٰ کیا کہ تھا یہاں تک کہ بیوت الامر کے مقام پر آگیا۔

اس نے بھی اپا لباس اتار دیا اور صموئیل کے سامنے بوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے سارا دن اور ساری رات بربند حالت میں گزاری۔ اسی لئے کہا کیا کہ اشاؤل کا شار بھی انجیاء میں سے تھا۔

### ولادت فاطمہ بنت رسول اللہ

بعض افراد کا کہنا ہے کہ حضرت رسول "اکرم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہما السلام کی ولادت بخت سے قلیل ہوئی تھی البتہ پھر انہی افراد میں ولادت کے سال کی تفہیں میں اختلاف پایا جاتا ہے انہی میں کچھ کا یہ قول ہے کہ ان کی ولادت خلائق کی تغیر نو دالے سال میں ہوئی یعنی بخت سے ۵ سال پہلے۔ (۱)

بعض کہتے ہیں وہ سال قلیل از بخت میں پیدا ہوئیں (۲) اور ایک قول کے مطابق بخت سے ۱۲ سال قلیل ان کی ولادت ہوئی۔ (۳)

وہ افراد جو ان کی پیدائش کو بعد از بخت سمجھتے ہیں ان میں بھی اختلاف موجود ہے کچھ افراد سال بخت میں ہی ان کی ولادت کے قائل ہیں (۴) جبکہ بعض دوسرے افراد نے

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۶۷، ذخائر العقبی ص ۵۲، مقابل الطالبین ص ۹۸

سیرۃ مغلطای ص ۱۷ از ابن الجوزی

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۸۶ اور ذخائر العقبی ص ۵۲

۳۔ مندرجہ بالا دو مدارک

۴۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۶۷، ذخائر العقبی ص ۵۲، المواب اللدنیہ ج ۱ ص

۱۹۸ الاستیعاب حاشیہ الاصابة ج ۳ ص ۳۶۲ حاکم نے مستدرک کے ج ۳ ص

۱۶۱ میں اسی قول کو اختیار کیا اور ذہبی نے مکوت اختیار کیا ہے وہ ص ۱۶۳

ہر کہتا ہے کہ فاطمہ کی عمر وفات کے وقت ۲۱ سال تھی اور جب آنحضرت (ص)

بخت کے دوسرے سال میں پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

## صحیح نظریہ

اس بارے میں درست نظریہ شیعیان الہبیت کا ہے جسے انہوں نے اپنے آئندہ سے لیا ہے۔ چونکہ الہبیت "اپنے امور میں دوسروں سے زیادہ آگاہ اور عالم ہیں۔ البتہ غیر شیعوں میں سے بھی کچھ افراد اسی نظریے کے قائل ہیں اور وہ نظریہ یہ ہے کہ وہ بخت کے پانچوں سال پیدا ہوگیں اور ۱۸ سال کی عمر میں وفات پائیں۔ (۲)

مدرجہ قتل نکات اسی نظریہ پر ولالت کرتے ہیں یا اس کی تائید کرتے ہیں:

۱۔ اولو خدیجہؓ کے متعلق گذشتہ بحث میں بعض افراد کا یہ نظریہ کہ عبد مناف کے

---

کی عمر ۳۱ سال تھیں تو وہ پیدا ہوئیں، سیرۃ مغلطای ص ۱۶، بحار الانوار ج ۳۲ ص ۸ اور مرعشی کی ملحقات احقاق الحق ج ۱۰ ص ۱۱ جس نے میوطی کی الثغور الباسمة سے نقل کیا ہے۔

۱۔ بحار الانوار ج ۳۲ ص ۸ از اقبال الاعمال جس نے شیخ مفید کی حدائق الیاض سے نقل کیا ہے۔

۲۔ ذخائر العقبی ص ۵۲، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۸ کہ وہ امام ابویکر، احمد بن نصر بن عبد اللہ الدراع سے کتاب موالید الہبیت سے نقل کرتا ہے، بحار الانوار ج ۳۲ ص ۱۱، اس میں کافی سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، المصباح الكبير، دلائل الامامة، مصباح الكفعی، الروضۃ، مناقب ابن شهر آشوب، ان دو آخری کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ (س) کی ولادت بحث کے ہاتھ سال بعد اور واقعہ معراج کے تین سال بعد ہوئی۔ اس طرح کشف النہمہ اور اثبات الوصیۃ مسعودی وغیرہ میں مذکور ہے۔

علوہ حضرت خدیجہؓ کی ہلق سب اولاد بحث کے بعد پیدا ہوئی۔ (۱) جبکہ ہمیں علم ہے کہ حضرت قاطرہ سلام اللہ علیہما آنحضرتؓ کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں۔

اس امر پر ایک اور دلیل وہ بات ہے جو "الاستیعاب" میں حضرت خدیجہؓ کے حالات کا مذکورہ کرتے ہوئے کسی کسی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت طیب نبوت کے بعد دنیا میں آئے پھر امام گھووم اور ان کے بعد حضرت قاطرہ سلام اللہ علیہما۔

۲۔ حضرت قاطرہ زہراؓ (س) کی بحث کے بعد پیدا ہونے کی دلیل وہ متعدد روایات ہیں جو کافی سارے علماء سے مختلف انداز اور گوناگون طریقوں سے فل ہوئی ہیں۔ روایات کی یہ کثیر تعداد دلالت کرتی ہے کہ حضرت قاطرہؓ (س) کا نطفہ اس پھمل سے وجود میں آیا جو جبریلؐ "رسول اللہ" کے لئے بہت سے لائے تھے۔ یہ بات متعدد صحابہ سے فل ہوئی ہے جن میں حضرت عائشؓ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عباس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (۲) ان میں سے اگر بعض روایات میں بحث و تحقیق کی گنجائش ہو بھی لیکن بعض روایات میں کسی قسم کے امثال یا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

۱۔ البدایہ و القاریخ ج ۵ ص ۱۶، الموابب اللدنیۃ ج ۱ ص ۱۹۶ اور تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۶۲

۲۔ ان میں بعض روایات شیعہ کتب میں ہائی جاتی ہیں مثال کے طور پر بحار الانوار ج ۳۳ ص ۵۰۳ اور ۶۔ وہ امالی شیخ صدق، عیون اخبار الرضا، معانی الاخبار، علل و الشرائع، تفسیر القمی اور الاحتجاج وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح غیرشیعہ کتب میں بھی ایسی روایات ہائی جاتی ہیں مثال کے طور پر تاریخ الخميس ج ۱ ص ۲۶۶، ذخائر العقین ص ۳۶ لسان المیزان ج ۱ ص ۱۲۲، اللالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۳۹۲-۳۹۷ ملحقات احقاق الحق ج ۱ ص ۱۰، میں نجفی مرعشی سابق حوالوں اور میزان الاعتدال سے نقل

ای طرف نسلی نے جو روایت فل کی ہے وہ بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ”جب حضرت ابویکر اور حضرت عمر نے آنحضرت سے حضرت قاطمہ سلام اللہ علیہما کا رشتہ ملا تو اکپ نے یہ کہ کر انکار کر دیا کہ وہ تو ابھی بھی (فابلخ) ہے۔

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ بحث کے پانچوں سال حضرت خدیجہؓ کا حاملہ ہونا اور حضرت قاطمہؓ کا ان کے بھن میں ہونا بعد ہے کیونکہ اس وقت ان کی عمر کافی زیادہ ہو چکی تھی تو یہ خیال بھی غصہ ہے چونکہ گذشتہ انہاں میں یہ بات گز چکی ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر مختلف اقوال کی بنا پر ۲۵ سال سے ۵۰ سال کے لگ بھگ تھی اور ثابت ہاتھی اقوال کے مقابلے میں ان دو میں سے ایک قول قوی تر ہوا اگرچہ قول مشہور اس کے خلاف ہو لیکن قول مشہور کے مطابق بھی حضرت خدیجہؓ کی عمر حمل سے مانع نہیں تھی کیونکہ جیسا کہ فہر میں ثابت ہے قریشی خواتین کو ۶۰ سال تک خون حیض آتا رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت خدیجہؓ میں حاملہ ہونے کی صلاحیت موجود تھی جیسا کہ خاہیر بھی بھی ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اور جو بات مصلحت نے کی ہے کہ ”اہل ست روایت“ کرتے ہیں کہ حضرت قاطمہ سلام اللہ علیہما کی ولادت بحث سے ۵ سال قبل ہوئی ہے۔ (۱) ان دونوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ ۲۹ سال کی عمر میں حضرت قاطمہؓ کی وفات کے

کرتے ہیں، ”الروض الفالق“، ”نرہة المجالس“، ”مجمع الزوائد“، ”کنز العمل“، ”منتخب العمال“، ”محاضرة الاولى“، ”مقتل الحسن خوارزمی“، ”تاریخ البغداد“، ”مفتاح النجاة“، ”المناقب عبد الله شافعی“، ”مستدرک الحاکم“، ”تلخیص مستدرک ذہبی“، ”اعراب ثلاثین سورہ“، ”اخبار الدول اور المناقب ابن معازلی۔

۱۔ بخار الانوار ج ۳۳ اور مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۰۱ کی طرف رجوع کریں۔

نظریے کو انجیت اور شیعوں کی آئندت سے نسبت دینے میں مسعودی نے غلطی کی ہے۔ (۱) تایید یہ اس کے قلم کی غلطی ہو یا اس نے عمدًاً ایسا کیا ہو یا پھر تکمیر کرنے والوں کی کتابت کی غلطی ہو کہ انہوں نے ۱۹ کی بجائے ۲۹ تکمیر دیا ہو۔

مدرجہ بالا بحث کی روشنی میں اگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت بحث کے پانچ سال میں واقع ہو تو وفات کے وقت ان کی عمر صرف ۱۸ سال بنتی ہے جیسا کہ خاہر ہے۔

## تیسرا فصل

تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ باتیں

## پہلی بات

نبی اکرمؐ کے آباء و اجداد (حضرت آدمؑ تک) کا ایمان

کہا گیا ہے کہ امامیہ کا اس بات پر الحق ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کے آباء و اجداد  
حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عبد اللہ بن مکہ سب کے سب مومن اور موحد تھے۔ (۱) بلکہ  
محلسی اخلاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ کے آباء و اجداد صد قبیلین میں سے تھے یا وہ انبیاء  
اور مرسلین میں سے تھے یا پھر ان کے آباء و اجداد مخصوص اوصیاء میں سے تھے اور ان میں  
سے جنہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تاہید اس کی وجہ تھی یا دینی مصلحت تھی۔ (۲)

یعنی صدقہ مزید اخلاق کرتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت  
وہب سلام اللہ علیہا بھی سلمانؓ تھیں"۔ (۳)

۱۔ اوائل المقالات ص ۱۲، تصحیح الاعتقاد ص ۹۶، تفسیر رازی ج ۲۳ ص ۱۴۳  
مطبوعۃ دار الكتب الاسلامیۃ تہران، ایک اور ایڈیشن کی ج ۳ ص ۱۰۳، بحار  
الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۶، مجمع البیان ج ۳ ص ۳۲۲ اور البداۃ و النهاۃ ج ۲  
ص ۲۸۱ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۶

۳۔ ایضاً

لیکن غیر شید حضرات کی آثرت ہبھیر کے والدین کے کفر کا نظریہ رکھتی ہے؛ کچھ لوگ ان کے ایمان کے بھی قائل ہیں جن لوگوں نے حضرت عبد المطلب اور آنحضرت کے دیگر اجداد کے ہا ایمان ہونے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں وسیع ذیل افراد قابل ذکر ہیں۔ مسحودی، یعقوبی، ماورودی (جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہے)، رازی (اپنی کتاب "اسرار التنزيل" میں)، السنوی اور شعاء کے حاشیے میں تسلسلی اور سیوطی۔ اس مطلب کے اثبات کیلئے آخری درج میں محدود رسالے اور مثالات تحریر کئے گئے ہیں مثال کے طور پر:

- (۱) مسالک الحنفاء
- (۲) الدرج الحبيق في الآباء الشربة
- (۳) المقامة السنديمة في النسبة المصطفوية
- (۴) التعليم والمعنة في أن أبوى رسول الله (ص) في الجنة
- (۵) السبل الجليلة في الآباء العليه
- (۶) نشر العلمين المنفيين في اثبات عدم وضع حديث أحياء أبوه  
و إسلامهما على يديه ...

اس کے مقابلے میں بعض افراد نے آنحضرت کے آباء و اجداد کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے کافی لمحے ہیں مثال کے طور پر ابراہیم حلبی اور علی قاری جس نے شرح الفقد الاعبر میں تفصیلاً اس مسئلے پر سمجھو کی ہے اور سیوطی پر سل اکبری کا الرام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس کی بات فتاویٰ بنیادوں کے مطابق نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

## اس موضوع پر بعض دلیلیں

امیریہ کہتے ہیں کہ مندب حد کے اجماع کے علاوہ، روایات کی بہت بڑی تعداد آنحضرت کے آباء و اجداد کے مومن ہونے پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ اجماع کا مأخذ اور سرچشمہ معلوم ہے لہذا ہم اس کے تأخذ پر بحث کرتے ہیں، اجماع کا تأخذ روایات ہیں۔ البتہ ان

تمام روایات کا احاطہ کرنا اگر غیر ممکن نہ ہو تو مشکل ضرور ہے۔ علامہ مجتبی نے بخار الانوار کی پندرہوں جلد میں ان میں سے بعض روایات کا ذکر کیا ہے اور سیوطی نے بھی مذکورہ رسولوں میں بعض کا تذکرہ کیا ہے۔

اس مطلب کے اثبات کے لئے جن دلائل کو پیش کیا گیا ہے ان میں ایک آنحضرتؐ کی یہ حدیث ہے کہ کپؐ نے فرمایا: "لَمْ يَزُلْ يَنْقُلُنِي اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِ الظَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الْمُطَهَّرَاتِ، حَتَّىٰ اخْرَجْنِي فِي عَالَمِكُمْ، وَلَمْ يَدْنُسْ بِلَنْسِ الْجَاهِلَةِ"۔ (۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے سلسلہ پاکیزہ طلبیوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کیا یہاں تک کہ مجھے تماری دنیا میں پیدا کیا اور مجھے ہرگز جاہلیت کی پیروی سے گلووہ نہ کیا۔

بدینی ہے کہ اگر آنحضرتؐ کے کباد و اجداد کافر ہوتے تو ان سب کی پاکیزگی کے ساتھ توصیف نہ کی جائی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ"۔ (۲) آنحضرتؐ کے اجداد کے مومن ہونے پر دوسری دلیل فرکن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "الَّذِي يَرَأُكُمْ هُنَّ قَوْمٌ وَ تَقْلِبُكُمْ فِي السَّاجِدِينَ"۔ (۳) ابن عباس، ابو حیان اور ابو عبد اللہ علیہما السلام سے مตول ہے کہ انہوں نے فرمایا: "آنحضرتؐ سلسلہ ایک نبی کی طلب سے دوسرے نبی کی طلب میں منتقل ہوتے رہے"۔

اس استدلال پر مناقشہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کوئی یہ کہ کہ آیت تو یہ کہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عبادت اور سجدے کی حالت میں دیکھتا ہے نہ یہ کہ انہیاء کی

۱۔ مجمع البيان ج ۳ ص ۳۲۲، بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۸-۱۱۷، تفسیر رازی ج

۲۳ ص ۱۶۳، سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۳۰، الدر المنشور ج ۵ ص ۹۸، سیرۃ

دخلان ج ۱ ص ۱۸ اور تصحیح الاعتقاد ص ۶۶

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۲۹

۳۔ سورہ شراء، آیت ۲۱۸ و ۲۱۹

اصلاب میں متعلق ہوتے ہوئے اور اگر روایت ثابت بھی ہو جائے تو کما جا سکتا ہے کہ یہ حضور اکرمؐ کے تمام آباء و اجداد کے ایسا ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ انہیں انبیاء کی ملبوں میں متعلق ہوتے دیکھتا ہے اسی طرح انہیں غیر انبیاء کی اصلاب میں بھی متعلق ہوتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے۔ علاوه ازس آنحضرتؐ کے تمام آباء و اجداد کی نبوت کو ثابت کرنا واقعہ متعلق ہے۔

بری اس نظریے کے حامل اہل سنت کی دلیلوں کی بات تو سیوطی نے اپنے رسائل میں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تمام دلائل پر مکمل طور پر بحث و کشف کو کی ہے البتہ ان میں موجود ضعیف اور قوی نکات کو بیان کرنے کیلئے کافی وقت اور جدا گانہ تایف کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیمؐ تک حضور کے آباء و اجداد کے ایمان پر اس آیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد الحنفی ہے: ”وَ جعلها كلمة باقية في عقبه“۔ (۱)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کلمۃ اللہ کا ابراہیمؐ کی دست اور لسل میں باقی رہنا ضروری امر ہے اور ان کی لسل میں ہمیشہ ایسے افراد کا وجود ضروری ہے جو قیامت تک اپنی فطرت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں اور شاید حضرت ابراہیمؐ کی دعا کی قبولیت کا بھی معنی ہو۔ انہوں نے اپنے پرودگار سے یہ دعا کی کہ: ”وَاجنبنِي وَبْنِي ان نعبد الاصنام“۔ (۲) یعنی مجھے اور میرے بیٹوں کو بیوں کی پرستش سے بچا۔

اور فرمایا: ”رَبِّ اجعْلْنِي مَقِيمَ الصَّلَاةِ وَ مِنْ ذَرِيقَتِي“۔ (۳) یعنی اے میرے پروردگار!

مجھے اور بھری ذریقت کو ملازم قائم کرنے والے تواریخ دے۔

واضح رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؐ کی تمام اولاد کے متعلق ان کی دعا کو قبول

۱۔ سورہ زخرف، آیت ۲۸

۲۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۵

۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳

کرتا تو الو اہب سب سے بڑے مشرکوں اور رسول اللہ کے عت قریب و شعوں میں سے نہ ہوتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت میں "من ذریتی" میں ذکر شدہ "میں" تبعیض کے معنی میں اعتمال ہوا ہے یعنی اس سے مراد بعض ہیں نہ کہ سب۔

## حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے مغفرت طلب کرنا

"رسالتابؑ" کے تمام آباء و اجداد کے ایمان کے قائلین پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر کے کفر کو صراحت کے ساتھ اس آیت میں بیان کیا ہے: "و ما کان استغفار ابراہیم لایہ الا عن موعدہ وعدہا ایاہ، فلما تبین له انه عدو لله تبرا منہ، ان ابراہیم لاوہ حلیم"۔ (۱) یعنی اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ (آزر) کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا ۔ پھر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بیوک ابراہیمؑ یقیناً بڑے درود مدد اور بردار تھے۔

اس اعتراض کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ہمیں بات تو یہ ہے کہ انہیں مجرم کے دعوے کے مطابق تمام موذخین کا اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہیں تھے بلکہ وہ ان کے پچھا تھے یا بنا تھے اختلاف فصل کی بات پر (۲) اور اس پر "اب" یعنی باپ کے فقط کا اخلاق کرنا مجازی طور پر ہے جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: "ام کتنم شهداء اذ حضر يعقوب الموت؛ اذ قال لبنيه ما تعبدون من بعدى، قالوا نعبد الهك و الـ آباـنـك ابراـهـيم و اسـمـاعـيل و اسـحـاق"۔ (۳) یعنی اسے (یہود) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۱۱۳

۲۔ دحلان کی سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۷ کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۳۳

سرمومت آکھری ہوئی اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کامیرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ کئے گئے ہم آپ کے مجدد اور آپ کے آباء و اجداؤ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے مجدد کی عبادت کریں گے۔ اس آیت میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ کہا گیا ہے جبکہ وہ ان کے پچھے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اس باپ کے لئے زندگی کے ابتدائی دور اور جوانی میں طلب مظہر کی تھی علاوہ ازیں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم برٹھاپے کی عمر کو پہنچتے ہیں اور خدا انہیں اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے تو اس ہیری کے عالم میں وہ اپنے والدین کے لئے مفترض اور بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”رَبُّنَا أَغْفِرْ لِنِ وَلَوَالدِّي وَلِلْمُؤْمِنِينَ، يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ“۔ (۱) یعنی اسے میرے پروردگار مجھے، میرے والدین اور مومنین کو حساب کے دن بخش دے۔

حضرت ابراہیم نے یہ درخواست اس وقت کی جب انہیں آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام عطا کئے تھے جیسا کہ آیات شریعہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ (۲)

یعنی بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ جس باپ کے لئے حضرت ابراہیم مظہر طلب کرتے ہیں اور پھر اس سے براتت کا احتمار کرتے ہیں وہ بعد میں ایمان لے آیا ہو اس وجہ سے حضرت ابراہیم نے دوبارہ اس کے لئے بخشش کی دعا کی ہو۔

علامہ محقق سید محمدی روحانی کا یہ نظریہ ہے کہ موزخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے بلکہ ان کے باپ کا باہم ”تلائے“ تھا اس الفاق کا مأخذ قورات ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اسے یون ذکر کرتے ہیں کہ

۱۔ سورہ ابراہیم، آیت ۴۱

۲۔ تفسیر المیزان ج ۱۲ ص ۶۸ و ۶۹ کی طرف رجوع کریں

مکن ہے حضرت ابراہیمؑ کے والد مشرک ہوں اور باپ بیٹے کے درمیان ایمان پر بحث ہوئی ہو اور حضرت ابراہیمؑ نے اس سے استغفار کا وعدہ کیا ہو اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا ہو۔ پھر ان کے باپ ایمان لے آئے ہوں اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے دوبارہ ان کے لئے نکشش کی دعا کی ہو۔ البتہ آخری عمر میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہ اختال زیادہ قوی ہے اور ضروری نہیں کہ ہم قرآن میں ذکر ہونے والے لفظ ”اب“ یعنی والد سے مراد مجازی باپ (بچا) نہیں۔

### میرا اور تمہارا باپ جہنم میں ہیں

مسلم اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا کہ میرا باپ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دوزخ میں۔ جب وہ شخص پیغمبھر کر جانے کا تو آپؐ نے اسے بلایا اور فرمایا میرا باپ اور تمہارا باپ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (۱) یہ روایت چند دلائل کی بنا پر درست نہیں ہے۔

اولاً: گذشتہ باقیوں کی بنا پر جو حضورؐ کے تمام آباء و اجداء کے ایمان کو ثابت کرتی ہے۔  
 ثانیاً: مذکورہ روایت کو حادی بن سلمہ، ثابت سے اور وہ انس سے فل کرتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں سعراہی حدیث کو ثابت اور وہ انس سے روایت فل کرتا ہے لیکن کسی اور شکل میں جو آنحضرتؐ کے باپ کے کفر پر دلالت نہیں کرتی۔ وہ فل کرتا ہے کہ آپؐ نے

۱۔ صحیح مسلم کے علاوہ صفة الصفوۃ ج ۱ ص ۱۶۲ (از مسلم) کی طرف رجوع کریں اس طرح الاصابة ج ۱ ص ۳۳۷ جس نے ابن خزيمة سے نقل کیا ہے، من ابن داؤد ج ۱۲ ص ۳۹۳ البداية و النهاية ج ۲ ص ۲۸۰ اور مسالک الحنفاء ص ۵۴-۵۵ نے بھی مسلم سے نقل کیا ہے۔

اس شخص سے فرمایا: ”جب بھی تم کسی کافر کی قبر سے گزو تو اسے جہنم کی نوید سزا“۔ (۱)  
 اس حدیث کے راویوں کے ہم نظریہ علماء رجال نے وضاحت کی ہے کہ معرو، حاد  
 سے زیادہ ثقہ ہے۔ لوگوں نے حاد کی حافظت پر باعیں کی تھیں یہ کہا ہے اس بات سے کہ  
 اس کا حافظہ کم تھا۔ اس کی حدیث کی کتابوں میں رسیدے نے بہت ہی غلط باعیں داخل کی  
 ہیں کہ حاد کا حافظہ اچھا نہ تھا وہ ان احادیث کو بیان کرتا تھا اور اسے کتاب کا حصہ سمجھتا  
 تھا۔ (۲)

مثال: یہ روایت صحیح سند کے ساتھ البتہ شیخین (مسلم اور بخاری) کی شرط کے مطابق  
 سعد بن ابی وقاص سے فضل ہوتی ہے اس میں آیا ہے کہ ”جب کافر کی قبر سے مبور کرد تو  
 اسے وزنخ کی خبر سزا“۔ (۳) اسی طرح یہ حدیث اسی مضمون کے ساتھ صحیح سند کے  
 ساتھ زیری سے بھی فضل ہوتی ہے۔ (۴)

## قابل توجہ نکتہ

گذشتہ حدیث میں رسول اللہ کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں کہ ’آپ‘ فرماتے ہیں کہ  
 ”جب کسی کافر کی قبر سے تمدا اگر ہو تو اسے آں کی بشارت دو“۔ یہاں لطیف طریقے پر

۱۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۰-۵۱، مسائل الحنفاء ص ۵۵-۵۷

۲۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۱، مقدمة فتح الباری ص ۳۹۶، تہذیب التہذیب ج ۳  
 ص ۱۲-۱۵ اور مسائل الحنفاء ص ۵۵

۳۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۱ ایزار، طبرانی اور یہیقی سے نقل کیا ہے، البداۃ و  
 النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۰ نے اسے یہیقی سے نقل کیا ہے۔ مسائل الحنفاء ص ۵۵ ہر  
 سابقہ افراد سے اور ص ۵۶ ہر این ماجد سے نقل ہوا ہے۔

۴۔ حافظ عبد الرزاق کی مصنف ج ۱۰ ص ۳۵۳

توبیہ سے کام لایا کیا ہے جس سے مائل کی دلچسپی بھی کی گئی ہے اور حقیقت میں یہ بات چیز بھی ہے اور کسی لفاظ سے بھی حضور اکرمؐ کے والد کے کفر پر ولات نہیں کرتی۔ کیونکہ کافر کو جنم کی بشارت و دعا ایک طبعی امر ہے یعنی یہ بات کہ آپؐ کے والد کافر تھے یا نہ، مذکورہ لفاظ سے یہ مطلب اخذ نہیں ہوتا۔

عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے آپؐ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں بھی اسی روایت سے مشاہد حدیث فہل کی گئی ہے کہ آپؐ نے دو اشخاص سے فرمایا: ”میری اور تمداری مانگیں وزن میں ہیں۔“

اس بارے میں ہم خود کچھ نہیں کہتے جو کچھ ذہنی نے کہا ہے اس کی تائید کرتے ہیں، ذہنی اس حدیث یعنی ”میری اور تمداری مانگیں آتش جنم میں ہیں“ کے باطل ہونے کی قسم کھاتا ہے۔ (۱)

رابعًا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے والدین، حضرت ابوطالب، حضرت عبدالمطلب، اور دوسرے اجداد دو زخ میں ہوں جیسا کہ بعض لوگوں کا اصرار ہے یعنی ورقہ بن نوفل جو آپؐ بخت کے وقت موجود تھا اور آپؐ پر ایمان نہیں لایا تھا وہ ریشمی لباس زنب تن کے جنت کی سیر کر رہا ہو (۲) اسی طرح عمر بن خطاب کا چھڑاڑ بھائی زید بن عمرو بن نفیل خانہ بانٹ کے ساتھ جنت میں کشت کر رہا ہو (۳) اور سکی حال امیہ بن الجی الصلت کا ہو جو صرف اپنے شرکی بدولت قرب تھا کہ مسلمان ہو جائے (۴) اور اسی طرح دیگر افراد۔ (۵)

۱۔ سیرۃ حلیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ اور مسالک الحنفاء ص ۵۲

۲۔ آئندہ ہم آغاز و حسی کے بارے میں بعض روایات کے حوالے سے ورقہ کے حالات کا جائزہ لیں گے۔

۳۔ محلان کی سیرت تبویہ ج ۱ ص ۳۹ اور ۱۶۸، البداۃ و النهاۃ ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۷

۴۔ امیہ نے انھے شعر میں ایک جملہ کہا ہے کہو یا اس سے اس کا مسلمان ہونا ظاہر

یہ کیسے بوسکتا ہے کہ انسان ان متعدد اور متواتر احادیث اور تواریخ کو نظر انداز کر دے جو سب ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں لیکن چند اور لوگوں کے ایمان کو کسی شرعاً خبول قسم کے الفاظ کے ذریعے تسلیم کرے جو کسی بھی صورت میں انسان کے سابق ارادے میں اثر نہیں کرتے۔

ہاں! وہ کیسے نجات نہ پائیں اور آگ میں کیونکر جلیں (۱) جبکہ عدالتیت کے  
مشترکین بہشت میں جائیں؟ حلی بیان کرتا ہے کہ خترت کے زمانے (دو ہزاروں کے دینیان  
و قرون) میں زندگی گزارنے والے لوگوں کو کوئی عذاب نہیں ہوگا مگر ایک ضعیف قول کے  
مطابق جو اس لفڑی پر مبنی ہے کہ ایمان اور توحید حقیقی وجوب رکھتے ہیں لیکن اہل سنت و  
جماعت کی اکثریت کا یہ نظریہ نہیں ہے ان کے عقیدے کے مطابق توحید پر ایمان واجب  
نہیں ہے مگر رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔

ائمهؑ کا اصول میں اور شاعریوں کا فقہ میں اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور وہوت اس تک نہ پہنچی ہو تو وہ دوزخ سے نجات پانے گا اور بہشت میں داخل ہوگا اس بنا پر دوران ثیرت کے عربلوں پر عذاب نہیں ہوگا ہرچند وہ بہت پرستی کرتے رہے ہوں یا اپنے دین میں تکمیر و تجدیل انجام دے رہے ہوں۔ اور جو احادیث ان کے عذاب کے مورد میں آئی ہیں ان کی تاویل کی جائے۔ (۲)

سیدہ سر نیک پر بات واضح ہے کہ ان یادوں سے کسی کم اسلام کو ثابت نہیں کیا

بے شکریہ اور بے شکنیدہ ہے۔ (آخر)۔ مونا ڈائٹ کیا جائے۔ (مقدمہ)

اس سُکھو اور ان متواتر احادیث سے یہ بات مردود نظری ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی والدہ ماجدہؓ کے لئے مفترض طلب کرنے سے منع کر دیا کیا تھا اگرچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اہل خرث کے پاس عقل یا انقلی جنت موجود تھی اس کے باوجود بھی انہوں نے بت پرستی کی ہے تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے مگر یہ کہ وہ جانش قاصر ہوں۔ کیونکہ توحید عقل کے ذریعے ثابت ہوتی ہے نہ ارسال رسولؐ کے ذریعے، وگرنہ کوئی بھی چیز قابل اعبات نہیں ہے نہ توحید، نہ نبوت اور نہ دین کی کوئی اساس اور بنیاد۔

### عجیب نکتہ

یہاں تقبیر کی بات تو یہ ہے کہ بعض افراد اس روایت کہ "میرا اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے" کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں باپ سے مراد آپؐ کے پچا الو طالب ہیں کیونکہ حرب پچا کو بھی باپ کہتے ہیں اور "بیٹبیر اکرمؐ" کو الو طالب کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ (۱) میری کہجہ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپؐ کے "سرے پچا الو طالب لحد اللہ علیہ جس کا سنن مسلم اور قطعی ہے کو تو پچھوڑ دیا جاتا ہے لیکن جو آپؐ کا نجیر خواہ، مخلص اور آپؐ کے اور دن کے راستے میں قربانی دیتا ہے نیز آپؐ کی اور دن اسلام کی حافظت کرتا ہے اس کے پارے میں اس قسم کی بائیں کی جاتی ہیں۔ الشاء اللہ تعالیٰ انھی بیکھوں میں ذکر ہوگا کہ حضرت الو طالبؐ کا ایمان مسلم اور ثابت شدہ ہے۔ اس پارے میں ہم جاتب عظیم آبادی کی بات پر احترا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "یہ کلام بھی ضعیف اور باطل ہے"۔ (۲)

ج ۱ ص ۱۰۶-۱۰۷ ابن حجر هیتمی<sup>۱</sup> مناوی اور سیوطی کا بہوں یہی نظر ہے۔

۱۔ عون المعبود ج ۱۲ ص ۳۹۵-۳۹۳ میں اسی سندی سے نقل کیا ہے، سبرة حلية

ج ۱ ص ۵۱ اور مسائل الحنفاء ص ۵۸

۲۔ عون المعبود ج ۱۲ ص ۳۹۵

## دوسری بات

### بخت سے پلے چینگزبرہ کا دریں

بخت سے پلے نبی اکرمؐ کا خداۓ واحد پر ایمان مسلمات میں سے ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا اس زمانے میں آپؐ کسی نبی کی شریعت کی ہدروی کرتے تھے یا نہیں؟ شریعت کی ہدروی کرنے کی صورت میں کسی نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے آیا حضرت فوج یا حضرت ابراہیمؑ یا حضرت مسیحؓ کی شریعت پر یا ہر اس چیز پر جو آپؐ کے نزدیک خدا کی طرف سے ہو؟ یا اصلاً کسی شریعت کے پابند نہیں تھے؟ ہرگز وہ نے اس بارے میں کہہ د کچھ کہا ہے۔

عبدالجبار، غزالی اور سید مرتضی نے اس مسئلے میں توقف اختیار کیا ہے۔ علام مجتبی کا نظر یہ ہے کہ بخت سے پلے جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کی عبداللہ زندگی میں آپؐ کی عمل کو کامل کیا تو آپؐ اس وقت سے نبی تھے اور روح القدس کے ذریعے آپؐ کی ہدایت کی، آپؐ فرشتے سے بائیں کرتے تھے اور عنیٰ کواز کو سنتے تھے، الامام بکش خواب دیکھتے تھے، اس کے ۲۰ سال بعد آپؐ کو رسول بنا یا کیا پھر آپؐ نے فرشتے کو دیکھا اور اس سے کلام کیا، آپؐ پر فرکن نازل ہوا اور تبلیغ کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ علام مجتبی کہتے ہیں کہ انہوں نے

یہ بات معتبر ذرائع اور اخبار مسٹنپس سے اخذ کی ہے۔ (۱)

آنحضرتؐ کے بھگن سے یعنی ہونے کے اثاثات کے لئے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کے بدرے میں اللہ تعالیٰ کے قول سے استدلال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "انی عبد الله آتاکی الكتاب و جعلتني نبیا و جعلتني مبارکا اینما کنت و اوصاتی بالصلة و الزکاة ما دست حجا"۔ (۲) یعنی بے شک میں اللہ کا بعدہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے مجھے نبی بھیا اور مجھے برکت والا قرار دیا ہے میں جہاں بھی رہوں اور جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نیاز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

حضرت سیّدؐ کے بدرے میں خدا فرماتا ہے: "وَ آتیناه الحكم صبیا"۔ (۳) یعنی ہم نے بھگن میں اسے حکم عطا کیا۔

اگر ہم ان آیات کے ساتھ ان کثیر احادیث کا بھی اضافہ کریں جن میں بعض صحیح بھی ہیں مثال کے طور پر یہند اکٹھائی سے محتول روایت جو کافی میں ذکر ہوئی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کوئی فضیلت، کرامت اور محبہ عطا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہمارے ہنگامہر کو بھی بخشنا۔ تو اس سے یہ تجھے اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمدؐ کو بھگن سے یعنی حکم اور نبوت عطا کر دی تھی۔ (۴) اس کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف نبی باکر بھیجا۔ علامہ مجسیؒ نے اس دلیل کو کہی طریقوں اور دلائل کے ساتھ اپنی گران قدر کتاب بخار الانوار ج ۱۸ ص ۲۷۷ سے ۲۸۱ تک میں واضح کیا ہے۔

ابد اگرچہ اس جگہ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز ہم یہاں ثابت کرنا چاہتے

۱۔ بخار الانوار ج ۱۸ ص ۲۶۶

۲۔ سورہ مریم، آیت ۳۰

۳۔ سورہ مریم، آیت ۱۲

۴۔ بخار الانوار ج ۱۸ ص ۲۶۸ و ۲۶۹ کی طرف رجوع کریں۔

ہیں اس کے لئے تمام انبیاء کے فحائل اور محبوبات کا عطا ہونا ضروری نہیں تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے زمانے میں بعض محبوبات کی اصل ضرورت ہی نہیں تھی ہاں وہ رسول اکرمؐ کے اختیار میں ضرور تھے اگر ان کی ضرورت ہمیش آ جاتی تو آپؐ ان سب سے استفادہ کر سکتے تھے لیکن فحائل کے لحاظ سے آپؐ کی ذات والا صفات تمام کمالات اور فحائل کا ایک کامل اور اعلیٰ مجموعہ تھی۔ مثال کے طور پر اگر حضرت ایوبؐ اپنے صبر کے لحاظ سے بالق تمام نہیں سے ممتاز ہیں تو بے شک ہمارے پیارے نبیؐ کا صبر ان سے کامل تر ہے اسی طرح دیگر فحائل، امتیازات اور مکارم اخلاق کے حوالے سے آپؐ تمام انبیاء سے زیادہ کامل و اکمل ہیں۔

ربہ کرامات تو ان سے خالہی طور پر وہی محبوبات مراد ہیں کیونکہ ان کے دریے سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نوازا اور عزت و برگزی عطا فرمائی۔

ان تمام مطالب سے قطع نظر ان روایات کا ثابت ہونا ان کی ولات کو قطعی سمجھنے کے بعد نہایت ضروری ہے تاکہ ان کے مضمون کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔

البتہ ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو قلیل از بہت آپؐ کی نبوت کو صراحتاً یا اشارتاً بیان کرتی ہیں، علامہ مجتبی نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

ای طرح الفدر (ج ۹ ص ۲۸۴) بھی مختلف غیر شیعہ مأخذ کے حوالے سے اس حدیث کی طرف اشارہ کرتی ہے: "إذ كان نبياً وَ آدم يَنْدِي الرُّوحُ وَ الْجَسَدُ". یعنی محمدؐ اس وقت نبی تھے جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

لیکن اس مسئلے کے بارے میں ان روایات کی اسناد اور ولات میں غور و گذر کرنے اور ان کی ولات کے قطعی ثبوت کے بعد کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا کوئی راستے دی جاسکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم گذشتہ نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ قلیل از بہت سومن اور موجود تھے آپؐ خدا کی پرستش کرتے تھے آپؐ کے نزدیک جو کچھ شریعت الہی کے عنوان سے ثابت تھا اور جس بات کو آپؐ کی عصی طیم قبول کرتی تھی اس پر آپؐ کا عقیدہ تھا اور آپؐ اس پر عمل کرتے تھے تائید الہی ہمیشہ آپؐ

کے شامل حال تھی اور آپؐ کی حادثت اسی کی طرف سے ہوئی تھی آپؐ خلقت، سیرت اور عقل کے لحاظ سے اس کی تمام مخلوقات سے افضل اور اکمل تھے۔

علاوه ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ جناببر اکرمؐ کی خصوصیات کے بیان میں کہا گیا ہے کہ آپؐ ان امور کے پابند تھے جن کا علم شریعت کی طرف سے ہو سکا تھا مثلاً آپؐ مردار نہیں کھاتے تھے، تسبیح اور تجدید پڑھتے تھے وغیرہ اس طرح کی دوسری خصوصیات کے حوالے تھے جنہیں آپؐ کی سیرت پر تحقیق کرنے والا شخص کسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔

### بعض افسانے

گزشتہ مکتوو سے ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ کے ہدایت و رشد اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور شریعت سے نا سازگار ہاتوں کی جو نسبت دی کی ہے، ان سب کی کوئی صحیح بنیاد اور اساس نہیں ہے۔ یہاں پر ہم بطور مثال ان میں سے بعض موارد کا ذکر کرتے ہیں۔

بخاری اور دیگر افراد فضل کرتے ہیں کہ ”زید بن عمرو بن نفیل کے لئے دستر خواں لگایا گیا جس میں طیر اللہ کے ہام پر فتح شدہ گومند کا گوشت تھا (بخاری کے نزدیک یہ دستر خواں نبی اکرمؐ کے لئے بھیجا گیا) زید نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا میں ان چیزوں کو نہیں کھاتا جو جوں کے ہام پر فتح ہوئی ہوں اور جن پر اللہ کا ہام نہ لیا گیا ہو۔ احمد روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ سینا بن حرث کے ساتھ دستر خواں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے زید کا پہاں سے گزر ہوا انہوں نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے انکار کیا اور کہنے لگا۔

احمد کہتا ہے کہ اس دن سے لے کر بخت تک بھر آپؐ کو جوں کے ہام پر قربانی شدہ گوشت کھاتے ہوئے نہ دیکھا گیا۔

کہتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل قریش کی قربانیوں پر اعتراض کرتا تھا اور کہا تھا

پس اس بنا پر زید بن عمرو بن نفیل رسول خدا<sup>۱</sup> سے زیادہ عاقل دانا اور سجادار تھا (نحوہ بالش) کیونکہ وہ جوں کے لئے یا اللہ کا نام لئے بغیر فرع شدہ گوشت کھانے کی قباحت اور برائی سے آگاہ تھا لیکن خلیلبر اکرم<sup>۲</sup> اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور (نحوہ بالش) وہ گوشت کھاتے رہے جبکہ آپ<sup>۳</sup> تمام مخلوقات سے بالاتر اور دانا تر تھے۔ علاوه ازیں آپ<sup>۴</sup> نے حضرت عبد المطلب کے دامن میں پروردش پائی تھی جو جوں سے دور اور انہیں سمجھرا پکے تھے اس کے بعد آپ<sup>۵</sup> اپنے چچا ابو طالب کے زر سایہ پروان چڑھے نیز آپ<sup>۶</sup> نے عربوں کے اعلیٰ نمادوں میں آنکھ کھولی اور تبیت پائی جو درن ضیف کی تعییمات سے سب سے زیادہ آگاہ تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ زید تو اپنی سمجھ بوجہ سے اس مطلب کا اور اک کر لے البتہ عصطلانی کی تھیجن کے مطابق<sup>(۲)</sup>، لیکن ختم الرسل<sup>(۳)</sup> اسے نہ سمجھ سکیں پس زید حضرت محمد<sup>(۴)</sup> کی نسبت نبوت کا زیادہ حقدار تھا نعوذ بالله من الزلل فی القول و العمل ....

بعض لوگوں نے احتمال دیا ہے کہ ثالید زید نے یہ بات یہود یا نصاری سے سمجھی ہو۔ یہ احتمال اس وقت محفوظ ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ جوں پر چڑھاوے کا گوشت اور وہ گوشت جس پر نام خدا نہ لیا گیا وہ نصرانیوں کے نزدیک بھی حرام ہو اور یہودی اپنے علاوہ کسی دوسرے کو اپنے دین کے بعد قبول ہی نہیں کرتے تھے اور اکر یہ بات یہودیوں کی طرف سے عام تھی تو زید کے علاوہ باقی لوگ اسے کیوں نہ جان سکے؟

۱۔ صحیح بخاری طبع مشکول مصربہ ج ۵ ص ۵۰ اور ج ۷ ص ۱۱۸ باب ما فیح  
علی النصب و الاصنام، سیرۃ الحلیۃ ج ۱ ص ۱۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۹  
اور فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۸ و ۱۰۹ اور الروض الانف ج ۱ ص ۲۵۶ کی  
طرف رجوع کریں۔

۲۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۹

بھر حال سلیٰ نے کہا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے کس طرح زید کو بتوں کی قربانی اور خدا کا ہم نے بغیر فرع شدہ جانوروں سے اجتہاب کرنے کی توفیق دی حالتکہ دور جاہلیت میں رسول اللہ اس فضیلت کے زیادہ خلدار تھے؟ کیونکہ آپ کے لئے عصمت الہی ثابت شدہ ہے۔“

بھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتا ہے کہ ”مذکورہ روایت اس بات پر کوئی دلالت نہیں کرنی کہ آنحضرت نے اس دستخواں سے کچھ تاحول کیا ہو نیز ابراہیمؑ کی شریعت میں فقط مردار حرام تھا غیر خدا کیلئے کی جانے والی قربانی حرام نہ تھی میں زید نے مابعد شریعت کی بات پر نہیں بلکہ اپنی رائے اور نظریے کے مطابق بتوں کی قربانی کھانے سے درج کیا“ (۱) لیکن یہ جواب نہایت ہی پھیکا ہے کیونکہ یہ بات غیر محقق اور ناقابل قبول ہے کہ جو امر شرع کے مطابق تھا زید نے اس کا ادراک کر لیا یعنی ہبھبر اکرمؓ اس کے ادراک سے ناتوان تھے۔

بھر کیونکہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ برہنہ ہوئے (البتہ ان کے نظریے کے مطابق) تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدد کی اور اس عمل سے آپ کو معص کیا۔ بھر اللہ نے بتوں اور شرک کو آپ کے نزدیک مبغوض و مغفور بنا دیا لیکن غیر خدا کے لئے فرع شدہ جانوروں کے گوشت کھانے سے نہیں بچایا جسکے بعض عام لوگ بھی جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں ہے؟

### بتوں کو چومنا یا تبر کا چھوٹا

ان لوگوں کے خود ساختہ افسانوں میں سے ایک یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ بتوں کو جبر ک سمجھ کر چھوٹے تھے جبکہ خود ہی لوگ لکھتے ہیں زید بن عمرو بن نفیل جس کا مذکورہ

۱۔ الروض الانفت ج ۱ ص ۲۵۶ اور سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۳، اس نے الروض الانفت سے نقل کیا ہے اور فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۹ کی طرف رجوع کریں۔

پسلے ہو چکا ہے، عمر بن الحجر ث، ابو قیس ابن حرمہ، قش بن ساعدہ، اسد بن کرب، عبید اللہ بن جعفر اور رباب بن البراء وغیرہ ہرگز بھول کے آگے نہیں بچتے تھے اور وہ بھول کی عبادت کو حرام سمجھتے تھے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے جان کئے جائے جنکہ ڈاکٹر اکرمؒ نہ کہہ سکے؟

نیز ڈاکٹر اکرمؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی بھول کی پوچا کی تھی؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔

ابن حجر کہتا ہے: ”علماء اس روایت کا انکار کرتے ہیں کہ آپ بھول کو چھینتے تھے۔“

احمد بن حمل (جیسا کہ شعاء میں مذکور ہے) نے اس حدیث کو جعلی قرار دیا ہے۔ (۱)

بھر حال اس بارے میں یہودہ بائیس بہت بیس اور آپ پر بندھے گئے جھوٹوں کی تعداد کثیرہ فراوان ہے خواہ یہ تھیں اور محوٹ دوران خترت یعنی دور چالیت سے متعلق ہوں یا بحث کے بعد سے مربوط ہوں۔ ان میں سے بعض کا ذکر آمده بخوبی میں آئے گا لیکن ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ان سب کی تحقیق کرنا صرف مشکل ہے بلکہ بہت ہی دشوار ہے اس لئے موقع کی گنجائش کے بیش نظر اختصار سے کام لیتے ہوئے جو چیز زیادہ اہم، سودا مدد اور ہستروں اسی کو ہی بیان کرنا چاہیے۔

---

۱۔ دحلان کی سیرہ نبویہ ج ۱ ص ۵۰ و ۵۱ اور سیرہ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۲۵ اور ۲۶۰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

## تیسرا بات

### ایک تحریک کی شرائط

کسی بھی قوم و ملت میں ایک تدبیر اور تحریک اور اختاب کو وجود میں لانے کے لئے چند امور لازمی اور ستمی ہیں۔ یہاں پر ان کے بعض عام عناصر کی طرف اشارہ کرنا ملابح ہے پھر ایک مختصر موازنے کے بعد ہم اسلام کی عظمت، بلندی اور اصالت کا اندازہ لگا سکیں گے۔

ہماری مکملوں کے ہدف سے قادرین کی آگاہی اور سوت کے لئے جزرہ العرب کے شلیل عربوں جو اہل حجاز کہلاتے ہیں اور جنوبی عربوں جو اہل یمن کہلاتے ہیں کے حالات کے درمیان ایک مختصر موازنہ ہٹیش کیا جاتا ہے جس کے لئے درج ذیل لکات کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

الف: اہل یمن ایک خود کنفیڈل اور زرخیز علاقے میں رہتے ہیں ایسا علاقہ جس کے باشندے اگر زراعت پر ہی توجہ دیتے اور اسے اختیار کرتے تو وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکتے ہیں علاوہ ازیں پہاڑی علاقے، بلند و بالا چوٹیوں اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے بہت سے موارد میں ان کی قدرتی مدد ہو جاتی تھی اور ان میں دشمن کے مقابلے کی طاقت

آجاتی تھی۔

چونکہ یعنی لوگ اپنی زمینوں پر کاشت کاری کرتے تھے اور اپنی فصلوں اور پیداوار کو اپنی زندگی اور جا کا سرچشمہ سمجھتے تھے تو اس سرزین سے ان کا لگاؤ ایک طبیعی امر تھا۔ اور بدیکی ہے کہ انسانوں کی اپنے دھن سے محبت کا ایک عصر ہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دھن پر اپنی سب سے قیمتی اشیاء تھی کہ اپنا خون بھی قربان کر دیتے ہیں اگرچہ وہ دھن کا ایک چھپی کیوں نہ ہو، اس با پر غالباً حب الوطنی زمین کی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور زمین سے محبت عموماً اس شعور کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ سرزین انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرتی ہے۔ اور اس کی سرفہرستی اور خواہش کے مطابق اس کی جا کی خاصیت ہے۔

ب: یہ میں میں ایک مشبوط مرکزی حکومت بھی قائم تھی جو نظم و رُن اور قانون کا اجزاء کرتی تھی اور امن و امان اور گرام و سکون بھم پہنچانے کا بعدوایس کرتی تھی۔ جب انسان امن و امان کی زندگی گزار رہا ہو اور قانون کے ملے ملے دن گزار رہا ہو اسے کسی دشمن کے اچاکھ ملے کاڑ اور خدش بھی نہ ہو تو اسے اپنے موجودہ حالات زندگی کو اس سے بہتر اور کامل تر حالات میں تبدیل کرنے کے ہدے میں غور و گذر کرنے اور سوچنے کا بہتر موقعہ میر آتا ہے۔

ج: ایسی صورت میں انسان کو اپنے اہداف اور گزروں کی تکمیل کرنے کا موقعہ ملتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے انسان تلاش و کوشش، محبت اور مختلت اور وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتا ہے۔

د: اس کے بعد تحریک کا اہم ترین اور موثر ترین مرحلہ آتا ہے کہ جو اکمل، جامع اور بہترین نظام کا موجود ہوتا ہے ایسا نظام جو داخلی طور پر انسان کی تغیری کرے اور خارجی طور پر اس کی محافظت کرے اور اس ذریعے سے ترقی و پیشرفت کے راستے میں پیش کئے ولیٰ تمام ممکنہ مشکلات اور دشواریوں کو بر طرف کرے۔ اس نظام کے زیر سایہ انسانی اقدار

اور صلاحتیں رشد دئے جائیں لیں نیز انسان کو اپنے حالات تبدیل کرنے اور اپنے روشن مستقبل کے لئے صحیح وسیعے پر منصوبہ بعدی کا موقعہ فراہم ہوتا ہے۔

جب یہ تمام اسیاب کی ملت کیلئے فراہم ہو جائیں تو بلا شک و شہادتیں کے ساتھ ایک تہذیب کی بنیاد رکھ سکتی ہے اور اپنا مستقبل روشن اور تباہک بنا سکتی ہے۔

آخری عامل کے علاوہ بالقیام عوامل اور عناصر سر زمین یعنی پر فراہم ہتھے۔ اسی آخری عصر کے نہادن کی وجہ سے باقی وسائل اور اسیاب سے بھی استفادہ نہ کیا جاسکا۔ تاریخ ہمیں قدیم یعنی کے بارے میں کوئی قابل ذکر بات بیان نہیں کرتی جو یعنی کو ایجازی حیثیت کی حامل بنا دیتی ہوئے ان کے لگھری رشد اور تندیب و تہذیب کے بارے میں اور نہ ہی کسی دوسری چیز کے بارے میں اس دور کے یعنی میں روشن لگھری اور نظریاتی ترقی ہام کی کوئی چیز جوان کے پاس موجود وسائل کے مطابق ہو، بھی نہیں پالی جاتی تھی۔

جس طرح یہودیوں کا تحریف شدہ درن جو صدیوں سے ان پر حاکم رہا، اپنے ہر وکاروں کے لئے کوئی ایسی قابل ذکر چیز بیش نہیں کر کا جوان کی حالت بدل دیتی یا ان کو جانت کی تاریکیوں سے نجات دے سکتی ان کی مشکلات اور مسائل کو حل کر سکتی۔

یہودت کی طرح روم میں تحریف شدہ عیسائیت اور ایران میں رزتشیت (محوسیت) اپنے تمام تر وسائل کے باوجود تندیب و تہذیب کے معزے میں کوئی قابل ذکر کروار اواز کر سکتیں۔

لیکن حجاز کی سر زمین میں اگرچہ تہذیب اور انقلاب کے مذکورہ عوامل اصلاً موجود نہیں تھے صرف آخری عامل موجود تھا اسی کی وجہ سے ایک وحشی اور ذات و پیشی میں تندگی گزارنے والی قوم ایک ایسی امت میں بدل گئی جس کا کوئی ثانی اور ہم پڑھنے نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ یہ امر واقعاً ایک مخفیہ ہے۔

حجاز کے آثر لوگوں کا پیشہ زراعت نہیں تھا کیونکہ یہ سر زمین پالن کی قلت کی وجہ سے زراعت اور کاشت کاری کے قابل نہ تھی اس علاقے میں نہ کوئی دریا تھا نہ ضرورت کے

مطابق پارش ہوتی تھی جو کچھ تھا اور ہے وہ صرف چیز تھے جو سریوں میں جاری ہوتے تھے لیکن گرمیوں میں خلک ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ چھوٹوں کی تلاش میں پانی سے کوچ کر کے دوسری چھوٹوں کا رخ کرتے تھے البتہ جہاز کا کچھ علاقہ نری تھا لیکن وہ بہت تھوڑا تھا۔

بخاریں جہاز کی سر زمین میں کشش کا کوئی ایسا عصر موجود نہیں تھا جو عربوں کو اس سے نکاہ، محبت اور اس پر قربانی دینے پر مجبور کرتا اور ان کی حب الوطنی کا باعث بنا بلکہ ان کی زندگی اور رزق و روزی شیری، اونٹ اور دوسرے چارپائوں سے والبست تھی اس نے ان کے نزدیک انھی چیزوں کی اہمیت تھی لہذا ہم عرب شراء کو دیکھتے ہیں کہ عرب شاعر عمار، اونٹ اور گھوڑے کے بارے میں سیکت گاتا ہے، وہ اس باد لسم کی شان میں جو دشت عرب کی گرمیوں سے پیدا شدہ سنگین دکھوں اور غموں کو لمحہ بھر کے لئے بھلا دیتی ہے غزل کتنا ہے اور چالند ساروں کے ساتھ بہت زیادہ سرگوشیاں کرتا ہے۔

البنت اگر وہ کبھی ہمیں اپنی دھرنی اور سر زمین پر آنسو بہاتا نظر آتا ہے تو وہ صرف اس نے ہے کہ اس نے کچھ عرصہ پان گزارا اور اس سے ماوس ہو کیا ہوتا ہے یا بالغاظ دیگر پان سے اس کی یادیں والبست ہوتی ہیں۔

اور چونکہ عرب جنگ و غارت کو اپنا ذریعہ معاش سمجھتے تھے اس نے وہ ان موقع کو بہت یاد کرتا ہے اور غزل سرائی کرتا ہے اور اپنی ہر قسم کی سسل لوث مار پر افکار کرتا ہوا نظر آتا ہے، خواہ پیدل کی ہو یا سوار ہو کر۔

دوسری طرف عربوں کو ہمیشہ جنگ، حملے اور لوث مار کا خطروہ رہتا تھا اسے کسی مرکزی حکومت کی مدد و حمایت کی امید بھی نہیں ہوتی تھی لہذا وہ ہمیشہ خوف اور وحشت سے دوچار رہتا تھا۔

جب امن و امان حاصل نہ ہو تو زندگی کے موجودہ حالات کے بارے میں کس طرح سوچا جا سکتا ہے اور ان حالات سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ چارہ کار کیا جا سکتا

ہے؟ زندگی کے مختلف پہلوؤں اور جہات کو کس طرح چار چند لگائے جا سکتے ہیں؟ مستقبل کی روشن راہیں حقیقت پسندی اور اطمینان کے ساتھ کیسے تھیں کی جا سکتی ہیں تاکہ ان پر چل کر اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے مقامد اور آرزوؤں کی تکمیل کی جا سکے اور زندگی کی بہتری کے منصوبے کو عملی حالت پہنچایا جا سکے؟

بھیرا پہلو یہ ہے کہ کمال اور کیسے آرزوؤں پر پہنچیں گی، بڑے بڑے ایمان کیسے پورے ہوں گے اور مقامد کمال پا یہ تکمیل تک پہنچیں گے جب ہر روز اس کے ارمانوں کا قتل عام ہو جب ہر دن اس کی آرزو حضرت میں بدل جائے اور ہر گز نے والا دن ایک تازے زخم کا اضافہ کر دے؟

خیفر یہ کہ جہاز میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی جو آسانی کے ساتھ اپنی طاقت، قدرت اور رصب و دبدبے کے مل بوتے پر قانون کا غلاز کر سکتی اور اپنے احکام کا اجزاء کر سکتی بلکہ ایسا کہنا ممکن نہ تھا کیونکہ جس ملت سے اسے سروکار ہوتا ہے ایک دشی اور قتل و غارت کی پروردہ ملت تھی جو کبھی یہاں ہوتی اور کبھی یہاں۔

ہم نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ ایرانیوں اور عربوں کے درمیان جنگ کا معزکہ ہوا، ربانی کا بازار گرم ہوا ایک شدید اور سخت معزکہ اور قتل و غلات کے بعد دونوں فرقہ رات کو استراحت کے لئے مختلف اطراف میں پاہ لینے پر محروم ہوئے، جب دن ہوا تو ایرانیوں نے اپنے دشمن کی طرف دیکھا اُنہیں نہ سروار لفکر نظر آیا اور نہ لفکر۔ وہ کیسے، کس وقت اور کمال پڑھے گئے؟ اُنہیں کوئی سراغ نہ مل کا اور اگر وہ جان بھی لیتے تو ان کے لئے مظید نہیں تھا چونکہ یہ عربوں کی عادت اور فظرت تھی۔

ان خصوصیات کے باعث وہ ایک انقلاب اور تحدن کے تمام اسٹاپ و عوامل سے عاری تھے یہاں تک کہ وہ انقلاب اور ہجدی کی خواہش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کمال یہ ہے کہ اس کا ارادہ رکھیں اور اس کے لئے کام کریں۔ علاوہ ازیں ان کی اجتماعی و انفرادی زندگی پر جن بڑی عادات اور صفات روزیہ کا غلبہ تھا اور کمال کی جانب وہ ان کے مصائب و مشکلات

میں اضافے کا موجب نہ بتیں اور انہیں چند قدم پہنچے نہ دھکیلیں تو کم از کم کسی اصلاح اور تجدیل کی بھی اجازت ہرگز نہ رہی۔

لیکن ان تمام خلاص اور خرابیوں کے باوجود انہوں نے خدائی مشن اور حق کو پایا اور وہ دین اور وہ رسول بہت ہی کم مدت میں اس امت کو ذات و سماں کی پستیوں سے کال کر عزت و شرافت کی بلندیوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے ان کی تمام علط رسومات اور ناپسحیدہ عادات کو بدلت کر رکھ دیا انہیں جاہلیت کے لوجھ سے بنا کر دیا اور ان کے مصائب و آلام کے اساب کو ختم کر دیا اور حیطا یہ ایک بہت بڑا مجزہ ہے۔

اسلام نے بہت ہی کم عرصے اور چند ہی سالوں میں جو انگلیوں پر کئے جاسکتے ہیں آداب و رسومات میں ایک حقیقی اور بنیادی انقلاب پیدا کر دیا انہیں عدم کی وادی سے کال کر جانا کام پلا دیا اور انہیں موت کے منہ سے کال کر عرصہ حیات میں داخل کر دیا۔

اگر اس دور میں یہودت، عیسائیت اور دوسرا سے ادیان و مذاہب میں تعمیر و اصلاح کی تجویزی سی بھی صلاحیت ہوتی تو وہ حالات کو مسلح اور میدان کو ہموار پا کر اس دور کے دگر گون حالات میں جدیلی لا کر اپا کروار ادا کر سکتے تھے اور یوں اپنے آپ کو بُوا سکتے تھے جبکہ یہودت اور میسائیت تو قتل از اسلام عرب قبائل میں راجح تھیں لیکن وہ لوگوں کے افکار و کروار اور حالات زندگی میں کسی قسم کی جدیلی لانے سے عاجز تھیں بلکہ وہ اسی طرح اپنی لذکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے دوسروں کو لوٹتے تھے اور اپنے تمام برے اعمال اور غلط اوصاف پر بُلتے تھے بلکہ مورخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ فلک عرب قبلہ جو دین مسیحیت میں آپ کا تھا، اس دین کے بارے میں شراب پینے کے علاوہ کچھ نہیں جاتا تھا۔ اسی طرح یہودی بھی عربوں کے درمیان رستے تھے عرب ان کا بہت احرام کرتے تھے اور انہیں علم و معرفت کا منع کر جاتے تھے (اس کی طرف ہم بعد میں اشارہ کرنے کے) لیکن عربوں میں ان کے نظریات، افکار اور رفتار و مختار کا ذرا بھی اثر و کھالی نہیں دیتا تھا۔

## چوتھی بات

### اسلام کی ترویج و اشاعت کے عوامل

گذشتہ خلاصے کے بعد اب اس علاقے میں (جس کا تغیر کرایا گیا ہے) اسلام کی ترویج و اشاعت میں جو عوامل موثر تھے ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض عوامل کا تعلق رسول اللہ کی شخصیت سے ہے، بعض ان کی رسالت سے مربوط ہیں اور بعض امور ایسے بھی ہیں جو ان دو کے علاوہ دیگر عناصر سے متعلق ہیں۔ ان تمام کا درج ذیل امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

#### ۱۔ مقام دعوت - مکہ

الف: ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز عربوں بکھر غیر عربوں کے بھی نزدیک، مقدس ترین شر سے کیا وہ سر زمین جس کی طرف دیبا کے مختلف حصوں سے اسلامی قبوب کی پیغمبیری پڑتی ہے، وہ مقام جو لوگوں کی عقیدتوں، امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ہے۔  
ب: البوطی کہتا ہے کہ ”جزیرہ العرب جزر افریقی طور پر اس دعوت کی دشواریوں اور حسینیوں کو تحمل کرنے کے لئے ماسب تھا کیونکہ وہ اپنے اردو گرد کی مختلف قوموں اور اقوام

کا مرکز تھا جنی امر اطراف کی قوموں اور ملکوں میں دعوتِ اسلامیہ کے آسانی کے ساتھ پھیلنے کا موجب بنا۔ (۱)

طہیٰ طور پر اگر یہ دین کسری (ردی) کے ملک میں ظاہر ہوتا تو قیصر کے ہمراکار اس کی ہمراوی نہ کرتے اور اسی طرح اگر اس کے بر عکس ہوتا۔ اس کی وجہ دونوں سپر طاقتوں کے درمیان موجود دشمن و رفاقت اور ان دو قوموں پر حاکم روحانی اور باطنی موافع تھے۔

ج: ہبھبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت کا نقطہ آغاز اس مقام کو قرار دیا جو ان دو سپر طاقتوں (ایران اور روم) اور دوسری طاقتوں حکومتوں کے اثر و تفویز سے بہت دور تھا۔

اس صورت میں کوئی ایسی طاقتوں قوت نہ تھی جو آپؐ کی دعوت پر کاری ضرب لگائی اور ابدا عی میں اسے خاموش کر دی۔ کیونکہ آپؐ نے جس ماحول اور محیط میں اسلام کی دعوت شروع کی اس میں اور عمومی طور پر جماں میں قبائلی نظام کا دورہ دورہ ہتا لوگوں میں قبائلی تصب کار فرمایا اس میں موجود قوتوں کے درمیان طاقت کا مساوی مقابلہ تھا، مختلف اور متعدد قبائل پہاں آباد تھے ان میں سے قریش کے صرف دس یا کچھ زیادہ طالکے تھے جن میں بعض ایک دوسرے کے رقیب تھے اور بعض کو دوسروں سے خطرہ رہتا تھا۔

علاوہ ازیں عرب کے لوگ اچھی طرح جاتے تھے کہ اگر وہ حرم کی حرمت کو پہاں اور ختم کر دیں اور ایک گروہ دوسرے سے لڑیں تو دوسرے اعراب کے نزدیک وہ اپنی شان و شوکت اور اہمیت کو کوشا شنخیں کے اور اس کے تیجے میں ان کے اہم ترین مقدادات اگرچہ مکمل طور ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم ان پر کاری ضرب ضرور لگے گی۔

## ۴۔ رسول اللہ کی ذاتی خصوصیات

الف: اس دعوت کے بالی حضرت محمد قبیلہ قریش سے تھے جو علقت و شرف، عزت و برگی اور اثر و نفوذ کے لحاظ سے عرب کے تمام قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ شمار ہوتا تھا سب قبائل اسے نایاب عزت و احترام کی نظریوں سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً آپ کا تعلق ہاشم کے خلدان سے تھا جو پاکیزگی اور طہارت میں ممتاز تھا، کئے کی سیاست و ریاست کا ماں تھا کوئی بھی شرافت اور اعلیٰ مرتبے میں ان کا شریک اور ان کی برادری نہیں کر سکتا تھا۔

پس حضرت محمد کو عزت و اکبر اور مقام و منزلت کی ضرورت نہ تھی جس کے حوالے کی خاطر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے جیسا کہ آپ ہمیں اسماعیل میں سے تھے اور سب لوگوں کے اندر خلدان اسماعیل کی طرف سے دعوت کو قبول کرنے کے لئے فتحا ہموار تھی ہی خلدان محل نزول وہی تھا اور معدن طہارت شدار کیا جاتا تھا انشاء اللہ اس بات کا تذکرہ آنکہ ”قبائل کو رسول اللہ کی دعوت“ کے حوالے سے آئے گا۔ مثال کے طور پر جب آپ نے اپنی دعوت قبیلہ ”ہمیں عامر بن حصہ“ کے سامنے ہٹیں کی تو انہوں نے دعوت کو قبول کرنے کے لئے یہ شرط رکھی کہ آنحضرت اپنے بعد اس قبیلے کو اپنا جانشین مقرر کریں بصورت دیگر وہ دعوت قبول نہیں کریں گے۔ آپ نے بھی ان کی شرط کو سمجھا دیا وہ اپنے علاقے میں لوٹ جاتے ہیں اور اس واقعہ کو ایک سرزی بوڑھے مرد سے بیان کرتے ہیں وہ اپنا سر رخماں کر کرنا ہے اے ہمیں عامر! کیا اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے؟ جو کچھ ہم نے گھوڑا دیا ہے کیا اسے دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے خلدان اسماعیل میں سے کسی نے بھی خواہ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اس شخص کا دعویٰ قطعاً حق ہے تم نے کیوں صحیح فیصلہ نہیں کیا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ (۱)

۱۔ یہ بات اپنے موقعہ و محل پر مأخذ کے ساتھ ذکر ہو گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ب: آنحضرتؐ کی ان خصوصیات و صفات اور ان خصوصیات کا جن کی طرف حضرت جعفر بن ابی طالب نے اشارہ کیا تھا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک رسول بھیجا جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب، صفات اور عفت و پاکیزگی سے اچھی طرح واقف ہیں“ اپؐ کی دعوت کے عکس اور رسالت کی کامیابی میں بہت بڑا کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپؐ کے نعلق عظیم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ اور فرمایا ہے: ”وانک لعلی خلق عظیم۔“ (۲)

یعنی اپؐ اخلاق کے عظیم مرتبے پر قائم ہیں۔

مذکورہ مطالب کے علاوہ ہم درج ذیل باتوں کا بھی سذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد خود رسول اللہ کی اپنی رسالت پر گواہ سے مسلمان ہوتے ہیں۔ محتول ہے کہ ایک اونٹ سوار ہبر سے داخل ہوا اس نے اونٹ کو مسجد میں بھیجا اور اسے ایک جگہ پاندھ دیا، اس نے لوگوں کی طرف من کر کے پوچھا تم میں سے محمدؐ کون ہے؟ راوی کہتا ہے کہ ”بیلبر اکرم“ لوگوں کے درمیان تیک لگا کر بیٹھے تھے۔ ہم نے جواب دیا ہی تیک لگائے سندید رنگ شخص ہیں۔ اس شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا: کیا تم عبد المطلب کے بیٹے ہو؟ اپؐ نے اپنے اہلیت میں جواب دیا۔ پھر اس نے کہا میں اپؐ سے چند سوال سختی کے ساتھ کروں گا؟ لہذا اپؐ پڑا پش نہ ہونا۔ اپؐ نے فرمایا: جو چاہتے ہو پوچھو! اس شخص نے کہا میں اپؐ کے خدا اور پڑلے انسانوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپؐ کو تمام لوگوں کے لئے مجبوٹ فرمایا ہے؟ اپؐ نے فرمایا: پروردگار کو گواہ قرار دے کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے۔ پھر اس نے کہا: اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے اپؐ کو روزانہ پانچ شمازوں کا حکم دیا ہے؟ بیلبر اکرمؐ نے جواب دیا کہ خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے اس نے پھر کہا: ... یہاں تک کہ راوی کہتا ہے کہ آخر کار

۱۔ سورہ قلم، آیت ۳ آیت میں ایک اور احتمال بھی دیا گیا ہے لیکن وہ متادر مفہوم کے برخلاف ہے۔

اس شخص نے کہا جو آپ لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ میں اپنی قوم کا تماشہ ہوں اور میں خمام بن ٹھٹھہ ہوں۔ (۱)

خمام کا اصحاب کے درمیان رسول اللہ کو پہچان نہ سکتا آپ کے نعلن عظیم کی بہترن دلیل ہے نیز یہ اس امر کی بھی نشیدھی کرتی ہے کہ اسلام حاکم اور رعایا کے مابین بادھی فرق کو قبول نہیں کرتا، اسلام اس کا قائل نہیں کہ حکومت حاکم کے لئے ایک قسم کا امتیاز ہے بلکہ وہ اسے ایک مسکولیت اور ذمہ داری سمجھتا ہے۔

ای طرح خود آنحضرتؐ کی شادوت پر خمام کا اسلام لے کر آپ پر حد درج اطمینان کی بھی حکایت کرتا ہے کیونکہ دعوت کی قبولیت اور میظام کے پھیلنے میں اس اطمینان اور اعتقاد کا بہت بڑا دخل ہے۔

علاوه ازیں قریش کے لوگ جلیلبر اکرمؐ کے کمال عقل، حسن عدیر اور رائے کی پہنچی سے اپنی طرح آگاہ تھے (جیسا کہ خدا کہہ کی تعمیر کے موقع پر مجرالاسود کو اسکے مقام پر نصب کرنے کے مسئلے میں آپؐ کے بہترن فیصلے کا تذکرہ ہو چکا ہے)۔ اسکے علاوہ صداقت اور امانت میں آپؐ کو شریتِ حقیقی یہاں تک کہ آپؐ کو صادق اور امین کا لقب دیا گیا۔  
ای طرح آپؐ کی ولادت اور اس کے بعد جو روشن دلال اور عجیب واقعات رومنا ہوتے نیز یہ کہ آپؐ اور قریشیوں کے فرزند تھے ان باقتوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں آپؐ کیلئے خصوصی عزت و احترام اور مقام و مرتبہ تھا۔

ہاں تک وجہات تھیں جو قریش اور دیگر لوگوں کو ایک حقیقت کے مقابلے میں لاکھرا کرتی تھیں۔ پس جو شخص بھی آپؐ کی تکذیب کرنے پر اتر آتا وہ اندر ہونی کشکش میں ملا۔

---

۱۔ بخاری بر فتح الباری کا حاشیہ ج ۱ ص ۱۳۹-۱۴۱ اور خود فتح الباری کی طرف مزید مأخذ سے آگاہی کے لئے رجوع کریں۔ البدایہ و النہایہ ج ۵ ص ۶۰ جو ابن اسحاق سے نقل کرتا ہے نیز دیکھئے تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۸۳

ہو جاتا کیونکہ اس کا ضمیر اسے ملا ت کرتا اور کہتا تھا کہ تم جو جو محوٹ بکتے ہو اور وہ (جس) صادق و امین اور مکمل طور پر قابل اطمینان ہے، تم خیانت کے تمام پر ہو جگہ ہو (جس) اپل صدر اور صاحب حمیر و صاحب عقل عظیم ہے اور تم نادان اور جال مقصرا ہو بھی حال ہے آپ کی دیگر عالی صفات اور بلند و بالا اخلاق کا۔

۲۔ اسی مطلب کی تائید اور تقویت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص آپ کے ای ہونے کے بارے میں جانتا تھا اور اس سے آگاہ تھا کہ آپ نے علم و معرفت کا سین کسی سے نہیں پڑھا ہے لیکن اب وہ ایسی چیز لایا ہے کہ کہہ ارض پر بستے والے انسانوں میں سے کوئی اس کے ایک جگہ کے بھی مکمل علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا چہ رسد اس ماحول کے لوگوں کا جو علمت و جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بلکہ ایس آپ کی صداقت اور دعوت کی سچائی میں سوائے خود پسند، خود غرض اور مندی شخص کے کسی کے لئے بھی نہ کہ دشہ کی بالکل سمجھائش نہیں تھی۔

۳۔ علاوہ ازیں ہبھبر اکرم نے کبھی بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا تھا لہذا کوئی بھی آپ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ آپ کل تک تو خود بتوں کو سجدہ کرتے تھے اور بت پرست تھے آج کبوں ان سے بیزار ہو گئے۔ اور ان کا انکار کر رہے ہو اور اگر ان کی پر عشق و فطرت کے اختلاف ہے تو کل تک آپ کی عقل کیلی تھی اور آپ کی فطرت نے آپ کی رہنمائی کبوں نہیں کی۔

۴۔ اس کے بعد آپ کی استقامت، تمام مخلقات اور مصائب پر صبر و تحمل، ہر قسم کی سودے بازی سے انکار (یہاں تک کہ اگر آپ کے دامیں ہاتھ پر سوچ اور باسیں ہاتھ پر چاند رکھ دیتے تاکہ آپ اپنے راستے کو چھوڑ دیں تب بھی آپ فریضہ الہی سے دست بردار نہیں ہوتے) وغیرہ آپ کی کامیابی کے عوامل تھے۔ بلکہ سفار اس شرط پر اسلام قبول کرنے پر آگاہ ہو گئے کہ ہبھبر اکرم انہیں کچھ مدت تک بتوں کی عبادت کی ملت دے دیں تاکہ وہ ان کی عبادت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ آپ نے ان پر واضح کر دیا کہ یہ مسئلہ ہبھبر کے

اختیارات کی حدود سے خارج ہے اور آسمانوں کے پروردگار کے ہاتھ میں ہے اور وہی ان سے عبادت چاہتا ہے۔

### ۳۔ اجتماعی حالت

گذشتہ بالوں کے ہمدرکے کے بعد اب ہم اس دور کی اجتماعی و معاشرتی حالت کو بیان کرتے ہیں اس زمانے میں لوگ نایاتِ مخفقت اور شدید مشکلات میں زندگی گزار رہے تھے۔ عربوں کے اجتماعی حالات کے حوالے سے آغازِ کتاب میں امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے مذکورہ کلمات اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کے حالات غیر عربوں کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ یہاں پر ہم حضرت جعفرؑ کی گلخانوں جو انہوں نے جب شہ کے بادشاہ کے سامنے کی بیش کرتے ہیں۔ جب عمرو عاصی جب شہ کے بادشاہ کو دھوکا دینا چاہتا تھا تو حضرت جعفرؑ نے فرمایا: ”ہم ایک جاہل اور بت پرست قوم تھے، ہم مردار کھاتے تھے، فحشاء کو انجام دیتے تھے، اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتے تھے، ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، طاقتوں کمزوروں کو کھا جاتے تھے ...“۔

اس قسم کے بڑے حالات اس قوم کا مقدار بننے ہوئے تھے یہ ملک سایہ ان کے سروں پر مظلا رہا تھا جن کے تیجے میں عمدِ جاہلیت کے اللان کے اندر ذاتی طور پر حق کو قبول کرنے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادگی پیدا ہو گئی تھی یہ امر اس بات کا بھی موجب بنا کر وہ دعوتِ حق کے بارے میں کاوش کرے اور کچھ لے کر اپنی بلاؤں اور مصیبوں میں کی کر کے اپنے آپ کو اس دردناک اور بری صورت حال سے بچائی دلا سکتا ہے۔ حضرت جعفر بن ابیطالبؓ نے اپنی گلخانوں جاری رکھتے ہوئے بادشاہ جب شہ سے فرمایا: ”ہم ایسے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے ایک ہلکی تباہی کو ہمارے لئے مجوہ کیا۔ جس کے لب، صداقت، امانت داری اور شرافت و پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس نے ہمیں یکجا پرستی اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ اس نے ہمیں ان ہمدرزوں اور جوں کی

پر مشق چھوڑنے کے لئے کہا جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوتے چلے آ رہے تھے۔ اس نے ہمیں بچ بولنے، امانت داری و صدقہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے، بے حیاتی اور برے کاموں سے بچنے اور خوزیری نہ کرنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں برے اعمال، یہودہ مسکھو، یتیم کا مال کھانے اور پاک و امن حورتوں پر تہمت لگانے سے بچ کیا...”۔

ابل مدینہ نے اسد بن زدارہ کی زیانی اس امید کا انکھار کیا کہ رسول اللہ اپنی دعوت کے ذریعے ان کی لا اعلج مشکلات کو حل کریں، موزخیں لکھتے ہیں کہ اوس و خروج دن رات اسلک امکان رکھتے تھے اور کسی وقت بھی اسلک زمین پر نہیں رکھتے تھے بلکہ اسیں بطور طبیعی وہ اس حالت سے چھکارے کی خواہش کرتے تھے تاکہ سخت اور امن و امان کی نعمت سے بہرہ مند ہوں جن سے وہ نا آشنا تھے۔

مدینے میں اسلام کی آمد کی بحث کے دوران ہم اس سلسلے میں بحث کریں گے۔ یہاں پر اس بحث کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مسقیفین، فقراء اور غلاموں کے اندر ہی اسلام کی طرف رجحان واضح اور زیادہ تھا لیکن ابو جمل اور الوسفیان جیسے مسکبوروں، خالموں، مالداروں، سرمایہ داروں اور عواد پرسوں کا ٹولہ ہی تھا جن کی یہ کوشش تھی کہ اس اسلام کے پودے کو جزاً اکھیزوں اور اس دعوت کو پھیلنے سے روکیں۔ کے کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہمارے عرائض کی تائید میں بہت سارے ثوابد کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

### ۳۔ حضورؐ کے مخبرے کی نوعیت

اسلام کی ترویج و اشتاعت میں آنحضرتؐ کا مخبرہ بھی بہت حد تک دخیل تھا۔ کیونکہ قرآن نے عربوں کو حیرت میں ڈال روانہ صرف اپنے جامع عمومی قوانین غیب کی خبروں اور سین آموز داستانوں جو ان کی کتب میں مذکور تھیں واقعات کی تائید کرنی تھیں ویگر علوم و معارف کی بنا پر بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ قرآن نے مخبرے کے طور پر عربوں کو مغلوب اور مہوت کر دا کرکے وہ اور دوسری غیر عرب قومیں صفات و بالاغت کو عربوں کی میراث سمجھتی

تحسیں اور وہ اسے اپنے سے محض سمجھتے تھے۔ ہاں ہبھیر اکرمؐ کے لئے ایسے مجبزے کے انقلاب نے ان پر جنت قائم کر دی اور ان سے ہر دوسری چیز کا اختیار طلب کر لیا کیونکہ اس ماحول میں ایسے ہبھیرؐ کے الہی جنت کے ساتھ آنے سے، وہ حق کے سامنے سر تسلیم فرم کرنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ بصورت دیگر وہ اپنے آپ کو اور دوسرا شخص بھی ان کو حق کا دشمن اور باطل کا باتھی پاتا۔

ہاں قرآن نے انسیں مات اور سبوتوں کو دوا ان سے اختیار کی قوت طلب کر لی ہے یا تو اس کا الکار کر دیتے درحالیکہ وہ حقیقت کو جانتے تھے۔ ”وَجَهْدُوا إِلَيْهَا وَاسْتَقْرِبُوهُنَّا أَنفُسُهُمْ“۔ (۱) یعنی انسوں نے ہماری آیات کا الکار کیا جبکہ انسیں ان کا یقین تھا، یا پھر ایمان لے آتے اور حق کے آگے بھٹک جاتے۔

جب ہم یہ جانتے ہیں کہ عربوں کی خصوصیات اُنکی فطرت اور زندگی کے تقاضوں میں سے ایک ہے کہ اُنکی زندگی صحیح محسوب میں آزاد تھی اور ان کے الکار بادھنے اور جھوٹے الکار سے آلوہ نہیں تھے (جیسا کہ دوسری قومیں مثلاً روم اور ایران ان میں بدلنا تھیں اور خلاف فطرت فساد اور ان کو خوبصورت انداز میں بیٹھ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں) تو ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ قرآن، عربی انسان کی فطرت سے ہم آہنگ اور اُنکی طبیعت، مزاج، صفاتی نفس اور عادات سے ہر لحاظ سے سازگار تھا جس طرح خود اسلام عربوں کی فطرت اور روح سے مطابقت رکھتا ہے۔ عربوں کی عقل، ضمیر، وجود اور باطن اس دعوت پر لیکر کھتے ہیں کیونکہ وہ فطرت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے اور اسلام دین فطرت ہے۔ ”فَطَرَ اللَّهُ التَّى فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيْمُ“۔ (۲) یعنی سبی خدا کی فطرت (خلقت) ہے جس پر اس نے لوگوں کو خلق کیا ہے اور اس کی خلقت (یادوت)

۱۔ سورہ نمل، آیت ۱۳

۲۔ سورہ روم، آیت ۴۰

میں کوئی تغیر و تحول نہیں ہوتا۔ یعنی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت جلد اپنا مال اپنی اولاد اور خون اس دعوت کی راہ میں قریان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس دین کی خاطر اپنے باب اور بھائی کو بھی قتل کرنے سے درج نہیں کرتا اور قرآن کے اعجاز کا راز آئندہ فصلوں میں بیان ہوگا۔

**۵۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی بشارتیں**  
عرب علاقے میں ایک ہبھبر کے ٹھوڑوں کے نزدیک ہونے کے بارے میں اہل کتاب نے جو بشارتیں دے رکھی تھیں انہوں نے بھی دعوت اسلام کے جلد اور با کمال ۴ مکمل نہیں اپنا اثر دکھایا۔

تورات میں آیا ہے کہ ”یہ وہی برکت ہے جس کی بعدہ خدا مویٰ نے مردے سے پہلے ہی اسرائیل کو مبارک باد دی۔ اس نے کارب سیا سے آیا اور اس نے ساعیر سے ان پر شعائیں ڈالیں اور فاران کے پہاڑ سے ان پر نور افشاں کی“۔ (۱)

سیا سے آمد، سیا میں حضرت مویٰ سے خدا کے کلام کیلئے کلایا ہے۔ ساعیر سے مراد فلسطین کے پہاڑ ہیں اور عجمیٰ کی طرف اشارہ ہے اور فاران سر زمین کہہ کا قدیم ہام ہے۔ (۲) کہ جس میں ہمارے نبی اعظم محمد پر قرآن نازل ہوا، جن کے علاوہ کسی نے طحیور نہیں کیا۔ حضرت محمد، حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں جس نے اپنے بیٹوں کو اس پر دلیں میں چھوڑ دیا تھا۔ تورات اس بارے میں یوں گواہ ہے: ”پر دلیں کی سر زمین کی ابدی حکومت یعنی تمام سر زمین کی حکومت تمیں اور تیری آئندہ نسل کو عطا کرتا ہوں“۔ (۳)

۱۔ سفر تشبیہ، اصلاح ۳۳ فقرہ ۱

۲۔ معجم البلدان حموی ج ۳ ص ۲۲۵

۳۔ سفر تکوین اصلاح ۱۷ فقرہ ۸

حضرت ابراہیمؑ کی سر زمین غربت (پولیس) سے مراد صرف کہ ہے جہاں انہوں نے اپنے خداون کو ساکن کیا اور سر زمین کھلان اگرچہ وہی شام ہے لیکن یہاں پر بطور مجاز تمام سر زمین عرب مراد ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے شام کا سفر نہیں کیا اور اپنی اولاد کو یہاں رہائش پذیر نہیں کیا۔

انجیل یوس بیان کرتی ہے: ”یہ یوحنا کی شہادت ہے جب یہودیوں نے یروشلم سے اپنے علماء اور لاڈوں (یہودیوں کے علماء کا نام ہے) کو ان کے پاس یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اعتراف کیا اور اکھار کیا میں میک نہیں ہوں، لیں اس سے انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کیا تم ایلیا ہو؟ اس نے جواب دیا میں ایلیا نہیں ہوں ۷ صرف پوچھا پس تم وہی ہیٹھبر ہو اس نے کہا نہیں“ - (۱)

ایلیا سے مراد (جیسا کہ کہا گیا ہے) حضرت ایلیا نہیں تھیں بلکہ ان کا زمانہ بوت حضرت سے چند صدیاں پہلے گزر چکا تھا اپس اس سے مراد ایسا شخص ہونا چاہیے جو حضرت مسیحؓ کے بعد آئے اور بھی حال ہے اس نبی کا جس کے پارے میں انہوں نے سوال کیا۔ پس پوچنکہ حضرت مسیحؓ کے بعد ہمارے نبی حضرت محمدؐ اور ان کے اوصیاء کے علماء کو کوئی نہیں آیا اس نے شاید ہیٹھبرؓ سے مراد حضرت محمد اور ایلیا سے مراد آپؐ کے وہی حضرت علیؓ ہوں۔

ہیٹھبر اسلامؓ کے تکمیر کے متعلق عدین (تورات اور انجیل) کی ہیٹھلویں بہت زیادہ ہیں اس پارے میں لکھی گئی کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (۲) البتہ یہ بات مد نظر رہے کہ موجودہ تورات اور انجیل تحریف اور کسی بیشی سے دوچار ہوئی ہیں جیسا کہ جاب بلاقی مرحومؓ کی کتاب ”الہدی الی دین المصطفیؓ“ اور ”الرحلة المدرسية“ کے مطالعے سے یہ

۱۔ انجیل یوحنا حصہ ۱ بند ۲۱-۲۹

۲۔ ائیس الاعلام، الرحلة المدرسية، الہدی الی دین المصطفیؓ، رسول الاسلام فی الكتب السماوية اور دیگر مأخذ

بات عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح رحمت اللہ ہندی کی کتاب ”اظہار الحق“ اور دوسری کتابوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

یہاں پر کافی ہے کہ اہل کتاب کے ہادیے میں جو کچھ قرآن کہتا ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ قرآن فرماتا ہے: ”يَعْرُفُونَهُ كَمَا يَعْرُفُونَ أَبْنَائِهِمْ“ و ان فِرِيقًا مِنْهُمْ لِيَكْحُلُّوا مِنَ الْحَقِّ و هُمْ يَعْلَمُونَ“۔ (۱) یعنی وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے جبکہ وہ اسے جانتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ”الذين يَتَّبِعُونَ النَّبِيَّ الْأَمِيَّ، الَّذِي يَجْدُونَهُ مَكْتُوبًا عَنْهُمْ فِي التُّورَةِ وَالْإِنْجِيلِ، يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا مِنَ الْمُنْكَرِ، وَيَحْلِلُ لَهُمُ الْطَّيَّابَاتِ...“۔ (۲) یعنی جو لوگ اس نبی ای کی حیروانی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں مرقوم پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے برائی سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے۔

اگر اہل کتاب قرآن کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کر سکتے تو وہ ضرور یہ اقدام کرتے اور انہیں نور خدا کو خاموش کرنے کے لئے فتح برپا کرنے اور جنگیں کرنے کی ضرورت ہی پہش نہ کلتی۔ اسی طرح مشرکین مکہ جن کا ان سے قری رابطہ تھا وہ قرآن کے اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے۔

بلکہ وہ عربوں کو دھمکی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ”ضرور ایک نبی آئے گا جو تمہارے ہوں کو توڑ دے گا میں جب آنحضرتؐ نے گھمور کیا تو انہوں نے کفر اختیار کیا“۔ (۳) مخفطاً کہتا ہے کہ جب آپؐ کی پیدائش سے پہلے مشورہ ہو گیا کہ محمد نبی کا پیغمبر

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۷۴

۲۔ سورہ الانعام، آیت ۱۵۵

۳۔ بخار الانوار ج ۱۵ ص ۲۳۱

ظہور کرے گا تو بہت سے لوگوں نے اپنے بیٹوں کا ہام اس امید سے محمد رکھ لیا کہ ثالیہ وہ وہی بیٹھبر موعود ہو۔ ان میں سے ایک محمد بن سنیان بن مجاشع ہے لیغ ... پھر اس نے اپنے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا یہ نام رکھا گیا۔ (۱)

جب ہجرت سے پہلے رسول اسلام نے مدینہ کے بعض لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ وہی چیز ہے جس کی ہمیں یہودی خبر دیتے تھے کہ آفری زمانے میں ظاہر ہوگی۔ اسی طرح جب ان کے اور یہودیوں کے درمیان نزاع پیدا ہو کیا تو یہودیوں نے کہا ہم ایک ایسے بیٹھبر کے مسجود ہوئے کا انتظار کر رہے ہیں جو عاد اور ثمود کی قوم کی طرح تمہیں ہلاک کر دے گا ہم اس کی بھروسی کرتے ہوئے تمہارے خلاف اس کی مدد و حمایت کریں گے ... - (۲)

### اہل کتاب کے رہائشی علاقے

عیسیٰ جزریہ العرب کے مرکز میں نہیں تھے بلکہ اس کے اطراف یعنی حیرہ اور شام کے شہروں میں رہتے تھے بعض عرب قبائل سُکی تھے البتہ ان کے بھول شراب خوری کے علاوہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

یہودی سنت داؤ اور مصحاب کی وجہ سے فلسطین سے فرار کر کے یہ رب چلے گئے پہاں وہ پہلے حکمران تھے اس کے بعد اوس اور فرزق یہرب پہنچنے جو یہن کے تھتلانی تھے وہ یہودیوں پر ٹاکب آگئے انہوں نے یہودیوں کو کہ جو ہمیں قبیلوں ہیں الصیر، ہمیں قیحاع اور ہمیں قریظہ پر مشتمل تھے، مدینہ اور اس کے اطراف میں مخصوص مقامات پر محدود کر دیا اسی طرح وہ فدک اور تیہاء میں بھی رہائش پذیر تھے۔

۱۔ سیرۃ مغلطی ای ص ۷

۲۔ ابن حبان کی الثقات ج ۱ ص ۹۰

ہیکل کتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے میں بپائش رکھتا منوع خاگر  
مزدور اور اجیر کی حیثیت سے بشرطیکہ اپنے دین اور کتاب کے پارے میں وہ کوئی بات نہ کیں۔  
دوسرے مقلات پر یہودی ظالمون کو اس منوعیت سے مستثنی قرار دیا گیا تھا۔ (۱)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عیسائی عرب مٹاؤ درقتہ بن توفیل اور اس جیسے دوسرے افراد  
کے میں بپائش پذیر تھے۔ برعکس اس بات کی تحقیق ہمارے لئے کوئی زیادہ اہم نہیں ہے۔

### اہل کتاب اور عربوں پر ان کا علمی دبdebہ

یہاں پر جس سمجھتے کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب کے سامنے یوں  
اکھار تو اخراج کرتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے، وہ انہیں اپنی صرفت اور ثافت کا  
سرچشمہ خیال کرتے تھے۔

اس بارے میں تاریخ میں ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ جب عرب اسلام کی طرف مائل  
ہوتے تو وہ اخبار اور راہبوں سے مشورہ کیا کرتے تھے بلکہ ہم بعض موقعوں پر مشاہدہ کرتے  
ہیں کہ جب ہبّتبر اکرمؐ نے ایک قبیلے کو دعوتِ اسلام دی تو وہ قبیلہ پورے کا پورا فدک کے  
یہودیوں کے پاس گیا اور ان سے رسول اللہ کے بارے میں پوچھا۔ (۲)

قبیلہ کوہہ کے سامنے اسلام پیش کیا جاتا ہے اور وہ اسلام قبول کرنے سے اکابر کرتے  
ہیں ان میں سے بعض رسول اللہ کی حیثیت پر یہودیوں کی اس پیشوگی سے استدلال کرتے  
ہیں کہ بہت جلد حرم سے ایک نبی تعمود کرے گا اور اس کا زمانہ آپ پڑا ہے۔ (۳)

۱۔ محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمد ص ۶۵ و ۶۶

۲۔ البدایہ و النہایہ ج ۳ ص ۱۳۵ اور دلائل النبوة (ابو نعیم) ص ۱۰۲ کی طرف

رجوع کریں۔

۳۔ ابو نعیم، دلائل النبوة ص ۱۰۳

ابداء میں اہل مدینہ کے اسلام کی بنیاد ایسے ہی دلائل اور برائیوں پر اسوار تھی (جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) آگے چل کر اُنہیں مزید بیان کریں گے۔ (الشَّاء اللَّهُ تَعَالَى)

سیرہ کا ایک وہ قبضہ بن عدی اسلام لے آئے جب حضور اکرمؐ کی رحلت ہوئی تو وہ مرتد ہو گئے لیکن کعب بن عدی اپنے اسلام پر باقی رہا اس نے خود اس بارے میں یوں کہا ہے: ”میں مدینہ جانے کے لئے لکڑا راستے میں میں نے ایک راہب سے ملاقات کی جس کے بغیر ہم کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔“ (۱) اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے راہب پر پورا اعتقاد تھا اور اس کے اسلام کی وجہ وہی (راہب) تھا۔ اس کے قول پر غور کریں وہ کہتا ہے کہ ”ہم اس کے قول کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔“

ای طرح آنکہ ذکر ہو گا کہ ابو سفیان نے کعب بن اشرف سے سوال کیا کہ خدا کے زریک کولاریں زیادہ پسندیدہ ہے تمداری دن یا محمدؐ کا دن؟

جگہ خدق میں بعض گروہوں کو شریک کرنے کے لئے جب یہودی کے آئے تو انہوں نے، بنی نضیر کے بعض یہودیوں نے سلام ابن ابن الحقیق، جی بن الخطب اور کٹابہ بن الریح سے کہا کہ اسے یہودیوں کی جماعت! تم پہلی کتاب والے ہو اور ہمارے اور محمدؐ کے درمیان اختلاف سے باخبر ہو کیا اس کا دن بترے یا ہمارا دن؟ یہودیوں نے کہا: تمداری دن اس کے دن سے بترے اور تم حق کے اہل ہو۔ جب انہوں نے قریش سے یہ بات کی تو وہ خوش ہو گئے اور جس مقصد کے لئے ان کے پاس آئے تھے اس سے وہ پر امید ہو گئے۔ (۲)

ہم جانتے ہیں کہ سرداران قریش حق کو خوب پہچانتے تھے لیکن اپنی دشمنی اور محکمری

۱۔ الاصابة ج ۳ ص ۲۹۸ از بقوی و ابن شاہین و ابن سکن و ابن یونس تاریخ مصر میں وابنوہم۔

۲۔ سیرۃ ابن بشام ج ۳ ص ۲۲۵ و ۲۲۶

وہ سے اسے ظاہر نہیں کرتے تھے کیونکہ خود خدا ارشاد فرماتا ہے۔ ”وَ جَعْلُوا بَهَا وَ اسْتِيقْنَهَا لِنَفْسِهِمْ“۔ (۱) یعنی انہوں نے ہماری آئتوں کا انکار کیا جبکہ دل سے وہ اس پر یقین رکھتے تھے۔

یعنی جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہودیوں کے اثر و رسم و ادب ان کی علی برتری سے اختلاف کرتے تھے اور یہودیوں کو اپنی دینی تعلیمات کا شیع و تأخذ سمجھتے تھے۔ موقع کی معاشرت سے عرض کرتے چلیں کہ تاریخ نے اپنے آپ کو دیرایا ہے آج بالکل صدر جاہلیت کی طرح مسلمانوں کی نظریں یورپ والوں کی طرف الی ہوئی ہیں۔

آخر میں طی اور ابن ہشام کے اقوال کو خل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”یہ بات مخفی نہ رہے کہ کفار قریش نے نظر بن حarith اور عقبہ بن لبی محیط کو یہودی علماء کے پاس مدینہ بھیجا اور ان سے کما ان سے محمدؐ کے ہدایے میں پوچھ کیا تو انہیں اس کی صفات جاؤ اور اس کا تعارف کراؤ کیونکہ وہ پہلی کتاب (تورات) کو مانتے والے ہیں۔ (۲) اس کے بعد جو واقعہ ان کے اور یہودیوں کے درمیان ہیش آیا نیز کے میں آنحضرتؐ اور کفار کے درمیان جو کچھ ہوا، اس کا وہ ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کی ہیئتگوئیوں کے ذریعے عربوں کے ڈن میں یہ بات راجح ہو چکی تھی کہ اس سرزمین پر بہت جلد ایک ہیغہر مہجوت ہو گا اور اس بات نے ان کیلئے آنحضرتؐ کی دعوت کے قبول کرنے کو آسان بنا دیا اور جس حقیقت کو آپؐ لے کر آئے تھے اس پر یقین کر لیئے کی رائیں ان کے لئے ہموار کر دیں کیونکہ (ان طاغتوں کے علاوہ) باقی عرب لوگ اپنی صاف طبیعت اور روح کی پاکیزگی کے باعث حق کو قبول اور اس پر یقین کر رہے تھے۔ ان کا قبیلہ اور آواب و رسم فقط انہیں ایک دوسرے کے مقابلے میں اطاعت اور

۱۔ سورہ نعل، آیت ۱۳

۲۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۴۱۰ و سیرۃ ابن بشام ج ۱ ص ۴۲۱

فریان برداری سے روکتے تھے وہ بھی ان کی سخت مزاجی، غیرت اور بلند ہستی کے سبب تھا  
ورسہ انہیں حق کے قبول کرنے اور پیام آسمان پر ایمان لانے سے نہیں روکتے تھے۔ (۱)

## ۶۔ سیاسی اور نظریاتی خلا

### الف۔ نظریاتی خلا

اہل عرب خطہ کا قسم کے نظریاتی خلا کا شکار تھے اس بارے میں امیر المؤمنین حضرت  
علی علیہ السلام نے اپنے گذشتہ کلام میں یوں فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو اس  
حال میں مجبوٹ فرمایا جب لوگ سکراہ اور سرگردان تھے، فخون میں غرق تھے، ہجیدہ مسائل  
میں پریشان اور مضطرب تھے اور جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے"۔

ان کی بت پرستی بھی قبائلی ریگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ہر قبیلے بلکہ ہر خلدان کا اپنا  
بت تھا ان کی بت پرستی جنبات پر بھی اور عقل و مطلق کے طور طریقوں سے دوڑ تھی  
ان کا کسی بت سے رابطہ ان کے آباء و اجداد کی تاریخ سے اس بت کی والائیگی کی وجہ سے  
تھا۔ یہ مفہوم طبیعت عرب تھا کہ اپنے لسب اور جو چیز ان سے خوب تھی اس پر فخر  
کرتے تھے۔ فرکان اس بارے میں ان سے یوں حکایت کرتا ہے۔ "بل قالوا انا وجدنا  
آبائنا علی امة، و انا علی آثارهم مهتدون"۔ (۲) یعنی ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک  
طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

جو امور اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کی بت پرستی عقلی اور وجدانی اصولوں پر  
انتوار نہیں تھی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ اپنی عقل اور فطرت کی طرف رجوع  
کرتے تھے وہ اسے فطرت اور عقل علم کے ساتھی پاتے اور تیزی سے اس ماحول اور صورت حال

۱۔ جاحظ، البیان و التبیان ج ۳ ص ۱۲۶

۲۔ سورہ زخرف، آیت ۲۲

سے لکھا چاہتے تھے اس نے ہم دیکھتے ہیں کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب بت پرستی سے درج تھے اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحیرث، زید بن عمرو بن فضیل اور عبیداللہ بن جعش جوں کی پرستش سے اجتتاب کرتے تھے ان کے جوں پر کمزور اعتقاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، پہلے وہ نے عیسائیت کو قبول کر لیا جبکہ باقی دو شکر و تردود اور حیرت میں باقی رہے۔ (۱)

### ب۔ سیاسی خلا

عرب کی خلک اور جلا دینے والی سر زمین، خلاد بدوشی، مشکلات پر صبر و تحمل اور قوت برداشت جیسے عوامل نے عربوں پر تسلط کو تقریباً محال بنا دا تھا جیسا کہ گذرا چکا ہے۔ بلکہ وہ اپنی طبیعی خصلت اور حالات زندگی کی وجہ سے ہر دن خات کرنے والے کاٹٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے اور اسے کاری ضرب کا کئے تھے اسی لئے جلد آور ہمیشہ خوف سے دوچار رہتا تھا اس علاقے سے استعماری قوتوں کو دور رکھنے میں اس امر کا بہت زیادہ کردار ہے علاوہ ازس استعماری ارادے رکھنے والے چانتے تھے کہ اس عمل سے جو نقصان اپسیں اٹھانا پڑے گا اس کے مقابلے میں اپسیں زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔ خصوصاً عربوں کی حرمت پسندی جو ان کے خون اور دل و جان کی گمراہیوں میں رپی بھی ہوئی تھی اور وہ کسی قیمت پر بھی اس سے دھجراو نہیں ہو سکتے تھے، جس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے۔

مجموعی طور پر یہ عوامل اس علاقے میں واضح طور پر ایک سیاسی خلا کا سبب بننے بلکہ جزیرہ العرب کے شمالی علاقے سے کسی بھی بیرونی حکمران نے واطھ نہ رکھا اور نہ اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اگرچہ اس کا جھیل حصہ حکومتے عرصے کے لئے جیشیوں کے زیر

۱۔ البدایہ و النہایہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۷ و ۳۳۸ اور حیات محمد (ہیکل) صفحہ

۸۹ بر رجوع کریں۔

اسی سیاسی خطا نے اس سر زمین کو عیالت اور محیثت جیسے بڑے بڑے ایمان کے قابل ذکر اثر و نفع سے محفوظ رکھا اگرچہ حکام وقت کے اجبار کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہوتا تھا۔ اسی مسئلے نے انہیں یہودت اور زرتشتی اثرات سے بھی دور رکھا جس کے ہمراہ کار ان کے درمیان رستہ تھے۔ اسی طرح ان کی اسی خصوصیت نے انہیں علٹ فسیوں، شہوں اور استعماری انکار خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی، سے دور رکھا۔ البتہ بعض اوقات بعض یہودی ”شرقی اور مغربی روم“ سے فرار ہو کر ان کی طرف موجہ ہوئے لیکن ان میں اپنا سرگرمیوں کا عصر موجود نہ تھا۔ اگر کچھ تھا بھی تو اس کا قائدہ نہیں تھا۔ کچھ کہ پہاڑ پر کوئی حکومت یا طاقت موجود نہ تھی جو ان کی تقویت سیاسی و جنگی لحاظ سے کرتی۔ اس لئے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) کہا جاتا ہے کہ بعض عیالان قبائل نے عیالت سے خط شراب پیدا سیکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیالت عقل و فطرت سے دور ہے وہ اسلامی روح اور ضمیر سے رشت نہیں جو اس کے کوار و رثار پر مسلط ہو سکے۔

لیکن اسلام دین فطرت ہے اس نے بہت کم مدت میں المظفر، سلطان اور عمار جیسے انسانوں کی تربیت کی ہے۔ سب سے پہلے یہ دین انسان کی عقل سے تعلق پیدا کرتا ہے پھر اس کے ضمیر اور روح سے متعلق ہو جاتا ہے پھر اسے ایک خدامی انسان میں جنمیل کر دتا ہے۔

اسلام نے ان انسانوں کو جو کلی تحریک و حشیاد زندگی گزارتے تھے، کسی نہ لام کے پایہ نہیں تھے اور کسی قانون اور مذابطے کی ان پر حکومت نہیں تھی ایسی امت میں بدل دیا جو سب سے زیادہ نظم و ضبط کی پایہ اور قانون الی کے ساتھ سب سے زیادہ وقاوار اور گھنیم تھی۔ اسی طرح نبی اکرم<sup>ؐ</sup> اور آئمہ علمیم اسلام نے جن محدود وسائل اور بھتے کم عرصے میں

۱۔ مختصر تاریخ العرب (سید امیر علی) ص ۸ بر رجوع کریں۔

جن افراد کی تربیت کی کوئی بھی حکومت ایسے افراد تیار نہ کر سکی۔ حق و حکومتیں بھی جو اپنے آپ کو اسلام سے غوب کرتی تھیں، تمام وسائل کے باوجود ایسا نہ کر سکیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو معاشرے کی اصلاح و تربیت اور اس کے تزکیہ میں حقیقی رہبر کے اہم کردار کو واضح طور پر ثابت کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عربوں کی صاف طبیعت، خلاف فطرت الکار، انحرافات اور شبہات سے عدم آلووگی، علاوه ازیں نظریاتی اور اعتقادی خلاء شرک کی غیر محتویت اور بت پرستی، حق پر ایمان لانے کی صلاحیت کی موجودگی (جب ان پر حق واضح ہو جائے) اور اپنے معاشرتی حالات جن کا انسیں سامنا تھا۔ ان عوامل میں سے ہر ایک کا دعوت اسلام کے بھیثے میں برداز رواج تھا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے افراد صرف رسول اللہ کا کلام سن کر اسلام لے آئے یا فقط تلاوت قرآن سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اگر ہم ان کے سرواروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً اس کا الکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دلیل و بربان قانع کننہ نہیں تھا بلکہ اسلام سے ان کے دینیوی معادلات کو تقصیان پہنچا تھا اور ان کے غیر اسلامی ہوا و ہوس میں رکاوٹ ڈالنا تھا وہ اس فرمان الہی کے مصدق تھے۔ ”وَ جَحَدُوا بِهَا وَ اسْتَقْنَعُوا أَنفُسَهُمْ“۔

اس بات پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ لوگ ابدالی طور پر دینی الکار اور تعلیمات پر دلیل و استدلال کا مطالبہ کرتے تھے کیونکہ طبیعت کی مغلیٰ سالم فطرت اور شبہات و انحرافات سے دلوں کا اچھٹ ہوتا دعوت حق کا اداک کرنے اور صحیح و سالم الکار کے قبول کرنے کے لئے کافی تھا۔ قرآنی آیات نے بھی انسیں فطرت کی طرف رجوع کرنے اور غور و گھر کرنے کی دعوت دی ہے۔

لیکن بعد میں انسان کی گھر و عصی کے دائے میں ابھی الکار و نظریات اور محاد پرسوں کے شبہات کے داخل ہونے سے اس کی فطرت پر پردے پڑ گئے اس کی گھر متزلزل و پر اندھہ ہو گئی اور اس کی عصی کم ہو گئی اس کے بعد سے انسانوں کی آثثیت داخل و برابین

کی زیادہ محتاج ہو گئی اور ہر ایک اپنی نظرت کی آلوگی اور غیروں کے انکار و شبہات سے حاضر ہونے کی وجہ سے اپنے آئندہ سے دلیل اور بہان کا مطالبہ کرتے تھے۔

## ۷۔ دشوار زندگی اور جاثواری

عربوں کی سحرانی اور کھنڈن زندگی نے اس دعوت کے راستے میں، جس بروہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایمان رائج لے کر تھے اور وہ اس پر دل و جان سے عمل کرتے تھے، جان کی قربانی کو ان کے لئے نایاب آسان بادا دیا تھا کیونکہ وہ آسانش و آرام اور اعلیٰ و ارفع زندگی نہیں گزاراتے تھے جو زندگی سے شدید محبت اور عشق کا موجب بنتا۔ یہ ایک واضح ہی بات ہے کہ جمال بھی سلح زندگی آرام وہ اور اعلیٰ و ارفع ہوں اس کا اس سے تعلق اور لگاؤ بیشتر ہوگا اور اس کے بر عکس زندگی بھتی دشوار اور مسئلہ ہوگی اس سے گزر جانا اتنا ہی آسان ہوگا۔

اللہی دعوت جس کے قبول کرنے والوں کو مستقبل میں مختلف مصائب اور قسم قسم کی معنوی، اقتصادی اور سماشی مشکلات کا سامنا کرنا ہو لازمی طور پر اسے ایسے افراد کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنے، دباؤ کو برواشت کرنے، بمحوک و پیاس کو تحمل کرنے، آزار و اذیت، تشدد اور سوت پر صبر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عمومی طور پر عرب ایسے ہی تھے کیونکہ اپنی دشوار اور سخت زندگی کے حوالے سے جتنی مخصوصیتیں ان کو دیکھی چاہیے تھیں وہ دیکھو پکے تھے مسائل و مشکلات ان کی زندگی کی ایجازی خصوصیت تھی بلکہ یہ ان کی روزمرہ خوراک تھی اس کے علاوہ ویگر امور کو استھانی صورت حاصل تھی۔

اس بنا پر جو کچھ اس دعوت کے حوالے سے موقع تھا وہ اس کے برواشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ عیش و عشرت کی زندگی کرنا نہیں اسے ان مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان مصائب کو تحمل نہیں کر سکتے تھے۔ عرب ایک سحرانی درخت کی مادت تھے

جس کی لکھی بست مطبوع اور جزیں زیادہ گھری ہوئی ہیں۔

اس نے تم بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ سفار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ کوئی رعایت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں عمر کے ساتھ رعایت کریں کیونکہ وہ اسلام سے پہلے ہاڑ و نعم میں پلا برخدا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا تو اس پر مشکلات اور مصائب آن پڑے لہذا ان کو برواشت کرنے پر باقی مسلمان اس سے ہمدردی اور شفقت کا انعام کرتے تھے۔ اس کی وجہ وہی تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔

## ۸۔ عربوں میں دین حنفی کے باقیماندہ اثرات

مذکوثہ امور کے علاوہ اسلام کے پھیلاؤ میں جو عاصر مدگار ثابت ہوئے ان میں سے ایک جنۃ العرب میں دین حنفی کے اثرات کا موجود ہونا تھا (یعنی دین ابراہیمی، مثال کے طور پر حج اور ایک آواب) خصوصاً کئے میں کیونکہ عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے اور دین حق انہوں نے ان سے میراث میں پایا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ حق و باطل کو مخلوط کرنے گئے جیسا کہ دوسری امور میں بھی ہوتا ہے جب جمالت کے پردے ایک سامنے آجائیں نیز اخیرات اور نسلانی خواہشات ان پر غالب آئیں، یہاں تک کہ وہ شرک و بت پرستی (ہمیسہ کاکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے) پاطل امور، برے اخلاق اور ناپسندیدہ اعمال میں مبتلا ہو گئے آفریکا اور اس اندھی جاہلیت میں گھر گئے جس کا امیر المؤمنینؑ نے ذکر کیا ہے۔

البته ان کے علاوہ ایک تعداد ایسی تھی (اگرچہ وہ بہت کم تھی) جو اسی توحیدی عقائد پر باقی تھی، بت پرستی کی مذمت کرنی تھی اور ہمیشہ ماسب اندماز سے خدا کی پرستش کرنی تھی ان کا دین، دین ابراہیم کی تعلیمات کے قریب تھا عبد المطلب اور بنی پاشم کے پاکیزو افراد اسی قبیل کے تھے۔

دین حنفی کی باقی مددہ تعلیمات میں تخطیم کعبہ، طواف، عرفات میں وقوف، اونٹ کی

قریان اور تعمیر (۱) دغیرہ شامل تھیں اگرچہ انہیں مسخر شدہ اور باطل سے آمینہ صورت میں انہام دیا جاتا تھا، جو امر دن کا جزو نہیں تھا اسے دن کے عنوان سے بجا لایا جاتا تھا۔ وقت گزنسے کے ساتھ ساتھ بعد تبع ان میں کمی آگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کا صرف ہم ہی باقی رہ گیا۔

خلاصہ یہ کہ عربوں اسلام کے وقت عربوں کے ہاتھوں اور ضمیروں میں کچھ دھندلی ہی یاد رہیں جو انہیں دن حنفی سے مرتب رکھتی تھی وہی دین جس پر ان کے آباء و اجداء تھے (عرب چونکہ جنگ دنار گجری کے موقعوں پر اپنے لب پر فخر کرتے تھے) جب نبی اکرمؐ اسی دین حنفی کو کامل کرنے کے لئے مہبوت ہوئے تو طبعی امر ہے کہ ان یادوں اور تصورات کا آپؐ اور آپؐ کے ہبہ اور حقیقت پسندانہ ہی قام کے بارے میں لوگوں پر ایک ہبہ اثر پڑے۔

## ۹۔ عربوں کی خصوصیات اور عادات

عربوں کی بعض عادات، خصوصیات اور اخلاقیات رسول اکرمؐ کی دعوت اسلام (جو حق اور خیر و برکت کی دعوت تھی) کی ترویج و اثاثاعت میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوئیں اگرچہ اپنی خصوصیات اور عادات جن سے اسلام نے فائدہ اٹھایا، کو زیادہ معقول اور مقبول بنانے کے لئے اور انہیں صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اسلام نے اقدامات کئے، لیکن ان میں سے جو اوصاف اسلام کی نظر میں ناقابل قبول تھے ان سے اگرچہ گاہے اسلام کو فائدہ پہنچا تھا پھر بھی ان کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے حکمت اور موقعہ حسنے کے ذریعے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا۔ مثال کے طور پر اسلام نے وقایع اسلام کے حوالے سے عربوں کی

۱۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۷ میں مکتہ بر قبطیہ کی تبلیغ اور بعض دوسری رسومات کا ذکر کیا یہ خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

شجاعت اور حنفیت کو شی سے خوب فائدہ اٹھایا۔

ای طرح قبائلی تصب سے استفادہ کر کے بہت اچھے نتائج حاصل کئے۔ بعد از ہجرت مدینے میں دو قبیلے اوس و خرزج دو پہلوانوں کی طرح رسول اللہ کی ہمراہی میں ایک دوسرے سے ہازی لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اوس رسول اللہ کی خوشبوی اور رضایت کے لئے کوئی کام انجام دیتے تو خرزج خدا کی قسم کھا کر کہتے کہ وہ اس دریے سے رسول اللہ کے نزدیک نہ ہو جائیں اور اس فضیلت کی وجہ سے ہم سے برتری حاصل نہ کر لیں لہذا وہ اپنے کام کو مکمل نہ کر پاتے کہ یہ بھی انہی کی طرح کام کو انجام دیتے اور اگر خرزج کوئی عمل بجا لاتے تو اوس یوں کہتے تھے۔ (۱)

ہجرت سے قبل کے میں مسلمانوں کے درمیان قریش اور دوسروں سے مشکلات کو سنتے میں سبتوں لے جانے میں قبائلی تصب کا بہت بڑا باعث تھا۔ آنحضرت<sup>۲</sup> اور دوسرے مسلمانوں کی زندگیوں کو دشمنوں کی طرف سے درہیش خطرات کو روکنے میں اس کا بڑا موثر کردار تھا اگر ان کا قبیلہ نہ ہوتا جس کا انسیں ڈر نہ ہوتا تو وہ ضرور ان کا کام تمام کر دیتے اگرچہ بعض اوقات انہیں طاقت فرما اذیتوں اور شدید مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔

اس نے ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے بہت موقع پر قبائلی تصب (حیث) سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ بنی ہاشم کو خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر، کو شعب ابیطالب میں معاشی بائیکاث کی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت ابوطالب کے شوروں میں بنی ہاشم اور قریش کے بعض قبیلوں کے درمیان فراہم کے عصر پر بہت زیادہ نزد دیا گیا ہے۔ یہ امر حضرت رسول اکرم<sup>۳</sup> کو دشمنوں کی

۱۔ تاریخ طبری طبع الاستفادة ج ۲ ص ۱۸۳ اور الكامل (ابن اثیر) طبع صادر ج ۲ ص ۱۳۶ بر رجوع کریں۔

سازشوں سے محفوظ رکھنے میں ناکامی موثر تھا۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ بلکہ خود مشرکین نے آپ سے بعض و عواد میں یا آپ کے قتل کی سازش کے وقت (جو آپ کی ہجرت کا موجب ہے) اپنے قبائلی تعلقات کو ہی مدفرو رکھا۔ ان کے بارے میں ہم آنکھہ بات کرس کے، الشاء اللہ تعالیٰ۔

مدینے میں بھی عربوں کی محسان نوازی، عمد و یہاں کے ساتھ وقاداری، امان کی پابندی، آزادو نہی، غیرت، عزت نفس، خود اعتمادی، قوت ارادی اور شجاعت و بیانات کے بہت سارے اثرات مرتب ہوئے۔ حق کے جگہ دجدل کی وجہ سے ان میں پیدا شدہ حالت مراجی نے انہیں دریں و اعتقاد کے راستے میں عوامل و جذبات سے بے نیاز کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنے بیٹوں، بھائیوں اور باپوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔

**۱۰۔ ابوطالبؓ اور علیؓ کی شجاعت اور خدمتؓ کی دولت کا کردار**  
ہمیں شیخ الائج ابوطالبؓ ہمیسے بڑے انسان کی کمی میں دشمنوں کے مقابلے میں آنحضرتؓ کی مکمل حیات پر ضرور روشنی ڈالی چاہیے۔

ای طرح اس اہم اقتصادی عامل کو بھی نہیں بھولانا چاہیئے جو نبی اکرمؓ کی زوجہ حضرت خدمتؓ (س) نے اسلام کے لئے فراہم کیا۔ وہی دولت و ثروت جس کی وجہ سے (بعض کے نظریے کے مطابق) جزیرہ العرب کے اقتصاد کی چالی ان کے ہاتھ میں تھی۔ نبی اکرمؓ نے وہ تمام دولت مسلمانوں پر گزرنے والے سنت ترین حالات اور قریش کی طرف سے اقتصادی بائیکاٹ اور آزار و انشت کے ووران خرچ کر ڈالی۔

آنحضرتؓ کی طرف سے مسلمانوں پر اموال کو خرچ کرنے کی ایک دلیل اسماء بنت عمس کا یہ قول کہ جب حضرت عمرؓ نے اسماء کو یہ طحہ دیا کہ وہ ہجرت کے مقابلے میں اس (اسماء) پر سبقت رکھتا ہے اور یہ کہ وہ ایک حصہ اور رہائی حورت ہے۔ (اس بارے میں صحیح مسلم اور دوسروں نے جو کچھ لکھا ہے اسکی بات پر) اسماء نے اسے کہا: "تم نبیؓ کے

ساختہ تھے انہوں نے تمدارے بمحکوموں کو کھانا کھلایا اور تمدارے جاہلوں کو موعظہ کیا۔<sup>(۱)</sup> اور آخر میں انہی مباحثت کے دروازے نبی اکرمؐ کے دسی اور بحالی امیر المؤمنین علیؑ کے کردار کا تذکرہ بھی ضروری ہے اگرچہ اختصار اُسی سی۔

ہاں ان میں سے ایک عصر کا اسلام کی ترویج و اشاعت، اس کی حاکمت اور کامیابی میں بہت بڑا عمل دخل ہے۔ جو کسی بھی با بصیرت اور آگاہ محقق سے پوشیدہ نہیں ہے۔ البتہ اسلام کی ترویج و اشاعت اور وسعت و مقبولیت میں اور بھی عوامل کا فراہم ہے جن میں سے بعض کی طرف اسلامی تاریخ کے دریچوں سے روشنی والے کی ضرورت ہے۔ اس مقام پر ہم اسی پر اختلا کرتے ہیں تاکہ سید المرسلین نبی اکرمؐ کی بحث کے بعد کی زندگی پر کچھ روشنی والے سکیں البتہ جس حد تک ہمارے بس میں ہے۔

## قابل توجہ نکتہ

ہماری تمام گرنسٹ کھلکھل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جزرہ العرب میں اسلام کی اشاعت و ترویج، ایک طیبی امر کا نتیجہ تھی۔ اس لحاظ سے کہ اگر یہ تمام اسالب و عوامل کسی اور تحریک کو بھی میر آ جاتے تو وہ بھی ہی تاریخ حاصل کرتی جو اسلام نے حاصل کئے تھے۔ بلکہ معاملہ بر عکس ہے اس علاقے میں اسلام کی کامیابی اور گلسوں خود ایک مجزہ ہے اور اسلام کی حیاتیت کی دلیل ہے و گرتہ اس علاقے میں یہودی بھی موجود تھے اور یہ تمام عصائر اور عوامل انہی بھی میر تھے لیکن وہ عربوں کے انکار اور کردار و سخنوار پر کوئی اثرات مرتب نہ کر سکے۔<sup>(۲)</sup>

- ۱۔ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۳۸۰ اور بعض دوسرے مأخذ جنکا جلد ذکر کریں گے۔
- ۲۔ اگرچہ دین یہود ایک خاص نسل میں منحصر ہے اور دوسری قوموں میں سرایت نہیں کرتا۔

اسی طرح عیاںیوں نے بھی اپنے دین کی ترویج اور ہر شخص کو عیاںی بانے کے لئے اپنی قوان و قدرت کے مطابق ہاتھ پاؤں مارے، مجوسیوں اور دیگر ادیان نے بھی کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام، اس کے مشن اور اس کے فائد و رہبر کا اسلام کی انقلاب آفرین تحریک، اس کی کامیابی اور جاء میں ذاتی طور پر اہم بلکہ کمیڈی کروار ہے۔ وگرنہ ہر قسم کی کامیابی (اگر حاصل ہو) نہایت محدود ہوتی ہے خاص مدت تک ہاتھ رہتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی قدرت و طاقت میں وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف حالات و شرائط میں روز افزوں ترقی اور کامل ہیدا ہوتا گیا۔ وقت کے بدلتے اور بعض عوامل کے نہادن سے اس پر کوئی مతنی اثر نہیں پڑتا۔ ظاہری طور پر اور اسلام کے رشد و نمو اور ترقی میں کوئی جدیلوں روشنہ نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ہم یہ کہ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کے باعث اس میں واضح ترقی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو بات اس حقیقی پیشہ فرست کو ہمارے لئے بیان کرتی ہے وہ وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے تھے۔ یہ کہ اسلام انسان کی تمام باطنی قوتیں پر چھا جانے اور ان کو حق اور دین کی راہ پر گامز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ مختلف حالات اور شرائط کے ساتھ ہماہنگ ہو سکتا ہے۔ دوسری محدود اور جامد دعوتوں کے برخلاف اسلام کے پاس ہر مرض کی دوا، ہر مسئلہ کا حل اور ہر قسم کے حالات سے پٹنے کا سلیقہ ہے۔

لہذا جب اسلام جزیرہ العرب میں کامیابی سے ہمکار ہوا تو اس دور میں اس علاقتے میں ایسے بہت سے عوامل جو دعوت کے اہم امور میں اختیالی مددگار ثابت ہو سکتے تھے، موجود نہیں تھے۔ اگر اسلام کے علاوہ کوئی اور مشن ہوتا تو وہ ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔ لیکن ان عوامل کے نہادن کا اسلام پر کوئی اثر نہ تھا جس طرح دشمنوں کے ہاں ان تمام وسائل و اسباب کی موجودگی سے بھی اس کے اور کوئی اثر نہ پڑا۔

البتہ اسلام نے اپنی کامیلی کے لئے بعض وسائل اور حالات سے استفادہ کیا تھا اور حالات کو اپنے حق میں بدل کر ترقی کی جانب برخایا تھا اور یہ اسلام کی عظمت اور سر بلندی کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر عمل کرنے اور اس کی پدایت کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، انه ولی قادر۔

# فہرست

مقدمہ ناشر  
ضروری وضاحتیں

۵	پیش لفظ
۶	ماضی کا حال سے رشتہ اور نگارش تاریخ
۱۰	کیا ہماری بھی کوئی تاریخ ہے؟
۱۳	تاریخ کا تجزیہ
۱۵	ہمارا طریقہ کار
۱۶	اہم حقیقت

۱۹	تمہیہ
۲۰	صفات النسبی
۲۲	دین اور امت سے غداری
۲۳	خطرناک سازش
۲۴	راز پنهان
۲۵	اموی سیاست کے میلچ
۲۶	روایات کو جانچنے کے اصول
۲۷	تمہیہ
۲۸	طبیعی آغاز

پہلا باب  
بعثت سے پہلے کے حالات

پہلی فصل۔ آنحضرت کی ولادت سے پہلے

۵۸	جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی حالات
۵۹	جزیرہ نمائے عرب کے شری
۶۰	عربوں کے اجتماعی حالات
۶۱	عورت دور جاہلیت میں
۶۲	جاہلیت میں عربوں کے حالات کے چند نمونے
۶۳	عربوں کے علوم
۶۴	عربوں کی خصوصیات
۶۵	عربوں کے امتیازات
۶۶	اسلام اور مذکورہ صفات
۶۷	بنائے کمہ کی تاریخ
۶۸	الف۔ تاسیس کعبہ
۶۹	ب۔ ابراہیمؑ کی دعا
۷۰	ج۔ کعبہ کا احترام
۷۱	کعبہ اور بت
۷۲	تولیت کعبہ
۷۳	قریش کا مرتبہ
۷۴	میں دو ذہبیسوں کا بیٹا ہوں
۷۵	چند قابل غور نکات
۷۶	بداء۔ شیعہ نقطہ نظر سے
۷۷	تو ضعیج اور تمثیل

## دوسری فصل، آنحضرتؐ کی ولادت سے بعثت تک

۱۰۳	رسول اکرمؐ کا نسب گرامی
۱۰۴	نبی اکرمؐ کی ولادت
۱۰۵	ایک اہم یادو یانی
۱۰۶	نبی اکرمؐ کی جاتے ولادت کا حال
۱۰۷	رسول اکرمؐ کی رضاعت
۱۰۸	حدیث شق الصدر
۱۰۹	روایت کا جائزہ
۱۱۰	اس روایت کے متعلق ہمارا نظر
۱۱۱	عیسائی اور حدیث شق الصدر
۱۱۲	روایت کی بنیاد جاہلیت
۱۱۳	نبی اکرمؐ کی کفارالت
۱۱۴	بخاری اور شام کا پہلا سفر
۱۱۵	چھوٹی روایت
۱۱۶	حدیث گھرنے کی وجہ
۱۱۷	بخاری کے واقعہ میں چند اشارے
۱۱۸	حضور اکرمؐ کی جنگ فغار میں شرکت
۱۱۹	جعلی روایات کا کھیل
۱۲۰	حلف الفضول
۱۲۱	حلف کا سبب
۱۲۲	ہنومیہ اور حلف الفضول

۱۳۵	قابل توجہ نکتہ
۱۳۶	حلف النضول کے بارے میں چند اہم نکات
۱۳۷	حضور اکرمؐ کا بکریا چرانا
۱۳۸	نکتہ
۱۳۹	شام کا دوسرا سفر
۱۴۰	رسول اکرمؐ کی حضرت خدیجہ (س) سے شادی
۱۴۱	حضرت ابوطالبؑ اور خواستگاری
۱۴۲	حضرت ابوطالبؑ کے کلمات پر ایک نظر
۱۴۳	قریش کا بیتم - واضح جھوٹ
۱۴۴	کیا آپؑ نے دولت کے لائق میں شادی کی؟
۱۴۵	خدیجہ (س) - ایک اعلیٰ نمونہ
۱۴۶	قریشی عورتوں میں خدیجہ (س) کا مقام
۱۴۷	کیا حضرت خدیجہ (س) کنواری تھی؟
۱۴۸	کیا عثمانؑ کی دو بیویاں پیغمبرؐ کی بیویاں تھیں؟
۱۴۹	کیا زینب رسول اللہؐ کی بیٹی تھی یا رہبہ
۱۵۰	علیؑ کے رقبے
۱۵۱	رسول اللہؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ (س) کی عمر مبارک
۱۵۲	امیر المؤمنینؑ کی تاریخ ولادت
۱۵۳	دو باشیوں سے متولد ہونے والا پلا پاشی
۱۵۴	امیر المؤمنینؑ کی کعبہ میں ولادت
۱۵۵	حکیم بن حزام کیوں؟
۱۵۶	خانہ کعبہ کی تعمیر
۱۵۷	جرالاسود کی تنصیب
۱۵۸	اہم نکات
۱۵۹	ایک جسارت

۱۹۱	بائے میرے کپڑے؟
۱۹۲	حضرت عثمان کی حیا
۱۹۴	اہل کتاب اور اہمیاء کی بہانگی
۱۹۶	ولادت حضرت فاطمہ (س) بنت رسول اللہ
۱۹۸	صحیح نظریہ

### تیسرا فصل۔ تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ باتیں

۲۰۵	پہلی بات، نبی اکرمؐ کے آباء و اجداد (حضرت آدمؐ تک) کا ایمان
۲۰۶	اس موضوع پر بعض دلیلیں
۲۰۹	حضرت ابراہیمؐ کا اپنے باب کیلئے طلبِ مغفرت کرنا
۲۱۱	میرا اور تمہارا باب جہنم میں ہیں
۲۱۲	قابل توجہ نکتہ
۲۱۵	عجیب نکتہ
۲۱۶	دوسری بات، بعثت سے پہلے پیغمبرؐ کا دین
۲۲۰	بعض افسانے
۲۲۲	بتوں کو چونما یا تبر کا چھوٹا
۲۲۵	تیسرا بات، ایک تحریک کی شرائط
۲۳۱	چوتھی بات، اسلام کی ترویج و اشاعت کے عوامل
۲۳۱	ام مقام و عوت۔ مختصر
۲۳۳	ہر رسول اللہؐ کی ذاتی خصوصیات
۲۳۴	سر اجتماعی حالت
۲۳۸	ہر حضورؐ کے معجزے کی نوعیت
۲۴۰	۵۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی بشاریں
۲۴۳	اہل کتاب کے رہائشی علاقے

۲۳۳	اہل کتاب اور عربوں پر ان کا عملی و پدپہ
۲۳۴	۶۔ سیاسی اور نظریاتی خلاء
۲۵۱	۷۔ دشوار زندگی اور جان شاری
۲۵۲	۸۔ عربوں میں دین حنفی کے باقیماندہ اثرات
۲۵۳	۹۔ عربوں کی خصوصیات اور عادات
۲۵۵	۱۰۔ ابوطالب اور علیؑ کی شجاعت اور خدیجہ (س)ؑ کی دولت کا گروار
۲۵۶	قابل توجہ نکتہ

## دوسرے باب بعثت سے اعلانِ نبوت تک

### پہلی فصل: بعثت

۲۶۳	بعثت کے وقت رسول اللہؐ کی عمر مبارک
۲۶۴	بعثت کا صمیمہ رجب یا رمضان اور نزول قرآن کی کیفیت
۲۶۵	ہماری رائے
۲۶۸	نتیجہ
۲۶۹	آغاز و تیج
۲۷۰	قرآن کا اعجاز
۲۷۵	دلیل
۲۷۶	بلاغت قرآن
۲۷۷	بلاغت
۲۷۸	اعجاز اور بلاغت کا ارتباط
۲۷۸	توضیح اور تطبیق
۲۸۲	ترجمہ اور تفسیر قرآن

۲۸۵	قرآن کا ظاہر و باطن
۲۸۶	حکم و مشابہ
۲۹۱	تاویل
۲۹۳	حروف مقطعات
۲۹۶	آغاز و حی کی روایات
۳۰۳	آغاز و حی کی روایات پر اعتراضات
۳۱۸	ویگر اعتراضات
۳۱۹	نبوت پر ایک اور ضرب
۳۲۲	آغاز و حی کی حقیقی صور تھال
۳۲۳	چھوٹ اور بناوٹی بائیس کیوں
۳۲۹	تثیجہ

## دوسری فصل۔ خفیہ دعوتِ اسلام

۳۳۳	پہلا مسلمان
۳۳۵	علیؑ کی اسلام میں سبقت
۳۳۶	امیر المؤمنینؑ کے صریح بیانات
۳۳۸	ایک دلیل اور
۳۳۹	حرف آخر
۳۴۰	خدیجہؓ (س) کو اولین مسلمان قرار دینا
۳۴۱	ابو بکرؓ کی اسلام میں سبقت
۳۴۲	توافق کی ناکام کوشش
۳۴۳	ان کا ہدف
۳۴۰	موازنة اور ہدف
۳۴۱	ابو بکرؓ کی دعوت پر مسلمان ہونے والے
۳۴۲	ابو بکرؓ کے رول (کردار) پر نظر کیوں؟

کیا عمر بن ابی وقاں اولین مسلمانوں میں سے تھے؟  
۳۵۸  
ابو قافہ کا قبولِ اسلام

دعوت کے مرحلے

خفیہ مرحلہ  
۳۶۰  
نبی اکرمؐ اور دارالارقم

قریش اور رسول اللہؐ دعوت کے خفیہ مرحلے کے دوران

حضرت ابوذرؓ کا قبولِ اسلام

ابوذرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعے سے حاصل ہونے والے نتائج

### تیسروی فصل، اسراء اور معراج

اسراء اور معراج  
۳۷۲

اسراء اور معراج کی تاریخ  
۳۷۳

قابل توجہ نکتہ  
۳۸۰

اسراء اور معراج۔ خواب میں یا بیداری میں  
۳۸۱

اسراء اور معراج۔ قرآن کی روشنی میں  
۳۸۲

ایک سوال اور اس کا جواب  
۳۸۵

لاددر کہ الابصار  
۳۸۴

سیر کی ابتداء مسجد سے  
۳۹۳

حضرت موسیؐ اور ہنگیکانہ نمازیں  
۳۹۳

اسراء اور معراج میں تحجب  
۳۹۶

اسراء اور معراج کے مقاصد  
۳۹۴

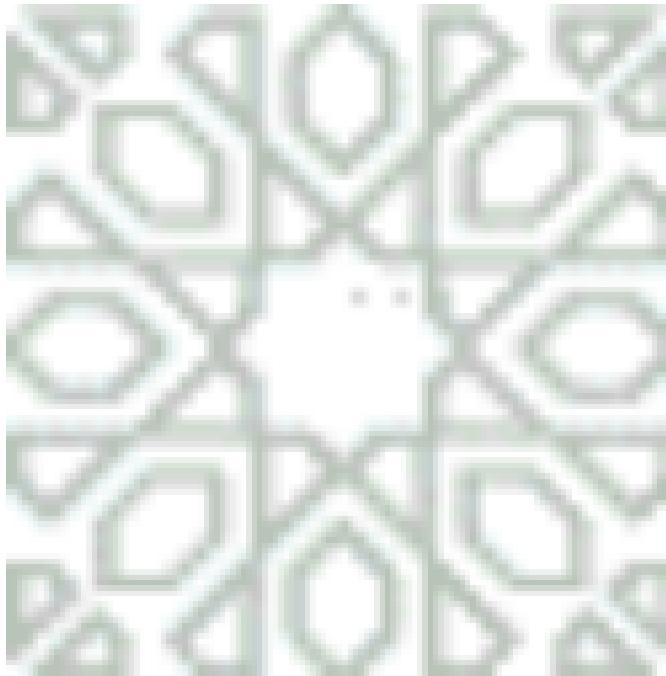
اذان  
۴۰۰

قرآن میں یہودیوں اور مسجد کا تذکرہ  
۴۰۰

آیات کا اجمالی مفہوم  
۴۰۱

راویوں اور مفسروں کے اقوال  
۴۰۵

۳۰۶	علامہ طباطبائی کی رائے
۳۰۸	آیات کے بارے میں ایک اور قول
۳۰۹	ایک اور نظریہ
۳۱۰	نظریہ دیگر
۳۱۲	ایک اور نظریہ
۳۱۳	دیگر روایات
۳۱۴	سب سے بہتر نظریہ
۳۱۵	وہ اہل قم ہی ہیں
۳۱۵	طولاںی جملیں
۳۱۶	دیگر روایات
۳۱۸	مغرب اور اسرائیل
۳۱۹	فلسطینی اور انگلی سر زمین
۳۲۲	فرست



ال manus سورة فاتحہ رائے تمام مرحومین

۱) شیخ صدوق	۱۳) سید حسین جبار فرشت	۲۵) تکمیل و اخلاق حسین
۲) علامہ بخاری	۱۴) تکمیل و سید حضرت علی رضوی	۲۶) سید متاز حسین
۳) علام انصاری حسین	۱۵) سید لفاف حسین زیدی	۲۷) تکمیل و سید اختر حسین
۴) علامہ سید علی نقی	۱۶) سید وہاڑہ ہرہ	۲۸) سید محمد علی
۵) تکمیل و سید عبدالعلی رضوی	۱۷) سید وہ روپیہ خاتون	۲۹) سید وہ روپیہ سلطان
۶) تکمیل و سید احمد علی رضوی	۱۸) سید نجم الحسن	۳۰) سید مظفر حسین
۷) تکمیل و سید رضا احمد	۱۹) سید مبارک رضا	۳۱) سید باسط حسین نقی
۸) تکمیل و سید حیدر رضوی	۲۰) سید تہذیب حیدر نقی	۳۲) تکمیل احمدی الدین
۹) تکمیل و سید سلطان	۲۱) تکمیل و میرزا احمد ہاشم	۳۳) سیدنا مصطفیٰ زیدی
۱۰) تکمیل و سید مردان حسین حضرتی	۲۲) سید باقر علی رضوی	۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۱۱) تکمیل و سید جبار حسین	۲۳) تکمیل و سید باسط حسین	۳۵) ریاض الحن
۱۲) تکمیل و سید رضا احمد علی	۲۴) سید عرفان حیدر رضوی	۳۶) خورشید تکمیل